

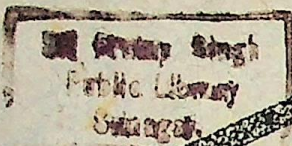
Leath

26. 10. 77

px 12. 11. 97

11 — $1\frac{1}{2}$ in sps. W. C. R.

2nd day of 3 days. (تیر چو)



زمانہ

جلد ۵۸

جنوری ۱۹۳۲ء

نمبر

فہرست مضامین

تصاویر (پیام محبت رنگین) مہاراجہ پرنتی راج چوہان ہندو بادشاہ دہلی
رائے بہادر بابو اتند سرور مرحوم

- | | |
|---|---|
| ۱۔ انگریزی ادبیات اور ہندوستان | ۸۔ تنقید کتب |
| از قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی | ۱۔ مرتع دہلی، فروغ بیان، کلام تجوہرا |
| ۲۔ قدیم افغانستان اور اسکے باشندے | ۹۔ ماہتاب |
| از شہکار جے۔ آر۔ رائے جرنلٹ | ۱۰۔ از لسان امند مولانا عزیز لکھنوی |
| ۳۔ ہندوستان میں بودھ مذہب کا مستقبل | ۱۱۔ مستقبل دہر |
| از بابو لنگا چرن لال صاحب بی۔ اے | ۱۲۔ از بابو شام موہن لال جگر بریلوی بی۔ اے |
| ۴۔ راؤ نڈھیل کا نفرین | ۱۳۔ عشق |
| از بابو اننت پرشاد نگم بی۔ اے، ایل ایل بی۔ ایچ ویکٹ | ۱۴۔ از سید احمد اللہ قادری نائب ایڈیٹر تاریخ |
| ۵۔ منشی سوہن لال حقیر | ۱۵۔ فلسفہ حیات |
| از منشی شام موہن لال جگر بریلوی بی۔ اے | ۱۶۔ از جناب برق دہلوی بی۔ اے |
| ۶۔ رائے بہادر بابو اتند سرور صاحب مرحوم | ۱۷۔ لطف سخن |
| از منشی جواہر شاد صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی | ۱۸۔ از لسان الملک جناب صفی، حضرت اشتر، جناب عفا |
| ۷۔ میری شہسواری | ۱۹۔ اختر جونا گڑھی، جناب سرشار |
| از مرزا اعظم بیگ چغتائی بی۔ اے، ایل ایل بی | ۲۰۔ علمی خبریں اور نوٹ |

زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا

قیمت سالانہ مالک غیر سے مندرجہ ششماہی ۴۰ ہندوستان سے ششماہی تین روپیہ

قیمت سالانہ

قیمت بیرونی

زمانہ بک ایجنسی کی دلچسپ قابل دید کتابیں

نصائح چانکیہ

یعنی نامور ہندو چانکیہ کے مشہور و معروف دینی کتاب ترجمہ از جناب بیڈٹ ہنٹ راج صاحب مددگار خزانہ سرکار عامہ گورنمنٹ نظام دام قبائل قیمت ۶

گلکے

لسان الملک حضرت غزل کشی کا مجموعہ کلام جس کا ہر قصہ ایک سخن زار اور ہر شعر ایک خوش رنگ پھول ہر قیمت ۷

لسان الغیب

شرح دیوان حافظ مہر مفضل سوانح عمری ملک کے مشہور اہل قلم حضرات کی رائے ہے کہ یہ شرح کیا کی گئی ہے کہ یہ شرح گئی ہے قیمت جلد اول ۷

کاس الکرام

شرح رباعیات عمر خیام مد مفضل سوانح عمری تمام ارباب سخن کا اس پر اتفاق ہے کہ اس موضوع پر اس سے زیادہ مکمل اور مبسوط کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔ قیمت تین روپیہ سے

قومی نمبر سالہ زمانہ

جس میں ۲۰ قابل دید مضامین نظم و نثر اور رئیس و سادہ تصاویر اور گاندرھی لالہ لاجپت رائے ڈاکٹر سپورسٹر ٹائیٹلو ڈاکٹر اقبال کے خاص پیغامات اور بہت سے قابل دید مضامین نظم و نثر شائع ہوئے ہیں۔ قیمت ۷

اندرستان

ملک کے مشہور سخن سنج مرزا جعفر علی خاں آثر لکھنؤی کا دیوان جس کا ہر مصرعہ پرانی اور ہر شعر تیز نشتر ہے قیمت ۷

مکمل عورت

دو لکھنؤ کی تعلیمی و سوشل حالات کا مطالعہ ایک کو بورڈ اسکول اور دوسری گھنٹہ و دو لکھ میں داخل کر کے یہ نایت کیا گیا ہے کہ کیا دیا لہ کی لڑکی تعلیمی و سوشل حالت میں بہتر ہے قیمت ۸

روحی رانی

جس میں حسن و عشق کی سچی داستان راز و نیاز کا دلچسپ سفر لکھ اور دنیا کی دلکش مثال موجود ہے

پریم بتیسی

یعنی اردو کے مشہور فنانہ نگار منشی پریم چند بی۔ اے کے بہترین قصوں کا مجموعہ۔ زبان کی لطافت اور بیان کی صفائی قابل دید ہے حصہ اول ۱۲ دوم ۱۲

دنیا کے راز

از ابو الفضل راز خان پوری قدیم و جدید طرز کی دلکش نظروں کا مجموعہ ہے ہر نظر لچا ظومضوع مکمل و نتیجہ خیز ہے مع تصویر قیمت صرف ایک روپیہ

یادگار قومی

جس میں ملک کے مشہور ترین انشایداروں کے ۱۵ مضامین اور چار لکھی تصویریں ہیں کاغذ لکھائی چھپائی صاف ہے قیمت ۷

ترجمہ رامائن منظوم

بال کاٹھ کا اصلی حصہ ہے جو اردو اور پانچاں ہندی ترجمہ اردو اشعار میں مترجمہ سورج پرشاد قصود قیمت ۸

بزم ارحباب

اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ ۸

سیر المصنفین

اردو انشا پرداز کی مکمل تاریخ از جناب مولوی محمد یحیی صاحب بی۔ اے۔ شعر کی طرح خوش کا جامع مذکرہ قیمت ۷

طریق دوستی

یہ کتاب ہر شخص کے قابل خرید ہے دولت کی چاہ سب کو ہے لیکن دولت کمانے کے طریقوں سے کم لوگ واقف ہیں اس کتاب میں دولت حاصل کرنے کے طریقے نہایت خوبی سے بیان کئے ہیں قیمت ۷

اردو مضمون نویسی

مضمون لکھنے کے متعلق ارشاد بی۔ اے پر و فیسر کا عمدہ کتاب ہے اس سے اردو لکھنے کی ہمارت پیدا ہے۔ قیمت ۸

حیات بیوہ

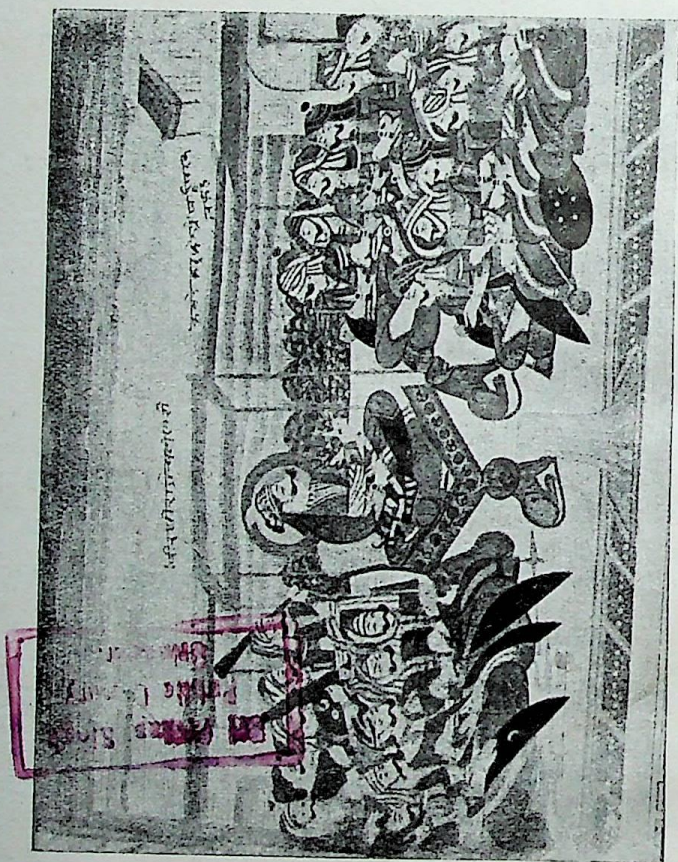
جس میں مصنف نے بیوہ حالت زار کا سچا نوٹ لکھنا ہے اور انکی جانگاہ مصیبتوں کا دلدار سین پیش کیا ہے قیمت ۷

زمانہ بک ایجنسی کا پتہ نور سے طلب فرمائیے

والله اعلم
بما كنا
نعم



پہاں صعبت
 عہد مغلیہ آخر اٹھارہویں صدی کے مصوری کا نمونہ



مردم دربار مهراجه پرتگیزی راج چوهان هندو بادشاه دملي

زمانہ

جلد جنوری ۱۹۳۲ء نمبر

انگریزی ادبیات اور ہندوستان

(از قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی)

مالک مشرقیہ میں قدامت کے لحاظ سے ملک ہندوستان کو جو عظمت اور فضیلت حاصل ہے وہ اس کے مذاہب، سلطنتوں، تہذیب و تمدن، اور آثار قدیمہ سے صاف ظاہر ہے، قدیم الایام میں دنیا کی مختلف اقوام کا تعلق ہند اور اہل ہند سے رہ چکا ہے، جس کے آثار ان قوموں کی تواریخ اور ادبیات میں موجود ہیں۔ چنانچہ قرون وسطیٰ میں انگلستان کا جو تعلق ہندوستان کے ساتھ رہا ہے اسکی نسبت کئی جزئی اور تفصیلی اشارات انگریزی ادبیات میں پائے جاتے ہیں۔ قاعدہ کی بات ہے کہ دنیا کے اہم واقعات کا اثر معاصر اہل قلم پر زیادہ ہوتا ہے۔ مگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو انگریزی ادب میں ہندوستان کا اثر بہت قلیل مقدار میں پایا جاتا ہے۔

مستعد النشاہد اذول اور شاعروں نے ہندوستان کے سحر اور شعبہ بازی کی نسبت کچھ حالات لکھے ہیں، اور ہندوستانی زندگی کے مختلف مناظر پیش کئے ہیں۔ مثلاً عورتوں کا رنگین اور زریں ملبوسا میں ندی کے کنارے پانی بھرنا، سفید پوش مقتدایان مذہب کا کسی مذہبی جلوس کے سامنے چٹکھے ہلانا۔ زربفت کی جھولوں سے لہے ہوئے ہاتھیوں اور ہودہ والے اونٹوں کا بازار سے گزرنا، بازار کا شور و شغب، صحرا کی خاموشی اور سکوت، یہ اور اس طرح کی کئی باتوں کا نقشہ انھوں نے اپنی تحریروں میں کھینچا ہے۔ ان مصنفین میں زیادہ تر مورخین اور محققین ہیں، اور اگر ان کو علیحدہ کر دیا جائے تو صرف

چند ایسے مصنف نکلیں گے جنہوں نے ہندوستان کا موضوع خاص طور پر اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولایت سے آئے والے سیاحوں کا مقصد ہندوستان آنے سے محض سیر عجائبات اور تفریح طبع تھا، یا تحصیل مال و زر، سیاحوں کا کام ادھر ادھر حکر لگانا یا روپیہ پیرا کرنا ہوتا ہے۔ تخیل سے کام لینے اور شاعری سے بہرہ ور ہونے کی نعمت بہت کم لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا تھا تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے انگریزی ادیبوں کی صف اول میں جگہ دی جاسکے، اور بالفرض ان میں سے کوئی بالکل ہندوستانی طرز پر ہندوستان کی نسبت کچھ لکھتا بھی تو انگریزی دال طبقہ اس سے مستفید نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہندوستان مالک مغرب سے ایک دور ترین ملک ہے اس لئے اس ملک کے اندرونی حالات، مذاہب، عوام و رسوم اور طرز معاشرت سے ان لوگوں کو برائے نام بھی آگاہی نہیں ہو سکتی تھی۔

ادب قدیم | انگریزی ادب کا دار و مدار تمام ترمیمی (لاطینی) اور یونانی ادبیات پر ہے، اس لحاظ سے وہ قدیم رومی اور یونانی روایات کا حامل ہے۔ لہذا ہندوستان کے متعلق ابتدائی معلومات کا سرچشمہ تمام یونانی اور رومی مصنفین کے وہ بیانات ہیں جو ہندوستان کی فتوحات اسکندری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بنا پر بعض معلومات یونانی اور رومی ذرائع سے انگریزی ادب میں داخل ہو گئیں۔ قدیم شعرا میں چاسر نے (جو انگریزی شاعری کا باؤ آدم ہے) اپنے بعض منظوم قصوں میں ہندوستان کے متعلق بعض امور کا ذکر کیا ہے چنانچہ *Knights Tale* (قصہ رئیس) میں اُس نے امیر تیس اعظم بادشاہ ہندوستان کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح *Pardoners Tale* (قصہ خطا بخش) میں بید پائربین کی کلیلہ و دمنہ سے ایک حکایت نقل کی ہے، جو ابن المقفع کے عربی ترجمہ کے ذریعہ یورپ میں پہنچی تھی۔ اس سے زیادہ چاسر کے کلام میں ہندوستان کے متعلق کچھ نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح پندرہویں صدی کے ایک اور فسانہ منظوم میں جس کا نام *Geste of Alexander* (کارنامہ سکندر) ہے، ہندوستان کی نسبت ایک اور اشارہ پایا جاتا ہے، اس کا مصنف غالباً انگلستان کے جنوب مشرق کا باشندہ تھا جو ۱۳۷۷ء میں گزرا ہے۔ وہ ہندوستانی فوج کے ہاتھیوں اور دیگر عظیم الجثہ حیوانات کے خیال سے بہت دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ نیز ان جواہرات کے نام بھی اس نے گنوائے ہیں جو اسکندر کو ہندوستان سے ہاتھ لگے تھے۔ سونے کے نقش ستون جن میں جواہرات، مردارید، زمرہ اور یا قوت جڑے ہوئے تھے، ہاتھی دانت کی تراشی ہوئی ہندو دیوتاؤں کی صورتیں، جاہان کے تجویز، صدف کے پھول اور برندے۔ اس طرح ان تمام

۱۷ قصص کنیٹبری *Canterbury Tales*

۱۸ ابن المقفع کے عربی ترجمہ کا عبرانی میں ترجمہ ہوا تھا، اسی کا لاطینی ترجمہ جان آف کپوآ نے ۱۲۷۷ء میں کیا (ادبیات ایران بلدہ ص ۳۵۰) اسی لاطینی ترجمہ کی بدولت کلیلہ و دمنہ کی حکایت یورپ میں پہنچی۔

بیش باخرازل کا اس نے ذکر کیا ہے جو اسکندر اعظم کو ہندوستان سے ہاتھ لگے تھے۔

اس کے سو سال کے بعد ایک اور نظم لکھی گئی جس کا نام King Alysaunder (اسکندر

بادشاہ) ہے۔ اس میں ہندوستان کو ایک متمول اور کثیر آبادی والا ملک بتایا گیا ہے، جس میں کئی شہر اور

قلعے ہیں۔ دریائے گنگا کے دکن میں تین سو فٹ کی گھٹی کا اس میں ہونا بتایا گیا ہے۔ بہر حال سولہویں صدی

کے آغاز تک ہندوستان کے متعلق انگریزی ادب کے دامن میں ان چند خرافہ باروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

تعلقات کی ابتدا | انگلستان کا تعلق ہندوستان سے جب کبھی قائم ہوا ہو، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ چودھویں صدی

میں انگریزوں کی توجہ اس کی طرف منطقت ہو گئی تھی، پھر بھی صحیح طور پر یہ تعلقات اس وقت سے شروع ہوئے

جب سولہویں صدی میں انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرنے کی تحریک پیدا ہوئی، چنانچہ

اسی دھن میں انھوں نے بحری سفر کی تیاریاں کیں، اور کونکس اور واسکو ڈی گاما جیسے اولوالعزم سیاحوں نے

ہندوستان کے جزائر کا رخ کیا۔ اول الذکر کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دراصل وہ جزائر ہند کی تلاش کو نکلا تھا،

مگر غلطی سے امریکہ پہنچ گیا، اور اسی وجہ سے وہاں کے ”سنچ رو جیٹوں“ کو اس نے ”ریڈ انڈین“ کا لقب

دیدیا۔ بہر حال اور مہتمم بالشان تحریکات کی طرح ہندوستان پر قبضہ کرنے کی یہ تحریک خاص طور پر قابلِ غماز ہو

جس کا اثر انگریزی ادبیات پر پڑنا لازمی تھا۔ جب ڈی گامالے نے ہندوستان میں داخل ہو کر ہندوستان کا بحری راستہ

معلوم کر لیا تو اہل انگلستان کو ہندوستان کی نسبت مزید معلومات حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد انگریز سیاح

یکے بعد دیگرے ہندوستان آئے گئے۔

عہد الزامیتھ | انگلستان کے حکمرانوں میں الزامیتھ ایک نامور اور شان و شوکت والی ملکہ گزنی ہے جس کا

عہد ادب کے لئے عہد زریں سمجھا جاتا ہے۔ اس کے عہد حکومت میں پانچ سیاح اسٹیونس، نیوبری، لیڈز

اسٹوری اور ہیچ ہندوستان کے جواہرات خریدنے اور یہاں کے عجائبات دیکھنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔

ہندوستان میں اس وقت عہد اکبری کا دور دورہ تھا۔ ملکہ انگلستان نے اپنے معاصر بادشاہ کے نام رقعہ لکھ کر

نیوبری کے حوالہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

”چونکہ ہماری رعایا کو دنیا کے دور دراز ممالک کی سیر و سیاحت کا بید شوق ہے جس سے ان کا مقصد

حتی الامکان تمام اقوام عالم کے ساتھ تجارتی تعلقات پیدا کرنا ہے تاکہ اس ذریعہ سے باہمی دوستانہ

۱۷ تاریخ امریکہ ص ۱۰ از مولوی محمد علی تہا، مطبوعہ الناظر پریس۔

۱۸ مسٹر ولسنٹ اپنی تحقیق ”تاریخ اکبر“ میں (۱۶۹۹) لکھتے ہیں کہ ملکہ کا اصلی خطابہ ”مفتیٰ“ ہے، صرف اس

بعض فقرے ملتے ہیں مندرجہ بالا خط کے الفاظ جو اصل تحریر کا مفہوم ادا کرتے ہیں، سیاحوں کے بیانات سے لئے گئے ہیں۔

چند ایسے مصنف نکلیں گے جنہوں نے ہندوستان کا موضوع خاص طور پر اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولایت سے آنے والے سیاحوں کا مقصد ہندوستان آنے سے محض سیر عجائبات اور تفریح طبع تھا، یا تحصیل مال و زر، سیاحوں کا کام ادھر ادھر حکہ لگانا یا ردیہ پیدا کرنا ہوتا ہے تخیل سے کام لینے اور شاعری سے بہرہ ور ہونے کی نعمت بہت کم لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا تھا تو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے انگریزی ادیبوں کی صفت اول میں جگہ دی جاسکے، اور بالفرض ان میں سے کوئی بالکل ہندوستانی طرز پر ہندوستان کی نسبت کچھ لکھتا بھی تو انگریزی دال طبقہ اس سے مستفید نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہندوستان مالک مغرب سے ایک دور ترین ملک ہے اس لئے اس ملک کے اندرونی حالات، مذاہب، عوام اور رسوم اور طرز معاشرت سے ان لوگوں کو برائے نام بھی آگاہی نہیں ہو سکتی تھی۔

ادب قدیم انگریزی ادب کا دار و مدار تامل و رومی (لاطینی) اور یونانی ادبیات پر ہے، اس لحاظ سے وہ قدیم رومی اور یونانی روایات کا حامل ہے۔ لہذا ہندوستان کے متعلق ابتدائی معلومات کا سرچشمہ تامل و یونانی اور رومی مصنفین کے وہ بیانات ہیں جو ہندوستان کی فتوحات اسکندری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بنا پر بعض معلومات یونانی اور رومی ذرائع سے انگریزی ادب میں داخل ہو گئیں۔ قدیم شعرا میں چاسر نے (جو انگریزی شاعری کا باوا آدم ہے) اپنے بعض منظوم قصوں میں ہندوستان کے متعلق بعض امور کا ذکر کیا ہے چنانچہ *Knights Tale* (قصہ رئیس) میں اس نے امیر تیوس اعظم بادشاہ ہندوستان کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی طرح *Pardoners' Tale* (قصہ خطا بخش) میں بید پائرمین کی کلیدہ و دمنہ سے ایک حکایت نقل کی ہے، جو ابن المقفع کے عربی ترجمہ کے ذریعہ یورپ میں پہنچی تھی۔ اس سے زیادہ چاسر کے کلام میں ہندوستان کے متعلق کچھ نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح پندرھویں صدی کے ایک اور فنانہ منظوم میں جس کا نام *Geste of Alexander* (کارنامہ سکندر) ہے، ہندوستان کی نسبت ایک اور اشارہ پایا جاتا ہے، اس کا مصنف غالباً انگلستان کے جنوب مشرق کا باشندہ تھا جو سنہ ۱۲۳۷ء میں گزرا ہے۔ وہ ہندوستانی فوج کے ہاتھیوں اور دیگر عظیم حیوانات کے خیال سے بہت دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ نیز ان جواہرات کے نام ہیں اس نے گنوائے ہیں جو اسکندر کو ہندوستان سے ہاتھ لگے تھے۔ سونے کے نقش ستون جن میں جواہرات، مردارید، زمرہ اور یاقوت بڑے ہلکے تھے۔ ہاتھی دانت کی تراشی ہوئی ہندو دیوتاؤں کی صورتیں، جامہائے بوریں، صدف کے پھول اور برندے۔ اس طرح ان تمام

۱۰ قصص کینٹبری *Canterbury Tales*

۱۱ ابن المقفع کے عربی ترجمہ کا عبرانی میں ترجمہ ہوا تھا، اسی کا لاطینی ترجمہ جان آف کپوائے نے ۱۲۷۲ء میں کیا (ادبیات ایران بلدۃ ص ۲۵۰) اسی لاطینی ترجمہ کی بدولت کلیدہ و دمنہ کی حکایات یورپ میں پہنچیں۔

بیش باخرازل کا اس نے ذکر کیا ہے جو اسکندر اعظم کو ہندوستان سے ہاتھ لگے تھے۔

اس کے سو سال کے بعد ایک اور نظم لکھی گئی جس کا نام King Alysaunder (سکندر بادشاہ) ہے۔ اس میں ہندوستان کو ایک متول اور کثیر آبادی والا ملک بتایا گیا ہے، جس میں کئی شہر اور قلعے ہیں۔ دریائے گنگ کے ذکر میں تین سو فٹ کی مچھلی کا اس میں ہونا بتایا گیا ہے۔ بہر حال سولہویں صدی کے آغاز تک ہندوستان کے متعلق انگریزی ادب کے دامن میں ان چند خرافات باروں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

تعلقات کی ابتدا | انگلستان کا تعلق ہندوستان سے جب کبھی قائم ہوا ہو، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ چودھویں صدی میں انگریزوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہو گئی تھی، پھر بھی صحیح طور پر یہ تعلقات اس وقت سے شروع ہوئے جب سولہویں صدی میں انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کرنے کی تحریک پیدا ہوئی، چنانچہ اسی دہن میں انھوں نے بحری سفر کی تیاریاں کیں، اور کولمبس اور ڈاسکوٹکا جیسے اولوالعزم سیاحوں نے ہندوستان کے خزانہ کا نسخہ کیا۔ اول الذکر کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دراصل وہ جزائر ہند کی تلاش کو نکلا تھا، مگر غلطی سے امریکہ پہنچ گیا۔ اور اسی وجہ سے وہاں کے ”سیخ رو جیشوں“ کو اس نے ”ریڈ انڈین“ کا لقب دیدیا۔ بہر حال اور ہمیشہ انسان تحریکات کی طرح ہندوستان پر قبضہ کرنے کی یہ تحریک خاص طور پر قابلِ ملاحظہ ہو جس کا اثر انگریزی ادبیات پر پڑنا لازمی تھا۔ جب ڈگامانے نرسوز میں داخل ہو کر ہندوستان کا بحری راستہ معلوم کر لیا تو اہل انگلستان کو ہندوستان کی نسبت مزید حلوامات حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد انگریز سیاح یکے بعد دیگرے ہندوستان آئے گئے۔

عہد الزامیتہ | انگلستان کے حکمرانوں میں الزامیتہ ایک نامور اور شان و شوکت والی ملکہ گزئی ہے جس کا عہد ادب کے لئے عہدِ زریں سمجھا جاتا ہے۔ اس کے عہدِ حکومت میں پانچ سیاح اسٹیونس، نیوبری، لیڈز اسٹوری اور بیچ ہندوستان کے جواہرات خریدنے اور یہاں کے عجائبات دیکھنے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ ہندوستان میں اس وقت عہدِ اکبری کا دور دورہ تھا۔ ملکہ انگلستان نے اپنے معاصر بادشاہ کے نام رقعہ لکھ کر نیوبری کے حوالہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔

”چونکہ تمہاری رعایا کو دنیا کے دور دراز ممالک کی سیر و سیاحت کا بے حد شوق ہے جس سے ان کا مقصد حتی الامکان تمام اقوامِ عالم کے ساتھ تجارتی تعلقات پیدا کرنا ہے تاکہ اس ذریعہ سے باہمی دوستی

۱۷ تاریخ امریکہ ص ۱۰ از مولوی محمد علی تنہا، مطبوعہ الناظر پریس۔
۱۸ سٹرولسنٹ اسمتھ اپنی مہتممانہ تاریخ ”اکبر“ میں (ص ۲۱۹) لکھتے ہیں کہ ملکہ کا اصل خط بیہنہ محققانہ نہیں ہے، صرف اس بعض فقرے ملتے ہیں۔ مندرجہ بالا خط کے الفاظ جو اصل تحریر کا مفہوم ادا کرتے ہیں، سیاحوں کے بیانات سے لئے گئے ہیں۔

روابط قائم کئے جاسکیں۔ اسی لئے حاملِ رقعہ ہر جان نیویری مع اپنے رفقا کے نہایت ادب اور دیانت داری کے ساتھ آپ کی حدودِ مملکت میں داخل ہونے کی جرأت کر رہا ہے۔“

انہی سیاحتوں کا یہ نتیجہ تھا جس کا اثر انگلستان کے شعرا اور مصنفین کے تخیل پر پڑا۔ اس عہد کے ابتدائی شعرا میں اسپنسر (Spencer - ۱۵۹۹ء) نے اپنی مشہور منظوم *Faerie Queene* (پری جہال ملک) میں تقریباً سات جگہ ہندوستان اور اس کے دریاؤں گنگا اور سندھ کا ذکر کیا ہے۔ اور گو اس فسانہ منظوم میں شرقی تخیل کا اثر بہت بڑی حد تک پایا جاتا ہے، تاہم ہندوستان کے متعلق اس میں مزید حالات نہیں ملتے۔ اسی طرح اس عہد کے نامور شاعر اور ڈراما نویس ولیم شکسپیر نے ہندوستان کی نسبت بعض اشارات اپنے ڈراموں میں کئے ہیں، مثلاً:

”بوقتِ تبسم اس کے چہرے پر کئی لکیریں نمودار ہو جاتی ہیں جتنی کہ جدید نقشہ میں باضافہ ہندوستان موجود ہیں۔“

”وہ جس کے ہاتھ نے ایک بدتر ہندوستانی کی طرح ایک موتی کو پھینک دیا۔“

سترھویں صدی کا نامور ادیب اور شاعر جان ملٹن جو بقول ڈرامیڈن اپنی بلند خیالی اور بلند نظری کے لحاظ سے انگریزی کے تمام قدیم و جدید شعرا اور انشا پردازوں پر فوقیت رکھتا ہے، اس کے کلام میں ہندوستان کے متعلق بعض حوالے ملتے ہیں، مگر اس کی معلومات کا تمام سرمایہ اُن سیاحوں کے بیانِ میں جو عہد الزابتھ میں ہندوستان آئے تھے۔ چنانچہ انہیں اپنے شاہکار *Paradise Lost* (فردوس گم شدہ) میں لکھتا ہے:-

”کسی دور ترین سمندر میں ایک جہاز جو خاموش پڑا ہوا، معتدل ہواؤں کی وجہ سے بادلوں میں ٹپک رہا ہے، بنگالہ سے چلتا ہوا، یا جزائرِ ٹرینیٹ اور ٹامبیڈور سے، جہاں سے تاجر مسالہ دار ادویہ لاتے ہیں۔“

ہندوستان کے شہروں میں آگرہ اور لاہور کا ذکر سلاطینِ مغلیہ کے پایہ تخت کے طور پر کیا گیا ہے۔ طیار اور دکن کا نام بھی لیا گیا ہے۔ دریاے گنگا اور سندھ کے نام بھی بعض اشعار میں ملتے ہیں۔

- ۱۔ ہندی ہفتہ ایکٹ ۵-۳
 ۲۔ آتھیلو ایکٹ ۵-۲
 ۳۔ پراڈ آف لاسٹ، باب ۲ (کلیاتِ ملٹن ص ۱۱۶) چندوس کلاسکس (۱۱) ایضاً باب ۱۱ (کلیات ص ۳۳۲)
 ۴۔ ایضاً باب ۹ (کلیات ص ۲۹)
 ۵۔ ایضاً باب ۹ (ص ۲۶۴)

عہد الزامیتھ کے مشاییر شعر میں سے کسی نے ہندوستانی موضوع پر کوئی مستقل چیز نہیں لکھی البتہ مارلو (Marlow) نے اپنے ایک ڈرامے کے لئے فاتح اعظم امیر تیمور کو پسند کیا اور اس کا نام بھی Tambar Laine (تیمور لنگ) رکھا، گو ہندوستان سے اس کو کوئی خاص تعلق نہیں ہے، تاہم اس میں تیمور کی زبانی ایٹ انڈیا اور بعد کے اکتشاف شدہ جزائر کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سورت میں انگریزوں کا کارخانہ قائم کرنے کا خیال مارلو کے دل میں بھی موجود تھا۔

سترھویں صدی کے آخر میں انگلستان کے ملک الشعراء ڈرائیڈن Dryden (1686-1700) نے "اوزنگ زیب" کے نام سے ایک ڈراما لکھا، یہ پہلا ادیب ہے جس نے اپنے ڈرامے کے لئے خالص ہندوستانی پلاٹ پسند کیا۔ لیکن اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ہندوستان کی نسبت انگریزوں کی معلومات بہت محدود تھیں۔ بعض باتیں تو اس میں اس قدر غلط اور مضحکہ انگیز لکھی گئی ہیں کہ اگر خود اوزنگ زیب یہ ڈراما دیکھتا تو وہ اپنے تئیں بھی مشکل سے پہچان سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈرائیڈن نے مغلیہ سلطنت کی نسبت چند باتیں سنی ہوئی۔ انھیں کی بنیاد پر اس کے تخیل نے ایک مشرقی تاجدار کی نسبت ایک من گھڑت پلاٹ تیار کر کے رکھ دیا۔ اس کی معلومات کی غلطیوں کا اندازہ صرف اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ وہ ہندو مذہب کو اسلام کے ساتھ گڈ مڈ کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے مراد کی چار پر اس کی بیگم ملیسندہ کا یہ نام بجائے ہندوستانی کے یونانی معلوم ہوتا ہے سستی ہونے کے لئے جانا بیان کیا ہے، اسے کیا معلوم تھا کہ مردہ جلانے اور بیوہ عورت کے سستی ہونے کی رسم خاص ہندوؤں کی ہے اور مسلمانوں کو اس سے قطعاً کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح اس نے اوزنگ زیب جیسے پکے مسلمان بادشاہ کے منہ سے یہ الفاظ کھلائے ہیں جن سے اس کا مسئلہ متاسخ کا قائل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

”متاسخ ہو اگر آئندہ روح غیر فانی کا بنے تو ریچہ یا شیرانی پھلی زندگانی کا“

ایسی اہم غلطیوں کے بعد اگر اس ڈرامے میں عالمگیر اور شاہجہاں یونانیوں کے علم الاساطیر کا ذکر کرتے ہوئے دکھائی دیں تو کیا تعجب کیا جاسکتا ہے۔

ملکہ این کاہند اس عہد میں انگریزی ادب نے نیا چولا بدلا، اگرچہ اس وقت تک سفرناموں اور روزناموں میں ہندوستان کے متعلق کافی مواد مہیا ہو چکا تھا تاہم پوپ اڈلسن جیسے مشرقی تخیل کے ادیب کے ہاں بھی چند معمولی باتوں کے سوائے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ ٹامسن (Thomson) شاعر نے اپنی نظم Seasons (سہ سال کے موسم) میں دو ایک جگہ ہندوستان کا ذکر کیا ہے۔ ایسٹن Issac Watts

لے کلیات ڈرائیڈن (ڈراما اوزنگ زیب) سترھویں سال اور موسم گرما میں ہندوستان کے غروب ہونے والے سورج اور ہندوستانی انجیر کا ذکر ہے۔

آئزک وائلز (۱۸۷۷ء) نے ہندوستانی فلسفی (Indian Philosopher) کے نام سے ایک نظم لکھی ہے، انگریزی میں یہ پہلی نظم ہے جس میں ہندوستان کا مذہبی اثر پایا جاتا ہے۔

اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں ہندوستان کی نسبت اس سے زیادہ انگریزی ادبیات میں کچھ نہیں پایا جاتا کہ وہ ایک گرم ملک ہے جہاں ہاتھی، چیتے اور کیلے کے درخت کثرت سے ہوتے ہیں، نیز یہ کہ یہاں کے بادشاہوں کے درباروں میں ہر وقت موتی، زمرد اور سونا ہی چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ انگریزی کا مشہور ادیب Johnson (جاسن) تو ہندوستانیوں کو ”جستی“ کا لقب عطا کرتا ہے جو بجائے ان کے افریقہ کے غلاموں کے لئے زیادہ موزوں ہو سکتا ہے، لیکن انگلستان سے آنے والے سیاحوں میں بعض ایسے علما اور مورخ بھی تھے جن کے سفرناموں اور روزناموں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان جو اہرات اور دندوں سے بھرا ہوا ایک گرم ملک ہی نہیں ہے بلکہ اس میں عقل و مذہب اور بلند تخیل رکھنے والے انسان بھی بستے ہیں۔“

ایسٹ انڈیا کمپنی | اٹھارھویں صدی کے وسط تک انگلستان کی نمایندگی کرنے والی ایک تجارتی کمپنی کے ذریعہ ہندوستان کے حالات انگریزوں کو معلوم ہوتے رہے۔ مگر جب لارڈ کلاؤ بہت بڑی دولت لیکر وطن پہنچا اور اس کے بعد اور لوگ بھی ہندوستان سے مالا مال ہو کر جانے لگے تو لوگوں کی نگاہیں عام طور پر ہندوستان کی طرف اٹھنے لگیں، باوجود اس کے اس زمانہ میں ہندوستان کے ساتھ انگلستان والوں کے رسل و رسائل اور تجارت کی بدولت مستحکم روابط قائم ہو گئے تھے، تاہم ہندوستان کی اندرونی زندگی کی نسبت اہل انگلستان کو کچھ معلوم نہ ہوا اور وہاں کے امرا یہاں کے دو متمند انگریزوں کو نفرت ہی کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ عام اہل انگلستان بھی رشک کی وجہ سے ان کو برا بھلا ہی کہتے رہے، اس لئے کہ انھوں نے ہندوستان میں رہ کر ”تباہ شدہ صوبجات“ اور متحدہ مقتولین سے اپنی نابالغ دولت حاصل کی تھی اور نہراہوں کے کھنڈروں پر اپنی عمارتیں تعمیر کی تھیں۔

آخر کار مظلوم ہندوستان کے ساتھ ہمدردی کا زمانہ آیا۔ اور (Barrke برک) جیسے آتش بیان مقرر اور مقنن نے دارالعوام میں دارن بیسیٹنگز پر طرح طرح کے سنگین الزامات قائم کرتے ہوئے ایک جذبات انگیز تقریر کی، اور ان تمام مظالم کی تفسیح کی جو بیسیٹنگز اور اس کے ساتھیوں نے ہندوستانیوں پر کئے تھے۔ برک کی تقریر دارن بیسیٹنگز کے الزام پر ”انگریزی ادبیات کا ایک شہ پارہ ہے، اور اگرچہ یہ تقریر محض وقتی دلچسپی کی چیز تھی

۱۷۷۷ء وہ فقرہ جس جو دراصل برک کے اس جس جو اس نے اپنی تقریر میں استعمال کئے ہیں۔

۱۷۷۷ء دیکھو تصانیف برک (Barrke's Works) جلد چہارم و پنجم ص ۲۲۰ تا ص ۵۳۳۔ اور ص ۶۶ (طبع جارج میل ۱۹۱۷ء) برک نے اپنی رپورٹ ۱۸۴۲ء پر اپریل ۱۸۴۷ء کو دارالعوام میں پیش کی تھی۔

ہندوستان میں بودھ مذہب کا مستقبل

(از بابو گنگا چرن لال صاحب نی لے)

کچھ عرصہ سے برما اور سیلون کے بودھ بھکشوؤں کا دھیان ہندوستان کی طرف لگا ہوا ہے، بھگوان بدھ کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی، ہمیں اُنھوں نے چھ برس سخت ریاضت کی اور روشن ضمیر حاصل کر کے اپنے عالمگیر مذہب کی تلقین شروع کی، دنیا بھر کے بودھ عقیدہ مند اس ملک کے لئے وہی عظمت رکھتے ہیں جو اہل اسلام مکہ و مدینہ اور مسیحی و یہودی بیت المقدس کے لئے رکھتے ہیں۔ یہ ملک اُن کی روحانی امیدوں کے ساتھ وابستہ ہے اور اُن کی دلی خواہش ہے کہ ایک بار پھر اس ملک میں بودھ مذہب پھیل جائے۔

یہ کہنا دشوار ہے کہ کس حد تک یہ امیدیں برائیں گی، ابھی تک ہندوستانیوں کی طرف سے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں ملا مگر چند سال کے عرصہ میں اور بے سرو سامانی کی حالت میں غیر ملک کے نفقہ جو کچھ بھی کام کر پائے ہیں اس سے یہ امید ضرور ہوتی ہے کہ ان کی کوششیں بیکار نہ جائیں گی۔ اس میدان میں موجودہ زمانہ میں جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ قابل ذکر ہیں کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد وہ لوگ بھی جوان کی پے درپے کوششوں سے مستفیض ہونگے اُن کو بھول جائیں گے۔ ہر ایک پہلے کام کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے ان کارکنوں میں سیلون کے زندہ جاوید بودھ بھکشو دیوتر دھر مپال جو انگاریکا دھر مپال کے نام سے سارے عالم میں مشہور ہیں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اشوک اور کنشک کے بعد شاید ہی کسی بودھ نے ہندوستان میں بودھ دھرم پھیلانے کی اتنی کوشش کی ہوگی جتنی دھر مپال کر رہے ہیں۔ آپ سیلون کے ایک مشہور متمول خاندان سے ہیں جنھوں نے دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر فقیر بن کر فیئر جامہ زیب تن کیا اور تھوڑی سی عمر ہی میں کرنل آکٹا کے ساتھ ہوئے جو ایک عقیدہ مند بودھ اور تھیا سوفیل سوسائٹی کے بانی مہانی تھے۔ آپ چالیس برس سے اس میدان میں کام کر رہے ہیں اور آپ کی زندگی کا کوئی دن اس کوشش سے خالی نہیں رہا۔ آپ نے مہا بودھی سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جس کی شاخیں سیلون، برما، ہندوستان، انگلستان اور امریکہ کے دور دراز ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ نے کئی بار ان دور دراز ٹھنڈے ملکوں کا سفر کیا جو آپ کی صحت کے لئے نہایت مضر ثابت ہوا۔ اور وہاں کے باشندگان کا دھیان بھگوان بدھ کی بے نظیر

زندگی اور بدھ مذہب کے اعلیٰ اصولوں کی طرف رجوع کیا۔ ہندوستان میں آپ نے پے درپے کوششیں اس امر کی کیں کہ گیا کا بودھ مندر پھر بودھ لوگوں کے ہاتھ میں آجائے۔ مگر اہل ہندو کی ضد کی وجہ سے اس میں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ تاہم آپ نے کئی ہزار کے صرف سے گیا میں ایک دھرم شالہ تعمیر کرا دیا ہے جس کی وجہ سے دور و دراز کے بودھی یا تریوں کو بڑی سہولیت ہوتی ہے اور ایک آرام گاہ گیا اسٹیشن کے پاس بنوائی ہے۔ ان کے علاوہ کلکتہ میں ایک لاکھ روپیہ کے سرمایہ سے ایک عالی شان دھار (بودھ مندر) بنوایا اور اس میں بھگوان بدھ کے پاکیزہ جسم کی بڑیاں رکھیں۔ کلکتہ سے آپ کی سرپرستی میں ایک انگریزی رسالہ ”مہا بودھی“ کے نام سے شائع ہوتا ہے جو بودھ مذہب کے رسالوں میں ممتاز و برجہ رکھتا ہے ہفتہ وار بودھ دھرم اور بھگوان بدھ کی سیرت پر یکچہرہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے ہندوستانی بودھ دھرم سے خاص دلچسپی رکھنے لگے ہیں۔ آج کل دھرم پال جی سا رانا تھ میں مقیم ہیں جہاں آپ نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے خرچ سے ایک نہایت خوبصورت اور عالیشان دھار تعمیر کرایا ہے جس میں بھگوان بدھ کے پاکیزہ جسم کی بڑیاں مدفون کی ہیں۔ آپ اپنی زندگی کا بقیہ حصہ اسی جگہ گزارنا چاہتے ہیں جہاں بھگوان نے اپنا پہلا وعظ دیا تھا اور جہاں آپ ایک بودھ درس گاہ کے قائم کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

بلرامپور سے سات میل کے فاصلہ پر اوڈھ کی راجدھانی سروتی کے کھنڈر ہیں۔ اس مقام پر ایک ہندوستانی تاجر انا تھ پنڈک نے بھگوان بودھ کے واسطے نہایت عالی شان دھار بنوایا تھا جس میں بھگوان پچیس برساتیں مقیم رہے۔ اس جگہ ایک برمی بھکشو نے جن کا نام مسندر بابا ہے دو دھرم شالے بنوائے ہیں جس کی وجہ سے بودھی یا تریوں کو بڑا آرام ملتا ہے، اس پاس کے دیہاتوں میں اس فقیر کی بڑی عزت ہے اور وہ اپنی پاکیزہ زندگی سے بھگوان بودھ اور ان کی تعلیم کی عزت بڑھا رہا ہے۔ خاص بلرامپور میں ایک برمی بھکشو ایسا ایک اعلیٰ پایہ پر عمارت بنانے کا کام کر رہا ہے اور اگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا تو بلرامپور میں ایک بودھ درس گاہ قائم ہو جائیگی۔

راجگرہ وہ مقام ہے جہاں پہلی بودھ کونسل منعقد ہوئی تھی، بھگوان بدھ کے زمانہ میں یہ جگہ کا دارالخلافہ تھا اور بھگوان کے معتقد ہمارا جہ لب سا یہاں حکومت کرتے تھے۔ یہاں گرم پانی کے کئی چشمے موجود ہیں اور پانچ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں جن پر یعنی اور اہل ہندو کے مندر بنے ہوئے ہیں۔ اس میں سے ایک پہاڑی پر جس کو گدگروٹ کے نام سے پالی کتابوں میں یاد کیا گیا ہے بھگوان بدھ اکثر آکر قیام کرتے تھے۔ اس مقام پر غیر ملکوں سے سینکڑوں بودھی یا تری آتے ہیں اور ایک نیک برمی بھکشو نے نہایت خوبصورت چھوٹا سا دھرم شالہ بنا کر سنہ ۱۸۷۰ء میں تعمیر کرائی ہے۔ اس کی زندگی گزشتہ بودھ زمانہ کی یاد دلاتی ہے جس کو یاد کر کے عقیدتمند بودھ آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

اس مقام سے چند میل کے فاصلہ پر نالندہ یونیورسٹی کے کھنڈرات برآمد ہوئے ہیں جو گزشتہ غفلت کا پتہ دیتے ہیں۔ کسی نگر ضلع گورکھپور میں تحصیل کیسے چند میل کے فاصلہ پر وہ مقام ہے جہاں بھگوان بدھ نے رحلت فرمائی تھی۔ اس مقام پر پڑا سنے زمانہ کے کھنڈرات برآمد ہوئے ہیں اور ایک نہایت لمبا چڑا لیٹا ہوا بت بھگوان بدھ کا دستیاب ہوا ہے جو اس بات کا شاہد ہے کہ اسی جگہ بھگوان بدھ نے سال کے دو درختوں کے بیچ میں لیٹے ہوئے اس دار فانی سے کوچ فرمایا تھا۔ ایک عرصہ ہوا کہ صوبہ بہار کے ایک مغر زراچہوت گھرانے کا ایک لڑکا غدر کی بربادی کے بعد سیلون چلا گیا اور وہاں کی خانقاہوں میں تعلیم پانے کے بعد بدھ مذہب میں داخل ہو گیا اور بھکشو بن گیا۔ اپنے وطن میں واپس آنے کے بعد اس فقیر نے کسی نگر میں سکونت اختیار کر لی اور یہاں ایک دھرم شالہ بنوایا۔ اس ہندوستانی بھکشو کی آس پاس کے دیہاتوں اور غیر مالک کے یاتریوں میں بڑی عزت تھی اور برما و سیلون میں مہابیر بھکشو کا نام کافی طور سے مشہور تھا۔ اب ان کی جگہ چند نئی بھکشو کام کر رہے ہیں۔ جتنے برمی بھکشو ہندوستان میں موجود ہیں وہ آپ کو اپنا گرو مانتے ہیں اور برما کے یاتری لوگ بھی خاص طور سے آپ کی عزت کرتے ہیں۔ قرب و جوار کے دیہاتوں میں آپ کی بہت عزت ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ میسا کھ پور نام کے دن سات روز متواتر بھگوان بدھ کی یاد گاریں یہاں ایک میلہ کیا جاتا ہے جس میں ہزار ہا آدمی حصہ لیتے ہیں۔ آپ ہندو مذہب اور سنسکرت کے بھی ماہر ہیں

دھرم پال جی کے ساتھ جو دو اور ہسپتال کام کر رہی ہیں اور جن سے آئندہ کی بہت کچھ اُمیدیں وابستہ ہیں ان میں سے ایک سری دیو پر یہ وال سناہیں، آپ بھی سیلون کے باشندے ہیں اور اوائل عمر ہی سے دھرم پال جی کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ایک سال کا عرصہ ہوا کہ آپ ولایت سے واپس آئے ہیں، وہاں آپ مہا بودھی سوسائٹی کے منیجر تھے اور جب سے واپس آئے ہیں نہایت ہمت اور جانفشانی سے دھرم پال جی کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ آپ کی ذہانت، محنت اور جانفشانی اس بات کی شاہد ہے کہ آپ آئندہ بہت کام کرینگے دوسرے صاحب ایک گجراتی ہیں آپ کا بودھ نام سوگتا کانتی ہے، ابھی آپ نو عمر ہی ہیں مگر آپ نے پالی اور انگریزی زبان میں کافی مہارت حاصل کر لی ہے۔ آج کل آپ لندن میں بودھ مذہب کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں مگر عنقریب ہندوستان میں واپس آکر یہاں کام کریں گے۔

ان لوگوں کے کام میں کچھ ہندوستانیوں نے بھی ہاتھ بٹایا ہے۔ مہابیر سوامی اور سوگتا کانتی جی کا تذکرہ اوپر کیا جا چکا ہے۔ مراد آباد کے ایک فیئر باا دیبی صاحب بھی قابل ذکر ہیں۔ آپ کا تعلق رائے بہادر بابو ساگر رام جی صاحب رادھا سوامی مت کے دوسرے گرو سے تھا مگر تھوڑے ہی دنوں کے مت سنگ کے بعد آپ نے ایک علاحدہ ست سنگ "سنت مت" کے نام سے قائم کیا۔ آپ بودھ بھگوان کے بڑے عقیدہ مند تھے اور ان کو ہندو

کا سب سے بڑا سنت مانتے تھے۔ آپ نے کوشش کر کے مشہور بودھ کتاب ”دھمپد“ کا اردو اور ہندی میں ترجمہ کرایا اور مفت تقسیم کیا۔ آپ کے ست سنگ کے آدمیوں میں جن کی تعداد صوبہ ہمارے ضلع پورنا اور اُس کے آس پاس تقریباً پانچ ہزار اور مراد آباد کے نواح میں تقریباً ایک ہزار سے بچ شیل یعنی بودھ مذہب کی پانچ ماعتوں کی پابندی لازمی ہے اور دھمپد کی بڑی عظمت ہے۔

ان کے علاوہ لاہور کے مشہور ایڈووکیٹ اور کشمیری پندتوں کے رکن رائے بہادر پنڈت شیو نرائن صاحب نیشیم بھی بڑے عقیدتمند بودھ ہیں۔ بودھ دھرم کے متعلق آپ نے کئی رسالے لکھ کر مفت تقسیم کئے ہیں اور گزشتہ زمانہ میں کوئی بودھ تحریک ایسی نہیں ہوئی جس میں آپ نے دل کھول کر مدد نہ دی ہو۔ آپ نے اپنی کوٹھی کا نام بھی ”کیل دستو“ رکھا ہے اور اس میں کئی پورانی بودھ مورتیاں اور کتابیں اکٹھا کی تھیں جو اب سارا تھ دھار کو نذر کر دی ہیں۔ بودھ برادران کی خاطر و مارات آپ بڑی فراخ دلی سے کرتے ہیں جس کا اعزاز وہی شخص کر سکتا ہے جو ڈالہوزی یا لاہور میں آپ کا ہمان رہا ہو۔ وہ پندرہ دن جو میں نے آپ کے پاس ڈالہوزی میں گزارے مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔

لمبئی کے ڈاکٹر نابھنوں نے اپنے بچ سے ایک سیڈیکل اسکول بخیراتی اسپتال اور بودھ دھار قائم کیا ہے، جھکوان بدھ کے بڑے عقیدتمند ہیں اور وہاں کی بودھ سوسائٹی کے روح رواں ہیں، آپ بڑے شوق سے جھکوان کی پیدائش کا دن مناتے ہیں۔ جس میں ہندوستان کے مشہور لیڈر شرکت فرماتے اور جلسہ کی صدارت کرتے ہیں

مدراس میں پروفیسر لکھنشی نراسو بودھ دھرم کے بڑے محقق اور سرگرم کارکن ہیں۔ آپ کی کتابیں مستند سمجھی جاتی ہیں اور جس طرح آپ کی کوششیں بار آور ہوئی ہیں اگر ہر ایک کی کوششیں اتنی ہی کامیاب ہوں تو بودھ مذہب کا مستقبل امید افزا نظر آتا ہے۔

صوبہ جات متحدہ میں بابو شیو چرن لال بی اے ایل ایل۔ بی لکھنوی بودھ دھرم کے روح رواں تھے آپ نے طالب علمی کے زمانہ ہی میں جھکوان بدھ کی ایک سوانح عمری انگریزی زبان میں لکھی تھی اور بدھ دھرم کے متعلق سینکڑوں مضامین لیڈر اور دیگر اخبارات میں شائع کرائے تھے۔ افسوس کہ آپ کی زندگی نے زیادہ وفاندہ کی اور اس وقت کہ وہ عنقریب سارا تھ جاکر زندگی کا بقیہ حصہ بدھ مذہب کی خدمت میں گزارنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ۱۹۳۱ء کو پچاس سال کی عمر میں اس دار فانی سے رخصت فرما گئے۔ لکھنؤ میں دو بودھ مندر ہیں جن میں سے ایک میں ایک ہندوستانی جھکتو سوامی بودھانند اچھوت ذاتوں میں کام کر رہے ہیں۔

کھلتے اور دارجلنگ میں بہاڑی بودھوں کے درمیان شہری دھرم چار یہ نہایت جانفشانی سے کام کر رہے ہیں، اور برودا لوگوں کے بھکشو بھی بودھ مذہب کے موجودہ پیروؤں میں جوش کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ان لوگوں کے علاوہ اعلیٰ قوموں اور اچھے گھرانوں کے بعض نوجوان بھی بودھ بھکشو ہو گئے ہیں اور ان کی ذات سے ہندوستانی بودھوں کی بڑی بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ بھکشو آئندہ ماہل اور سنکرتن کا نام شاید آئندہ کے بودھ عقیدت مند عظمت کے ساتھ لیا کریں گے۔ کیونکہ یہ لوگ بڑی محنت اور جوش سے کام کر رہے ہیں۔

محبت

محبت مثل ایک ریگستانی بھول کے ہے۔

یہ عرب کے ”عود“ کی طرح ہے جو صرف ایک مرتبہ بھولتا ہے اور بھجا جاتا ہے، یہ بھول زندگی کے ریگستانی دیرانے میں کھلتا ہے، اور اس کے حسن کی طلعت اس ریگستان میں ایسی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ گود آسمان میں ستارہ اس کے اوپر روحانیت کا سورج ہے اور اس کے گود اس کے تقدس کی ہوا چلتی ہے۔

ایک قدم کی گونج سے محبت کا بھول کھل جاتا ہے اور اپنے حسن کی رعنائیوں کے ساتھ اپنا رخ قریب سے گزرنے والے کی طرف کر دیتا ہے۔

وہ اسے توڑ لیتا ہے اور اپنے ساتھ بہت دور لے جاتا ہے اتنی دور کہ بھول مر جاتا ہے

زندگی کے دیرانے میں صرف ایک مکمل بھول ہے اور وہ محبت ہے۔

ہماری دشت نوردی کے دھندلے میں صرف ایک سختکمر رشتی ہے اور وہ محبت ہے۔

ہماری مایوسی کی تاریکی میں صرف ایک امید ہے اور وہ محبت ہے۔

محبت کے علاوہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب باطل و فانی ہے۔

کون بتا سکتا ہے کہ محبت کا وزن اور پیمانہ کیا ہے

یہ گوشت سے پیدا ہوتی ہے، مروج میں بہتی ہے اور دونوں سے اپنے لئے آسائش مہیا کرتی ہے۔

حسن کے لئے یہ ایک ستارہ ہے۔

اس کی شکلیں بہت ہیں اور سب حسین ہیں مگر کوئی اس جگہ کو نہیں جانتا، جہاں سے یہ ستارہ طلوع ہوا، اور نہ

اس انق کو جہاں یہ غروب ہوگا۔

(فلش صدیقی)

(ترجمہ از انگریزی)

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس

(از بابونت پرنس ڈگلم، بی۔ اے، ایل ایل، بی۔ ایڈ وکیٹ چیف کورٹ اودھ)

ہندوستان کی سیاسی زندگی میں گزشتہ چند ماہ کا زمانہ مقابلۂ خاموشی کا زمانہ تھا۔ مہاتما گاندھی اور لارڈ اروٹ کا سمجھوتہ نان کو آپریشن کی جنگ کے لئے ایک عارضی التوا سمجھا جانے لگا تھا۔ غریبان وطن یہ طے کر چکے تھے کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے آئیو لے اجلاس میں مہاتما گاندھی کی شرکت ہندوستان اور انگلستان کی دائمی مفاہمت اور امن کا سامان فراہم کر دیگی۔ مہاتما جی کے غم سفر کے پہلے ہی کئی مرتبہ فضا بگڑی، ان کے راستے میں روڑے اٹکے ایسے واقعات پیدا ہوئے جن کی وجہ سے کانگریس کے نمائندگان کی شرکت امر محال ہونے لگی، لیکن رفتہ رفتہ سب رکاوٹیں دور ہوتی گئیں، مہاتما گاندھی اور دیگر اصحاب قوم لندن پہنچے اور ہمارے ملک کی آئندہ قسمت کے متعلق گفت و شنید ہوئی، لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین بات۔ نشستند و گفتند و برخاستند۔ سطر مینرے سیکلڈ انڈیا وزیر اعظم نے کانفرنس کا اجلاس برخاست کر تے ہوئے فرمایا کہ موجودہ گورنمنٹ برطانیہ نے پورے طور سے یہ منظور کر لیا، کہ ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء کا اعلان اس کی پالیسی کے عین مطابق ہے۔ کانفرنس کے کام کی تکمیل کے لئے چند کمیٹیاں قائم کی جائیں گی جو آئندہ سال (۱۹۳۲ء) کے شروع میں ہندوستان میں کام کریں گی، اور تمام اسکیم پر آخری تبصرہ کرنے کے لئے ہمیں ایک بار پھر اکٹھا ہونا پڑیگا۔ غرض کانفرنس کی نشست کا یہ نتیجہ نکلا کہ کانفرنس آئندہ کے لئے ملتوی ہوگئی۔

گول مینر کانفرنس کی کامیابی میں شکوک کے بادل شروع ہی سے پھائے ہوئے تھے ہندوستان کی آزادی کا اہم سوال پیچھے پڑ گیا، اقلیتوں کا مسئلہ دیگر کارروائی کے راستہ میں حائل ہو گیا۔ اکثر اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اقلیتیں کانفرنس کا تختہ ہی الٹ دینگیں۔ برطانوی ممبران نے اسی کو ہندوستان کا کمزور ترین پہلو سمجھ رکھا ہے، انہوں نے پہلے اسی کی آڑ میں، غریبان وطن نے ذرا قدم آگے بڑھایا بس اقلیتوں کو شہہ دیکھی۔ اس مرتبہ اچھوتوں نے مسلمانوں سے سبقت لے جانے کی کوشش کی، مخالفین کی تائید نے مسند شوق پر ایک اور تازیانے کا کام کیا۔ مسلم جماعت اس بات پر قائم ہوگئی کہ اگر ان کے مطالبات منظور نہ کر لئے جائیں گے تو دوسرے نانک اور اہم مسائل پر ہبا شہہ ہی نہ ہونے دینگے۔ مہاجان وطن نے گتھیوں کو سلجانے کی کوششیں

کیں، مختلف حل تجویز کئے لیکن جداگانہ نیابت کے حامی ٹش سے منہ ہونے۔ بالآخر ہمارے برائے رفیق مسٹر رینرے میکڈانلڈ اس غریب قوم پر شفقت اور عنایت کا دم بھرتے ہوئے اقلیتوں کا مسئلہ حل کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن اس شرط سے کہ جملہ شرکایان کانفرنس اس امر پر اپنے دستخط ثبت کر دیں کہ جو فیصلہ آج متعین کر دیئے اس کو سب لوگ بلا چون و چرا منظور کر لیں گے۔ اس میں بھی ناکامیابی ہوئی تو حکومت کی جانب سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اچھا ہم ایک موقعہ باہمی صلح کا اور دیتے ہیں ورنہ گورنمنٹ اس معاملہ میں بھی اپنا فرض منصبی ادا کرے گی اور عارضی طور پر اس مسئلہ کو حل کر دیگی۔ وزیر اعظم نے یقین دلایا کہ گورنمنٹ کا مشاء یہ نہیں ہے کہ مسئلہ اقلیت کی دقت کو ہندوستان کی سیاسی ترقی کے راستہ میں سدراہ ہونے دے، مگر جداگانہ نیابت کے نتائج اس حد تک خوفناک ثابت ہو چکے ہیں کہ اہل وطن وزیر اعظم کے اس بیان کو بالکل خاموشی کے ساتھ ماننے میں ذرا قائل کریں گے، آخر ہماری سیاسی فضا میں فرقہ وارانہ اختلافات کی وبا پھیلانے کا ذمہ دار کون ہے۔ اس سلسلہ میں مسٹر کرٹس کے مندرجہ ذیل الفاظ خالی از دہیسی نہ ہونگے:-

”ہندوستان کے جمہوری طرز حکومت میں چند سال ہوئے جداگانہ انتخاب کے اصول کو جگہ دے کر برٹش گورنمنٹ نے اہم ترین غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ اصول قائم رہا تو ہندوستان میں فرقہ بندی کا ایک افوکھا سسٹم قائم ہو جائیگا جو ہمیشہ اس کی زندگی کی ٹنگنی کرتا رہے گا۔ جب تک یہ سسٹم قائم ہے ہندوستان کبھی قومیت کی معراج تک نہیں پہنچ سکتا، اور جتنا ہی زیادہ عرصہ تک یہ رہیگا اتنی ہی زیادہ دقت اس کے دور کرنے میں ہوگی، حتیٰ کہ بالآخر اس کا خاتمہ محض غارتگی کے ہاتھوں ہی سے ہو سکے گا۔ ہمارے اوپر ہندوستان کو ایک قوم بنانے کی ذمہ داری ہے۔ جداگانہ نیابت کے اصول کو مان کر ہم اپنے اس فرض منصبی میں کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس سسٹم نے اب بھی قومی زندگی کو اس قدر ٹنگنی کر لی ہے کہ اس کا خاتمہ ایک دم نامکن ہو گیا ہے۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر اس شکیبہ کو جس سے ہم نے ہندوستان کو جکڑ رکھا ہے ڈھیلانہ کیا گیا تو ہم ایسے جرم کے مرتکب ہونگے جو ناقابل معافی ہے۔“

حکمران قوم کے ایک فاضل اور صاحب اقتدار اہل سیاست کا یہ اقبال: ”اُن مدران برطانیہ کے لئے سبق آموز ہونا چاہیئے جو آئے دن ہندوستان کی آزادی کی قابلیت کے مقابلہ میں فرقہ وارانہ اختلافات کی دلیل پیش کیا کرتے ہیں۔ فرقہ وارانہ ذہنیت کے بانی ہوتے ہوئے اس وعظ پر کہ ایسا ندری سے کام لو، واقعات کا مقابلہ کرو اور تفرقات کو مٹا دو، بے اختیار شاعر کا مصرعہ زبان سے نکلتا ہے کہ ہر عیب کہ سلطان پسند و ہنرست“ پہلے طرز حکومت میں جداگانہ نیابت کا اصول داخل کیا جس نے فرقہ وارانہ مخالفت کی آگ مشتعل کی۔ اب ہم

توقع کی جاتی ہے کہ اگر ہم واقعی ترقی کے خواہاں اور جوایاں ہیں تو پہلے اس آگ کو بجھا کر دکھائیں۔

درمیانِ قعر دیا تختہ بندم کر دیں باز میگویی کہ دامنِ ترکمن ہشیار باش

مگر باوجود اس کے کہ یہ آگ غیر نے لگائی ہم کو اپنا گھر بچانے کی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے۔ اہل وطن اگر وسیع انظری سے کام لیں اور یہ سمجھ لیں کہ باہمی تفرقہ رفریق کے لئے نقصان دہ ہوگا تو یہ مشکل فوراً حل ہو سکتی ہے۔ حقیقتاً اسی وقت ہم مکمل سولاج کے اہل ہونگے جب باہمی نفاق کو مٹا کر اہل حکومت کے دلوں پر یہ اثر قائم کر دیں گے کہ ہم واقعی طور پر طبیب ہیں۔

اقلیتوں کا مسئلہ ہماری کامیابی کے راستہ میں حائل ضرور تھا، مگر یہ واقعہ نہیں ہے کہ اگر یہ وقت نہ ہوتی تو ہمارے مطالبات پورے ہو جاتے۔ مطالبات سے اس جگہ پر مراد ان حقوق سے ہے جن کو مجموعی طور سے ہم ”ڈومینین اسٹیٹس“ (Dominion Status) یا درجہ نوآبادیات کہتے ہیں، عام طور پر ہندوستان میں درجہ نوآبادیات سے وہ سیاسی حیثیت سمجھی جاتی ہے جو کناڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ کی ہے۔ یعنی صرف اندرونی نظام حکومت نہیں بلکہ حفظِ مملکت اور فوج پر پورا اختیار ہونا اور خارجی امور میں پورا دخل۔ اس کے بارے میں وزیر اعظم نے یکم دسمبر ۱۹۳۱ء کو اپنے اعلان میں کیا کہا، صرف اس قدر کہ جنوری ۱۹۳۱ء کا اعلان اب بھی قائم ہے، ہاں اتنا اور ہے کہ اس اعلان میں جو پالیسی واضح کی گئی ہے اس کو موجودہ گورنمنٹ نے جو تمام برطانوی پولیٹیکل پارٹیوں کی متحدہ گورنمنٹ ہے منظور کر لیا ہے۔

اس آخری امر سے اس حلقہ میں ضرور خوشی منائی جائیگی جس کو جنوری کے اعلان کی تکمیل میں شبہ تھا کہا جاتا ہے کہ جس وقت وزیر اعظم نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ موجودہ گورنمنٹ نے انھیں اختیار دیا ہے کہ وہ اس بات کو واضح کر دیں کہ ۱۹ جنوری کے اعلان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، اُس وقت حاضرین نے خوشی کی تاہیاں بجا دیں۔ ہم لوگ اس قدر ضمیمہ الاعتقاد ہو گئے ہیں کہ کانفرنس میں کچھ کھونہ بیٹھے کی خوشی مناتے ہیں۔ کثیر تعداد ان حضرات کی ہے جو اس اعلان سے مطمئن نظر آتے ہیں۔ صرف چند ہی لوگ ایسے ہونگے جن کی امیدوں پر پانی پڑ گیا۔ ان کا خیال ہے کہ کانفرنس نے اگر ۱۹ جنوری کے اعلان میں اضافہ نہ کیا تو کانفرنس بیکار ہوئی، کیونکہ ۱۹ جنوری کے اعلان میں ہندوستان کی تو قعات کے پورا کرنے کا سامان نہیں ہے، اس اعلان میں جو حکومت کی پالیسی شامل ہے اس کی بنا پر درجہ نوآبادیات کا دعویٰ کس طور سے کیا جاسکتا ہے، ذرا اس کے الفاظ پر غور کیجئے۔

”حکومت ہند کی ذمہ داری مرکزی اور صوبائی قانونی کونسلوں پر بیگی، مگر ان شرائط کے ساتھ جو تبدیلی کے زمانہ میں ضروری ہوگی تبدیلی کے زمانے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جو شرائط عاید

کی جائیں گی ان کے لئے محفوظ اختیارات کی ترتیب اس طور پر دی جائیگی کہ وہ ہندوستان کو دہندہ دار حکومت کی آخری منزل تک پہنچنے میں سدراہ نہ ہوں۔ موجودہ حالات میں تحفظ مملکت اور امور خارجہ کے صیغہ جات گورنر جنرل کے ہاتھ میں رہیں گے۔

ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ حفظ مملکت اور امور خارجہ کے صیغہ جات شخص تبدیلی کے زمانہ تک گورنر جنرل کے سپرد نہ ہونگے بلکہ صورت حال میں اپنی اس اعلان کے حدود کے اندر دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گورنمنٹ کی آمدہ پالیسی یہ ہوگی کہ اندرونی نظام مملکت میں اہل ہند کو تدریج ترقی کے ساتھ ذمہ داری دی جائیگی لیکن تحفظ ملک اور امور خارجہ میں ذمہ دار حکومت کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ درحقیقت یہ اعلان کوئی نیا اعلان نہ تھا۔ اس کے پہلے لارڈ ارون سابق دائرہ ہند نے بھی آخر اکتوبر ۱۹۱۹ء میں گورنمنٹ کی پالیسی کو واضح کیا تھا۔ دائرہ ہند کے الفاظ حسب ذیل تھے:-

”ملک عظم کی گورنمنٹ کی رائے میں ۱۹۱۹ء کے اعلان میں یہ منشاء شامل ہے کہ ہندوستان کی آئینی ترقی کا قدرتی نتیجہ ڈومینین اسٹیٹس ہوگا۔“

ان الفاظ کے بعد کوئی شبہ اس امر میں نہیں ہو سکتا کہ لیبر گورنمنٹ نے کوئی جدید پالیسی اختیار نہیں کی بلکہ ۱۹۱۹ء کی پالیسی کو دوسرے الفاظ کا دلغریب جامہ پہنا کر اہل ہند کو گرویدہ کر لیا۔ غرض ان ظن غرض سے ڈومینین اسٹیٹس کی پہنچ و پکار چھانے ہوئے تھے۔ گورنمنٹ نے اس طوفان عظیم کو فرو کرنے کے واسطے لفظ ”ڈومینین“ کا حلقہ معنی زیادہ وسیع کر دیا اور اس میں الباطن حکومت بھی شامل کر دیا جس میں محض اندرونی نظام ملکی کا اختیار دیا گیا ہو۔ انگریزی زبان کے الفاظ کے صحیح معنی اور مطلب رکھنے کا پورا اختیار انگریزوں کو ہے جو اس کے اہل زبان ہیں۔ اس معاملہ میں اہل ہند کی دخل اندازی محض ان کا تکبر اور گھمنڈ ظاہر کرتا ہے۔ جس پر توجہ دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ ۱۹۱۹ء کے اعلان کے متعلق اگر کسی کو شک ہو تو اس کے بارے میں صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہے کہ اس میں برٹش انڈیا میں ذمہ دار حکومت کی تدریج ترقی کا اعلان کیا گیا تھا۔ ذمہ دار حکومت کی وسعت کا پورا اندازہ اس شاہی فرمان سے ہوتا ہے جو اس اعلان کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو نافذ کرتے وقت جاری کیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:-

”ہم نے ہندوستان کو ان تمام بخششوں سے جو قدرت نے ہم کو عطا فرمائی ہیں مستفید کر لینے کی کوشش کی ہے، لیکن اب تک ہندو باقی ہے جس کے بغیر کسی ملک کی ترقی یا تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ یعنی اہل ملک کا اپنے ملکی معاملات کے انتظام کرنے کا حق۔ بیرونی حملہ جات سے ہندوستان

کا تحفظ شاہی افتخار اور فرائض کے متعلق ہے۔ اس کے اندرونی معاملات کے نظام کا بار البتہ اہل ہند بجا طور پر اپنے اوپر لے سکتے ہیں۔ یہ بار اس قدر گراں ہے کہ جب تک دقت اور تجربہ پوری قوت پیدا نہ کر لے ایک دم اٹھ نہیں سکتا۔ لیکن اب موقعہ دیا جائیگا کہ تجربہ میں اضافہ ہو اور جوں جوں قوت پیدا ہوتی جائے ذمہ داری بڑھ سکے۔

غرض کہ ۱۹۱۷ء سے اب تک گورنمنٹ کی پالیسی یہ رہی ہے کہ اندرونی نظام ملکی میں ذمہ دار حکومت قائم کی جائیگی، لیکن یہ سفر منزل میں لیتے ہوئے طے کیا جائیگا، جہاں تک کہ خارجی امور اور حفظ مملکت کا تعلق ہے اس فرض سے برٹش گورنمنٹ نے ہنوز سبکدوشی حاصل نہیں کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے البتہ آپ کو اختیار ہے کہ اس محدود قسم کی ذمہ دار حکومت کیلئے یا کامل حکومت خود اختیاری، مکمل آزادی کیلئے یا ڈومینین اسٹیٹس۔

آپ کہیں گے کہ اگر یہی بات تھی تو راؤ نٹھیل کانفرنس کی کیا ضرورت تھی۔ کانگریس کی جدوجہد سے کیا نتیجہ نکلا۔ لبرل لیڈروں کی چیخ و پکار ہی بیکار ہو گئی۔ یہ سب کچھ سہی مگر اہل انگلینڈ میں اگر ہندوستانیوں کی تسخیر قلوب کی قابلیت نہ ہوتی تو سمندر پار سے حکومت کرنا اور باوجود عالمگیر مخالفت، ناراضگی اور بھینسی کے داب حکومت قائم رکھنا کیا کوئی مذاق تھا۔ وزیر اعظم نے کمیٹیاں قائم کر کے طوالت دینے کا طریقہ ضرور اختیار کیا مگر اس بات کا اطمینان ہمارے دلوں سے جانے نہ دیا کہ گفت و شنید کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے، اور اہل حکومت ایک نہ ایک دن ہماری حالت زار پر ضرور ترس کھائیں گے۔ مہاتما گاندھی کا رویہ اب کیا ہوگا، اس میں شک نہیں کہ ان پر برطانوی تدبیر کا جادو نہیں چل سکا۔ ان کے قلب کی موجودہ حالت کا نقشہ شاعر کے الفاظ میں یوں ادا ہو سکتا ہے۔

نشہ میں مست سمجھتا ہے مجھ کو کیوں واعظ

وہ اپنا وعظ کئے جائے ہو شیادہوں میں



منشی سوہن لال حقیر

(از منشی شیا مودہن لال جگر بریلوی، بی۔ اے)

دنیا کی رونق و عظمت جو کچھ بھی ہے، ارباب کمال کی بدولت ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ارباب کمال ہی کی طرف دنیا کو کم توجہ ہوتی ہے دوسرے ملکوں میں یہ بات ہو یا نہ ہو مگر ہمارے ملک میں اہل علم و ادب جس کس پرسی اور عدم التفاتی کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ نہ صرف قابل افسوس بلکہ علم و کمال کے فنا کرنے کی ایک زبردست وجہ ہے۔ بیشمار ارباب فضل ایسے گزرے ہیں جن کی ساری عمر تحریر و تصنیف میں بسر ہوئی لیکن آج اُن کا نام تک کسی کو یاد نہیں۔ کیا وہ دن کبھی آئیگا جب یہ دلغ قوم کے دامن تہذیب سے دُور ہوگا۔ اور ہم اپنے اربابِ ہنر کی قدر شناسی سیکھیں گے اور اُن کے جواہرات کی حفاظت ایک قومی فرض سمجھیں گے۔

منشی سوہن لال حقیر بھی ایسے ہی باکمال بزرگوں میں تھے جن پر ایک مہذب قوم کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے۔ ادب جن کے دم سے فارسی مذاق کے ٹٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی قائم تھی۔ آپ کا کچھ کلام دیوانِ حقیر کے نام سے کنور کاشی کرشن نراین رئیس لکھنؤ کی حوصلہ مندی سے آپ کی حیات ہی میں طبع ہو گیا تھا لیکن اس کی طباعت و کتابت جس طریق پر ہوئی اُس سے تصنیف کا مقصد اولین یعنی یہ کہ مطالعہ خوشگوار ہو فوت ہو جاتا ہے۔ خیر یہی غنیمت ہے کہ ایک صاحبِ کرم نے ایک اہل کمال کی یادگار باقی رکھنے کی ہمت کی۔

حقیر مرحوم کے ذاتی حالات صرف اس قدر دریافت ہو سکے ہیں کہ آپ سکسینہ کا لہجہ تھے ستمبر ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے اور مارچ ۱۹۱۶ء میں وفات پائی شاہجہانپور مسکن تھا اور غالباً وطن بھی۔ حافظ دفتر کلکڑی کے عہدے پر ممتاز تھے۔ آپ کے والد منشی نہاری لال وکالت کرتے تھے۔ آپ کا خاندان علم و فضل، عرفان و فقر کا مخزن تھا آپ بھی سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے۔ عربی میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، دولت فقر میراث میں پائی تھی۔ چنانچہ اپنے ایک بزرگ خاندان کے متعلق دیوانِ حقیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

”جدا مجد فقیر منہی دولہ رائے عرف امرواس کہ در معقول و منقول عالم متجرب بود از عنفوان شباب

ترک تابل نموده در تلاش علم الکی و مرشد کامل بر پا شد شائق و دراز عمرات بویانہ باد صحرا گزرا نیند
آخر کار بقام بسیاری صوبہ اودھ بہ بزرگوار سے کہ آفتاب سپہر غر فال بود و دو چار شد.....
آخر برباش لا جوت آشیانہ گزید۔ ہنوز سن یعنی جائے سادھی آل برگزیدہ مقام موفیغ گوریالی کہ از لکھنؤ
بہ فاصلہ ہفت کردہ است۔ مع خالقانہ مودہ است..... پر بزرگوارم فشی نزاری مال
صاحب کہ لہدہ و کالست عدالت دیوانی ممتاز بودہ منصب ہدایت بہ مراقبہ و کاشفہ تاحیات باہل عیال
گزارانید فقیر حقیر بر جادہ بزرگاں پا در طریقت میدارد۔“

اسی طرح ایک غزل میں فرماتے ہیں :-

دستگیر و مرشد و پیرم جدا ہووے است فقر میراث است و دست من از آباے من
مالکِ خم بود از خفانہ شیخِ کبیر جرّے بر خفانہ انم ریخت و بر لبہائے من
بادہ لاہوت اندر بامِ ناسوتی مراست آسمان رقصہ زبوںے پنہ سینائے من

سترہ اٹھارہ سال ہوئے کہ راقم حروف کو اپنے والد مرحوم و مغفور کے ہمراہ حقیر مرحوم کی زیارت
کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ میانہ اندام بزرگ تھے، پیرانہ سالی سے جسم ضعیف پر پوست و استخوان ہی باقی
رہ گئے تھے۔ کشادہ لوح پیشانی ریاضت و معرفت کے اثر سے نور تھی عجب ذوق کے ساتھ اپنے اشعار سناتے
تھے اور ساتھ ہی ساتھ کسی حدیث، قرآن کی آیت یا سنسکرت کے اشلوک بھی پڑھ دیتے تھے۔ دیوان حقیر
میں اکثر ان کے حوالے ملتے ہیں۔ راقم حروف کے ایک قوی مسدس پر آپ نے اصلاح بھی فرمائی تھی۔ آپ
کا سرمایہ راحت زلیست ایک ہی فرزند تھا جو ذہانت و ذکاوت میں اپنے پدر عالی مقام کے قدم بقدم تھا اور
اہم۔ اسے کی سند حاصل کرنے کے بعد مصفی کے عہدے پر فائز ہوا تھا مگر بین عالم شباب میں ہیرو ضعیف باپ کو داغ
معارف دے گیا۔ سچ ہے۔

ماہر و یم دشمن و مامی کشیم و دست کس را مجال نیست بچون و چرا سے ما
دیوان حقیر کی ابتدا چند چھوٹی چھوٹی مثنویوں سے ہوتی ہے، اس کے بعد غزلیات ہیں اور آخر میں
چند رباعیاں اور قصائد ہیں۔ تمام کلام رموز حقائق و عرفان سے ملبوس ہے۔ طلب صادق و افکار صالح و اشتغال
صوفیہ کا آئینہ ہے۔ رنگِ کلام قدیم فارسی گویا ہند کا سا ہے۔ بہ اعتبار کیفیت تمام وہ خوبیاں کلام میں
موجود ہیں جو اعلیٰ پایہ شعر کا امتیاز ہے۔ ہر صنف کا کچھ نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

مثنوی

آہی پردہ اسرار بردار شکید تلکے مشتاق دیدار

چم پاسے ماچہ دست و دستگاہے
اگر لے را نباشد یار دساز
نہ مطرب گزند مضراب بر تار
اگرچہ تیرا پرہست و سوفار
تو ہر جانی و از چشم نہانی
برہ چشمے کہ نور جلودہ بیند
برہ عشقے کہ آتش بر فروزد
غمیم را بدہ پرواز لاہوت
ز نور احدیت بکُن چراغ غم
رحیقے مشکبوسے کاں ظہور است
لبالب ساغرم کن تا خطا جوہر
ز بانم راز حسرت پدنگہ دار
را از بند فکر آن دایں کن

شعویات کے آخر میں ایک قصیدہ ہے، طویل و طویل، نہایت شاندار، در پر مغز ہے

احدیت آمد بذوق عشق پدیدار شد
نیست بجز ذات آب و دلف و موج و حباب
ظلمت کثرت زدل نور و ضیاء در بود
کثرت ظرافت پر آب شمس نماید ہزار
قدرتش افسوں بخواند گشت حصارِ ظلم
فکر بہ قدرت نمود حیرت دل بر سرود

... ..

دیدن او ممکن است کہ بود از خویش غیر
ہر چہ تصور کند ذہن بباستیش
اسم ندارد خبیر فعل نہ سازد اثر
تا نشود سلب جس صورت ایجاب نیست

... ..

دیدن چشمے چشم شکل و دوشوار شد
پے حقیقت نہ برد بستہ پندار شد
ربط کند حرف اگر مہمل و بیکار شد
بحث بہ معقول و نقل منج آزار شد

ہست ز منطق بری علم اتی حقیر
جبت و اثبات لہنی جملہ در و خوار شد
جزو چو گم شد بہ کل صورت کلی گرفت
قطرہ چو در بحر رفت تسلیم ز خوار شد
جز تو تریا نیست مونس و غمخوار نیست
حاجت اظہار نیست و ہم ز پندار شد
گر چہ نہاں ست ذات جلوہ کند در صفات
تخم نہاں شد بخسل نخل پدیدار شد

غزلیات

بہت سرور ابد بان عسرفان ما
چرخ زندہ خم بخولیش از مے جو شان ما
ہمچو نجوم سپہر پیش رخ آفتاب
نیست کند ہستیم جلوہ جانان ما
کہ چو جدای نہم پیر بن تن ز خولیش
جلوہ کند در دلم شاہد عریان ما
.....

نالہ مرغ چمن می برد از من مرا
خندہ گل می درد جیب و گریبان ما
چاگ گریبان ما خندہ صبح طرب
عرصہ عیش بریں گوشہ دامن ما
آب سر شکم بچشم ساغر صبا ئے عیش
سوز و گداز دلم شمع شبستان ما

از خمیر سنگ نبود شیشہ صبا ئے
آل قدر بالید انگور کم کہ شد مینائے ما
دام گستر دی بستی دانہ افگندی بجاگ
قلہ قاف است جائے مسکن عقائے ما

منہ دے ز کیف خولیش ساغرے را
غنیتمے ثمر ایام بہمن و دے را
گماں مبر کہ دو انگشت چوب نغمہ زند
نوازش لب دیگر بود لب نے را
بسوئے شہر خموشاں بیا بھرت ہیں
عروج تخت سلیمان و شہمت کے را
ز رنگ مختلف آراست چہرہ ہر گل
ز برگ و بار نگر صنعت چمن پسرا
ز مورتا بہ سلیمان ز پیشہ تا نمرود
بہیں بہ صورت و بنگہ دردن ہر شے را

حقیر نکتہ بگویم اگر ز دل شنوی

ہمیں بل است کہ بسیار خولیشن وے را

از دل دریا حباب سر بکشید و رفت
بر سر شاخ چمن غنچہ دمید و رفت
کافر و دیندار ختم نشد قیل و قال
بیک اجل و رسید آہ کشید و رفت

بیخ کیے نخل را آب دہد باغبان از سر نخلِ دگر شاخ بُرید و برفت
صورتِ لیلائی ندید عشق بہ محلِ گزید انچہ بود دیدنی ہیچ ندید و برفت
نقدِ دل و جاں بردا سود و زیاں را ندید بر سر بازار غم جنس خرید و برفت
آہ دے خندہ کرد گل بگستاں حقیر

بادِ خزاں در رسید جامہ درید و برفت

بہ دلق و صوف مقلدِ اہل عرفان نیست خروس تاج چو بر سر ہند سلیمان نیست
فروغِ کریمک شب تاب تا دے ماند کہ بر فراز فلک آفتاب تاباں نیست

حقیر مذہب و ملت ز اختلافِ دل است

کسے کہ مو غمش نیست اہلِ ایمان نیست

اے جز تو در رہ تو کسے سنگِ راہ نیست گر کفر و دیں نماید دگر جز اکہ نیست
ایمان و کفر و شرک و دوی عشوہ دست گردل نماید ہیچ سپید و سیاہ نیست

تا کہ حقیر در رہ چون و چہ را روی

در خویشتن بیا کہ جز ایں شاہراہ نیست

کیف از بادہ گلزنک ہماں بردارد کہ کیف جام و در آغوش گل اندامے ہست
نور از نور درون ست نہ از رنگِ برون مرد مک را بنگر کہ چہ سیہ فامے ہست

گردشِ چرخ بیک رنگ مانند ست حقیر

گاہ روز ست گے صبح گے شامے ہست

خیر و شر اند ہماں ز اقرار و انکار دست اے خوشا کا ز نظر بر طرز و رفتار دست

نشہ از صہبا و بوا از مشک چیدن مشکل است جاں ز عشقِ غم از جامِ گشیدن مشکل است
در ہوا ساکن نباشد شعلہ شمع و چراغ نفس تا پر واز دارد آرسیدن مشکل است
گرد خود چوں شعلہ بجا الہ گردان اہل شد چوں شر را ز سنگ خود پیرول جمیدن مشکل است

بحر باز بخیر موج اند محیط آمد حقیر

در تعلق ماندن و از خود رمیدن مشکل است

سحر چو نالہ مرغ چمن یگوش آمد دگر دلم بہ ہوائے تو در خروش آمد

چو گل بہ ضبطِ فغاں کوش بلبلِ نالال
 بیاہوش مے لالہ گوں بہ صحنِ چین
 زخمِ نمود و دینفر و داضطرابِ دلم
 نشانِ دہد ز رخ آفتاب ہر ذرہ
 بیاہسنِ عمل کوشش و عذرِ طاعت کن
 اگرچہ خواہہ خطا بخش و جرم پوش آمد

ز عقل و دوسوسہ او حقیر شد بیزار

ز دہر سہ بہ در پیر مے فروش آمد

دلِ آسودہ ندارد خبرِ دل شد گال
 دردِ فرہاد کجا در دلِ خسرو گیرد

بہارِ سبزہ نوگر چہرِ بے عذار آمد
 ولے بہارِ بدوشِ خزاں سوا آمد

ز دل بیدار شو تا لعبتِ غیب را بینی
 بہ بیداری چو می بینی ہمہ خواب گراں باشد

کفرست شکایتِ جفایش
 پروانہ بسوخت و شمع گداخت
 فریاد و غروشِ بلبل از چہیست
 دلِ ماسرِ شکوہ عادی نیست
 صبر و خرد و تسہل دل سوخت
 شد ملت عاشقانِ رضائیش
 لے ولے ز عشق و ما جرایش
 گل گوش شد است بر زوایش
 شد دشمنِ جاں خود آشنائیش
 فریاد نہ شعشہ حنائیش

یک گوشہ دل صد فکرِ باطل
 انہار کوثرِ حوران و خلساں
 صوفی ز صورتِ معنی تو ال بافت
 ناموسِ تقویٰ بہ بادِ دادن
 از عقلِ بگزار در عشقِ روکن
 بر نقشِ صورتِ مجنوں چہ باشی
 محلِ گراں شد دور ست منزل
 بگزار بہرِ پیرانِ جاہل
 گنجے ست مخفی مد فونہ در رگل
 بیعت بدستِ پیرانِ جاہل
 تا پاک گردی از فکرِ باطل
 لیلۂ حقیرست پنہاں بہ محل

خاک شنو اسے جزو خاک آتش سوزاں مشو
سر بہ زمین نہ چو آب باد پریشاں مشو
حشمت دنیا مخلدہ سرکشی از سر بہ
سینہ پامال باش سر و گلستاں مشو
صامت و مناطق زماں گر نبود ملک تو
صبر و قناعت گزین شاکی دوراں مشو
از ہمہ بیزار شو و از ہمہ تنہا نشین
جملہ بحق و اگر طالب ساماں مشو

آنچہ بجوی بہ دل خویش جو
اسے دل تو جوے ز دریائے ہو
آہوئے دیوانہ بہ بوست شد
وحشت دل میکشدش چار سو
چوں بخود آید ز رہ راستی
نازہ مشکست بہ ہلوسے او
جان و دلم مسکن محبوب ما
وائے ز آوارگی کو بہ کو
رخ بہما عشوہ کمن از حقیر
نیست تمنا نہ دگر آردو

اندر کجاست آنچہ تو دیدی در آئینہ
تہمت ز عکس خویش نہادی بر آئینہ
پاک ست ذات بخت ز صورتی مخوی
گر صورتے بود بنیاد ہر آئینہ
لے آب آئینہ ہمہ آب رواں شود
از عشوہ گر نظر فگندہ اندر آئینہ
نہمود نقش غیر بجز نقش خوشتن
ہر چند غور کردم و دیدم در آئینہ
ہرگز نمیرد آنکہ نشانے نگو گزاشت
یاد آورد ہنوز ز اسکندر آئینہ

زہل تست نظر گیر پیش دم داری
بکلم آنکہ چو داری خد اچہ غم داری
عروس و بانوے سلطان باش زہ پشد
کینز وار اگر دخل در حرم داری
فقیر و شاہ بہا بر بود بکنج خد
چہ فخر و ناز بکنینہ چشم داری

قصیدہ

تاب حسرت از نقاب آتش بجاں انداختہ
صبر را در زینہار و الا ماں انداختہ
عالمے بہفتہ در ما و طینے بس فراخ
لامکا نے ناز حکمت در مکاں انداختہ
تاچہ بے پایاں بود بحر کمال شان تو
قطرہ نال بجز در کون و مکاں انداختہ
کس ز سباجی نہ بیند سوسے ساحل ہچکاہ
اد محیط از دست جوش بر کراں انداختہ

مرجا کلبِ مصور کو زنگِ یکِ صدف
طرحِ زنگِ مختلف در بوستانِ انداختہ
یا سمن و یا سمن را چادرِ سادہ سپید
معجز رنگیں بدوش ارغوانِ انداختہ
بر سرے سوداے دیگر ہر بے شور و گداز
در دلِ ہر دور اسرارِ ہناسِ انداختہ

خوش دل کیہ بود محورِ تصویرِ یار
خبرِ ز خویش ندارد نہ یاد از اغیار
ز مہر و کینہ و از خیر و شر بر آساید
نہ با کس بہ مدارا نہ با کس پیکار
ز لوزِ دل چو قمر گرد خویش ہالہ کشید
نشستہ بے حرکت ہچو نقطہٴ پرکار
ز چار و پنج حسن و طبع یافت آزادی
ز بادلِ نفس نہ جہنم چو دامنِ کُسمار
ز نیک و بد ز سیاہ و سپید بے خبر است
ز بادِ نفوس نہ شناسد نہ ظلمتِ شبِ تار
ز حرف و صوت بروں نفسِ برا نگیزد
چہ نفس کہ بوجہ آورد و درو دیار
ہند کلاہ ز غفلت بفرقِ شبِ یاری
بروے خلقِ خواب و بخت و لاشِ بیدار
ز تحت و فوق و نشیب و فراز مستغنی
ز راس و چپ نہ شناسد نہ از یمن و یسار
ز صلحِ کل برہ کفر و دین زند گامے
دو منزل ست ز دیر و حرم در دلدار

مطلع ثانی

صبار سازد گوشِ دلم نوید بہار
کشتاد مرغِ گلستان بہ تہنیتِ منقار
خوش است سبزہٴ بستان ز قطرہٴ شبنم
جو سبزہٴ زار فلک از ثوابت و ستار
نسیمِ مروحہٴ جنباں صبا عبیر افشاں
فضاے عرصہٴ گیتی چو تختہٴ گلزار
ز لبکہ سبزہٴ بستان طراوتِ آئینہ است
ز در و چشمِ شفا یافت ز گس بیمار
فلک ز پیر بن نیلگوں خجل می شد
شفق بدوش وے افکند چادرِ گلزار
ز شبنم از پئے تریش عروسِ گلشن را
رساند نامیہ صد دانہ در شہوار
ز ریکیہ نامیہ در حبیبِ دامنِ گل ریخت
گل از وفورِ طرب کرد بر بہارِ نثار

رائے بہادر بابو انند سروپ صاحب مرحوم

(انمنشی جو الاہر شاد صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی۔ کپنور)

رائے بہادر بابو انند سروپ کی وفات سے جو ۱۸۔ نومبر ۱۳۲۶ء کو واقع ہوئی نہ صرف کاپنور بلکہ ہمارے صوبہ متحدہ کی پبلک لائٹ کو بڑا نقصان پہونچا ہے۔ افسوس جو جگہ اُن کے انتقال پر ملال سے خالی ہو گئی ہے اُس کا پُر ہونا دشواری نظر آتا ہے۔ اُنھوں نے اپنی محنت، قابلیت اور خداداد ذہانت کی بدولت نہ صرف پیشہ وکالت میں نمایاں شہرت حاصل کی بلکہ رفاہ عام کے مختلف شعبوں میں اس قدر سرگرمی اور دلچسپی کا اظہار کیا جس سے صوبہ متحدہ میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔

بابو انند سروپ صاحب علیگڑھ میں ۱۳۶۷ء میں پیدا ہوئے تھے، لیکن بچپن ہی میں وہ مع اپنے والد منشی ہنومان پرشاد صاحب اپنے ماموں منشی شیا م لال صاحب وکیل کاپنور کے یہاں چلے آئے، اور کاپنور ہی میں اُنھوں نے تربیت اور تعلیم پائی۔ فارسی کی تعلیم اُنھوں نے اپنے والد سے حاصل کی جو اس زبان کے اچھے عالم تھے۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہ کاپنور گورنمنٹ اسکول میں داخل ہو گئے جہاں اُنھوں نے دوسری زبان کی حیثیت سے سنسکرت بھی پڑھی۔ ابتدائی سے وہ اس قدر ذکی اور جفاکش واقع ہوئے تھے کہ درجہ ہفتم میں ہمیشہ اول رہتے تھے۔ سنسکرت کے امتحان میں بھی اپنے تمام ہم جماعتوں میں سے زیادہ نمبر حاصل کرتے تھے۔ ۱۳۷۷ء میں اُنھوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان کلکتہ یونیورسٹی سے پاس کیا۔ یونیورسٹی کے تمام کامیاب طلباء میں اُن کا نمبر تیسرا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب الہ آباد یونیورسٹی قائم بھی نہیں ہوئی تھی اور صوبہ متحدہ اگر وہاں کے طلباء کو بھی کلکتہ یونیورسٹی کا امتحان دینا پڑتا تھا۔ اس کے دوسرے ہی سال اُنھوں نے ججی کی وکالت کا امتحان پاس کیا اور تمام کامیاب طلباء میں اُن کا نمبر اول رہا۔

وکالت | بابو انند سروپ نے ۱۳۷۸ء سے وکالت شروع کی، اُس وقت کاپنور بار میں بڑے بڑے قابل وکلاء موجود تھے جن میں سے منشی شیا م لال، پنڈت برتھی ناتھ، منشی گور سہائے، بابو نیل مادھب، لالہ دگرہی لال، مولوی عبدالجلیل، مسٹر گرینوے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وکالت شروع کرنے کے بعد بھی آپ نے اپنی سخت محنت جاری رکھی اور قانونی نظائر پڑھنے میں اپنے وقت کا بڑا حصہ صرف کرنے لگے اور اپنی خداداد

ذہانت کی بدولت اصول قانون و نظائر پر آپ کو بہت جلد وہ عبور حاصل ہو گیا جس کو دیکھ کر لوگ عجب عجب کرتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں بابو ہرنام سنگھ اڈیٹر کانپور گزٹ پر ایک سب انسپکٹر پولیس نے فوجداری مقدمہ چلایا تھا اُس میں آپ نے صفائی کی طرف سے بلاسی فیس کے اس قابلیت سے پیروی کی کہ جس سے آپ کی بہت شہرت ہو گئی۔ اسی دوران میں ایک اور واقعہ پیش آیا جس سے عوام میں بھی آپ کی قانونی قابلیت کا اعتراف ہونے لگا۔ پنڈت پرتھی ناتھ صاحب وکیل سے اور سید اکبر حسین صاحب (مشہور شاعر اکبر سربجی سے مسماۃ نولا کنور کے مقدمہ کے دوران میں کچھ تیز تیزی سے گفتگو ہو گئی اور سب جج موصوف نے پنڈت صاحب کے خلاف اپنی تجویز میں کچھ ریمارک لکھ دیے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پنڈت صاحب نے مقدمہ نہ کر کے سلسلہ میں کچھ بدعنوانیاں کی ہیں۔ اس مقدمہ میں بابو اندسروپ نے پنڈت پرتھی ناتھ کو بڑی قیمتی امداد دی۔ اور بالآخر مسٹر میکین ڈسٹرکٹ جج کانپور کی عدالت میں اس کا اپیل ہوا جس میں پنڈت پرتھی ناتھ صاحب کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ مسٹر میکین نے نہ صرف سید اکبر حسین کے فیصلہ ہی کو منسوخ کر دیا بلکہ اُن تمام الزامات کو بھی قرار دیا جو سب جج موصوف نے پنڈت پرتھی ناتھ کی وکالت کے سلسلے میں اُن پر لکھے تھے۔ اس فیصلہ کے بعد ہی پنڈت پرتھی ناتھ اکثر دیوانی کے پیچیدہ مقدمات میں بابو اندسروپ کو شریک کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ بابو اندسروپ صاحب دیوانی کے سب سے مشہور وکیل متصور ہونے لگے۔ آپ کو قدرت کی طرف سے ذہن رسا کے علاوہ حیرت انگیز حافظہ بھی عطا ہوا تھا جس کی بدولت آپ کو پیشہ وکالت میں غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ منشی شام لال آپ کے ماموں کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ باوجود اس کے کہ وہ انگریزی داں نہ تھے لیکن ہائی کورٹ کے جملہ نظائر اُن کے نوک زبان رہتے تھے۔ اور جب کسی عزیز یا دوست کو کسی نظیر کے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی تو وہ فوراً فریقین کا نام اور کتاب کا حوالہ بقید صفحہ زبانی بتا دیا کرتے تھے، خواہ وہ اُس وقت کسی دوسرے کام میں بہت زیادہ مصروف بھی کیوں نہ ہوں۔ بابو اندسروپ بھی بلا کے ذہین تھے اور پنڈت پرتھی ناتھ صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ منشی شام لال کی ساری ذہانت بابو اندسروپ نے لے لی ہے۔ بابو اندسروپ کو بھی سارے نظائر ازبر تھے اور جب بھی کسی وکیل کو کسی نظیر کے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی تو بابو اندسروپ صاحب نہایت خوشی سے نہ صرف نظیری مہ حوالہ بتا دیتے تھے بلکہ یہ بھی بتا دیتے تھے کہ اس کے خلاف کون کون سی نظیریں ہیں اور صحیح رائے اس مسئلہ کے متعلق کیا ہے۔ اُن کا دماغ ایسا سلجھا ہوا واقع ہوا تھا کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمات کو وہ بہت جلد سمجھ لیتے تھے۔ اُن کا دستور تھا کہ کسی مقدمہ کے کہہ لینے سے پیشتر وہ اس کے متعلق سارا قانون و نظائر دیکھ لیتے تھے اور جو اعتراضات فریق ثانی کی طرف سے ہو سکتے ہیں ان

سب کا جواب تیار کر لیتے تھے۔ اس میں اُن کو بہت محنت کرنا پڑتی تھی لیکن محنت سے وہ کبھی نہیں گھبرائے روزانہ بارہ بجے رات تک کام کرنا اُن کا معمولی مشغلہ ہو گیا تھا۔ ذہانت کے ساتھ ساتھ ان کی طبیعت میں جدت طرازی کا مادہ بھی تھا، یعنی قانون و نظائر کی تعبیر کرنے میں وہ غیر معمولی ذکاوت دکھاتے تھے اور ایسی ہی باریکیاں نکالتے تھے جو اور لوگوں کے ذہن میں مشکل سے آ سکتی تھیں۔ غور و فکر اور جدت طرازی کی قوت منشی گوردھارے اور منشی شیام لال میں بھی زیادہ تھی۔ کانپور کے ایک مشہور قانون داں بنگالی سبج مسٹر پن بہاری مکرجی اکثر کہا کرتے تھے کہ اگر منشی شیام لال والا گوردھارے انگریزی داں ہوتے تو ہائی کورٹ میں بھی ان کا جواب نہ ہوتا۔ آجکل کے وکلاء جس جدت کی صفت بہت کم پائی جاتی ہے، اور ان کا زیادہ وار و موہا رکتابوں اور قانون کی شرح ہی پر رہتا ہے۔ بابو اند سر وپ میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود تھا، انھیں ہر شکل نظائر کے نازک فرق نکالنے میں بڑا ملکہ تھا۔ اپنے پیشہ میں وہ ہمیشہ دیانت کا اعلیٰ ترین معیار اپنے پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ قابلیت اور ذہانت کے علاوہ ایمانداری، متانت اور سنجیدگی کے لحاظ سے بھی اُن کا درجہ بڑا اونچا تھا۔ انھوں نے کبھی کسی جوئیر وکیل کے مقابلہ میں بھی کوئی بیجا فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی اور نہ وہ فریق ثانی کی بحث یا شہادت کے دوران میں خواہ مخواہ دخل دینے یا لٹکنے کے عادی تھے۔ وہ طبعا کم سخن واقع ہوئے تھے۔ شاید یہ کہنا زیادہ موزوں ہو گا کہ وہ فضول گو نہ تھے۔ اُن کی تقریریں ہمیشہ مختصر مگر جامع اور قانون و واقعات سے پُر ہوا کرتی تھیں جس کی وجہ سے حکام اُن کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کی بحث بڑی وقت کی نگاہ سے سنا کرتے تھے۔ جوئیر وکلاء کو امداد و اعانت کے لئے وہ ہر وقت مستعد رہتے تھے بلکہ اکثر خلاف عادت اپنے معمولی کاموں کو بھی چھوڑ کر وہ ان کی طرف رجوع ہو جاتے تھے۔

تقریر کے علاوہ بابو اند سر وپ صاحب تحریر کے بھی بڑے دھنی تھے بلکہ اس پہلو میں شاید تمام صوبہ متحدہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ عرضی دعویٰ جواب دعویٰ دستاویزوں کے مسودے وہ اسی قابلیت سے لکھتے تھے کہ پنڈت سند لال و پنڈت موتی لال جیسے وکلاء بھی ان کی تحریروں میں ایک شوشہ کے رد و بدل کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ انھیں باتوں سے اُن کو اپنے پیشہ میں بہت فروغ حاصل ہوا چنانچہ عرصہ تک وہ کانپور بار ایسوسی ایشن کے پریسیڈنٹ رہے اور جب انھوں نے اس پیشہ کو خیر باد کہا تب بھی وہ اس معزز عہدہ پر سرفراز تھے۔

چیرمین اسپرود منٹ ٹرسٹ انیس برس سے کچھ زائد عرصہ تک وکالت کرنے کے بعد بابو اند سر وپ نے اسپرود ٹرسٹ کانپور کی چیر مینی کا عہدہ قبول کر لیا۔ اس سے پہلے اس عہدہ پر سابق کلکٹر کانپور مسٹر اسٹائل آئی ایس ایس ۱۱۰ منشی شیام لال صاحب راقم مضمون کے والد ماجد اور منشی گوردھارے صاحب ایڈیٹر زمانہ کے جہد گزار تھے۔ (۱-۲)

فائز تھے اور اُن کے وقت میں ٹرسٹ کے کاموں پر بہت زیادہ روپیہ صرف ہو چکا تھا اس کے معمولی مصارف بھی بہت بڑھے ہوئے تھے۔ یہ کام بابو صاحب کے لئے بالکل نیا تھا لیکن بابو صاحب نے اس کام کو بھی بڑی محنت سے انجام دیا، انھوں نے کوششِ مبلغ سے اس کے روزمرہ مصارف کم کئے اور ٹرسٹ کے کام کو عمدگی سے چلایا۔ مگر اس سلسلے میں جو دماغی محنت کرنا پڑی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی صحت خراب ہو گئی اور (High Blood Pressure) کا مرض لاحق ہو گیا جس کے باعث آپ کو بالآخر ۱۹۲۸ء میں اس عہدہ سے مستعفی ہونا پڑا۔

آریہ سماج | آریہ سماج کی تحریک سے آپ کو اوایل عمر ہی سے دلچسپی تھی۔ ان کے ماموں منشی نیلام لال نے سوامی دیانند کا وہ مشہور مباحثہ دیکھا تھا جو سوامی جی موصوف اور پنڈت ہلدر اوجھا کے درمیان ۱۸۹۶ء میں منشی درگا ہی لال صاحب دکیل کے تعمیر کردہ بھیرول گھاٹ میں ہوا تھا، چنانچہ وہ اکثر اس کا ذکر کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ ہی سوامی جی کے اوصاف بھی بیان کیا کرتے تھے۔ بابو انند سروپ کو شروع ہی سے مذہبی واقفیت کا شوق تھا۔ چنانچہ انھوں نے بچپن ہی میں سوامی دیانند کی مشہور تصنیف سیتا تھ پر کاش پڑھی تھی اور ۱۸۹۲ء میں وہ کرنل آسکٹ بانی تھیائو نیکل سوسائٹی کے اُس لیکچر کو بھی سنتے گئے تھے جس میں کرنل صاحب نے سوامی دیانند کی وفات کی خبر اہل کانپور کو سنائی تھی اور یہ کہا تھا کہ سوامی جی کی وفات سے ہندوستان میں سنسکرت کی ودیا کا آفتاب غروب ہو گیا۔ راقم کو اپنے بچپن کی باتوں میں سے اب تک یہ بات یاد ہے کہ بابو انند سروپ نے اُس لیکچر سے لوٹ کر سوامی جی کی وفات کا ذکر ہم لوگوں سے کیا تھا، بابو صاحب ہر روز شام کو ستیا رتھ پر کاش یا پنڈت لیکھرام کی کتابیں گھر کے عزیزوں اور دوستوں کو سنایا کرتے تھے، اس طرح اُن کی ذات سے اکثر مذہبی مضامین کا چرچا رہتا تھا۔ اس وقت کانپور میں آریہ سماج قائم ہو چکا تھا، چنانچہ سماج کے اکثر اصحاب بابو انند سروپ سے صلح و مشورہ لینے آیا کرتے تھے۔ راقم کے بڑے بھائی منشی دیبی پرشاد مرحوم کو بھی آریہ سماج کی تحریک سے بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اُن کی اور بابو انند سروپ کی تحریک سے ۱۸۹۶ء میں فخر قوم لالہ لاجپت رائے صاحب کانپور تشریف لائے اور انھوں نے شیخ ولایت علی کی کوٹھی میں پنڈت بشیمبر ناتھ صاحب ٹٹل ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اسکول کانپور کی صدارت میں آریہ سماج کے متعلق ایک زبردست تقریر کی۔ اُسی موقع پر بابو انند سروپ صاحب نے بھی ایک نوٹ لکھ دیا تھا اور اپنی ایک نظم نائے دل بھی سنائی تھی جس کا سامعین پر بہت اثر ہوا تھا۔ اسی موقع پر منشی دیبی پرشاد صاحب دکیل اور ان کے خاندان کے چند دیگر اصحاب نے آریہ سماج کی عمری کا فارم بھرا تھا۔ منشی دیبی پرشاد بعد کو کئی برس تک آریہ سماج کانپور کے پریسیڈنٹ بھی رہے۔ بابو انند سروپ صاحب اگرچہ اُس وقت تک

سماج کے باقاعدہ ممبر نہیں بنے تھے لیکن سماج کے متعلق ہر کام میں وہ شریک رہتے تھے اور جب کبھی کسی بحث مباحثہ یا جوابی تحریر و تقریر کی ضرورت ہوتی تھی تو ممبران سماج کی نگاہ انھیں پر پڑتی تھی۔ اُن کی سنسکرت کی لیاقت اور مذہبی واقفیت سے سماج کو بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ بعض مذہبی مباحث برائوں نے متعدد طریقے لکھ کر آریہ سماج کے سدھانتوں کے پرچار میں بڑی امداد دی۔ سنان دھرم مہامندل کے مشہور آپریشک پنڈت گوری شنکر اور پنڈت دین دیال شرما کے لیکچروں کے جواب میں اُن کی کتب "سرمہ چشم" "دیدہ بصیرت" "دارۂ حقیقت" اور "کرشن لیلہ" بہت مقبول ہوئیں۔ اس باب میں ان کی سرگرمی کا یہ حال تھا کہ شام کو پنڈت دین دیال وغیرہ سنان دھرمی پنڈتوں کے لیکچر ہوتے تھے اور دوسرے دن صبح تک آریہ سماج کی طرف سے اُن کی تردید بابو اند سروپ کی لکھی ہوئی شائع ہو جاتی تھی ایک قابل مقرر کی حیثیت سے بھی اُن کا درجہ بڑا اونچا تھا۔ انگریزی، سنسکرت، فارسی اور اردو میں اُن کو پوری دستگاہ حاصل تھی، انھیں کے اثر سے پنڈت پر بھی ناتھ صاحب وکیل اور شہر کے اکثر غریب آریہ سماج کے کاموں میں دلچسپی لینے لگے تھے۔ کانپور کے عظیم الشان آریہ سماج مندر کی تعمیر میں بھی بابو اند سروپ صاحب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس مندر پر ایک لاکھ روپیہ سے زائد صرف ہو چکا ہے اور نہ صرف اس صوبہ میں بلکہ سارے ہندوستان میں کوئی دوسرا سماج مندر مشکل ہی سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے اس کے متعلق کچھ دو کانات اور مکانات بھی ہیں جن سے سماج کو دوسروں پر مہیا ہوا سے زائد مستقل آمدنی کی سبیل ہو گئی ہے۔ غرض تقریباً چار برس تک متواتر بابو اند سروپ نے آریہ سماج کی قابل قدر خدمات انجام دیں ۱۹۰۳ء سے نومبر ۱۹۳۱ء یعنی اپنی وفات کی تاریخ تک وہ اس کے پریسیڈنٹ رہے اور اُن کی رہنمائی میں آریہ سماج کانپور نے ایک نمایاں درجہ حاصل کیا۔ نہ صرف ممبروں کی تعداد میں اضافہ ہوا، نہ صرف سماج کا عالی شان مندر بنکر تیار ہو گیا اور ایک خیراتی اسپتال اور ریڈنگ روم قائم کیا گیا، نہ صرف انفورٹز اور سیلاب وغیرہ مصیبت کے موقعوں پر سماج کے ممبروں نے اصحاب شہر کو امداد پہنچانی بلکہ بابو اند سروپ نے آریہ سماج کے کام کو اس طریق پر انجام دیا کہ جس سے سنان دھرم مہامندل، حبیبائی و مسلمان اصحاب کو بھی کبھی شکایت کا موقع نہیں ملا۔ سماج کے سالانہ جلسوں کے موقع پر جو مذہبی کانفرنس منعقد ہوتی تھی اُس میں ان جماعتوں کے نمایندے بخوشی شریک ہوتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی جب اصول کا سوال آیا یا جوابی تقریر اور بحث و مباحثہ کی ضرورت پڑی تو بابو اند سروپ نے کبھی راضی نامہ نہیں کیا۔

سوامی دیانند کی وفات ۱۹۰۳ء میں ہوئی جس کے بعد پنجاب کی طرح اس صوبہ میں بھی ان کی یادگار قائم کرنے کی تحریک شروع ہوئی چنانچہ ۱۹۰۳ء میں ڈی۔ اے۔ وی کالج سوسائٹی کی رجسٹری کر لی گئی

اور اسی سلسلہ میں میرٹھ میں ایک مڈل اسکول بھی قائم ہوا، لیکن اس تحریک کو اُس وقت تک کوئی قابل قدر درجہ حاصل نہیں ہوا جب تک کہ بابو اندرسروپ اُس کے سکریٹری منتخب نہیں ہوئے۔ ڈی۔ اے۔ وی۔ ہائی اسکول کانپور، ڈی۔ اے۔ وی۔ انٹر میڈیٹ کالج دہرہ دون اور ڈی۔ اے۔ وی کالج کانپور کے قائم کرنے اور ترقی دینے میں بابو اندرسروپ کا سب سے بڑا حصہ ہے اور جب تک یہ انسٹی ٹیوشن قائم ہیں اُن کا نام امر میگا۔ بحیثیت سکریٹری و پریسیڈنٹ ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج سوسائٹی بابو اندرسروپ نے جو نمایاں خدمات انجام دیں اس کے لئے تمام صوبہ اُن کا زیر بار احسان ہے۔ ڈی۔ اے۔ وی۔ ہائی اسکول کانپور آج کانپور کا بہترین اسکول سمجھا جاتا ہے جس میں چھ سو سے زائد طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ ڈی۔ اے۔ وی۔ انٹر میڈیٹ کالج دہرہ دون نے بھی بہت اچھی ترقی کی ہے اور وہ اس وقت آٹھ سو سے زائد طلباء کو تعلیم دے رہا ہے۔ ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج کانپور کو قائم ہوئے اگرچہ صرف گیارہ بارہ سال ہی ہوئے ہیں لیکن اس قلیل عرصہ میں بھی اس کا شمار صوبہ کے ممتاز کالجوں میں کیا جاتا ہے اور اس میں طلباء چھ سو سے زائد طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ کالج اور بورڈنگ ہوس کی عالی شان عمارتوں اور امتحانات میں کالج کے عمدہ نتیجوں نے اُسے بہت مشہور کر دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں کالج کے قابل پرنسپل لالہ دیوان چند صاحب اگرہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے ہیں بہر حال اس کالج کی روز افزوں ترقی بھی سب سے زیادہ راے بہادر بابو اندرسروپ ہی کی کوشش اور محنت کا ثمر ہے۔

پنجاب کی طرح اس صوبہ میں بھی یہ خوف تھا کہ کہیں کالج پارٹی اور گروکل پارٹی میں خانہ جنگی نہ شروع ہو جائے لیکن بابو اندرسروپ صاحب کی دُور اندیشی اور اُن کے ہم خیال اصحاب کی کوشش سے ایسا نہیں ہونے پایا۔ اور صوبہ متحدہ کے آریہ سماجیوں میں اس قسم کی گروہ بندی نہیں ہونے پائی۔ بلکہ گروکل بند راہن اور ڈی۔ اے۔ وی۔ کالج سوسائٹی کے کارکنوں میں ہمیشہ خوشگوار تعلقات رہے اور انھوں نے ایک دوسرے کو امداد دینے سے دریغ نہیں کیا

بابو اندرسروپ نے ۱۹۲۹ء میں آریہ سماج کانپور کی پچاس سالہ جوبلی کے موقع پر جو تقریر کی تھی وہ اُن کی زندگی کی آخری تقریر تھی، اُس کے خاتمہ پر انھوں نے فرمایا تھا:-

”اگرچہ مجھے یہ امید نہیں کہ میں سماج کی آئندہ ترقی کی بہار زیادہ دنوں تک دیکھ سکوں گا کیونکہ میں بمثل اُس ٹٹماتے ہوئے چراغ کے ہوں جس چراغ کا تیل اور بتی قریب قریب ختم ہو گیا ہوا اور وہ اپنے گل ہونے کے لئے کسی بادِ حری کے جھونکے کا منتظر ہو۔ میں سبھی اونچ نیچ عیش و غم بھلائی بُرائی دیکھ

تاہم انگریزی ادب کی ادبی حیثیت سے یہ تقریر بہترین پیرایہ میں ذاتیات پر سخت ترین حملہ کرنے کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اور نہ صرف موقع کی اہمیت کے خیال سے بلکہ زبان کی شوکت اور بلاغت کے لحاظ سے بھی وہ ایک غیر فانی چیز ہے۔

فتوحات ہند کے بعد اگرچہ ہندوستان کی فتوحات سے انگریزی ادب میں کوئی مہم بالشان اضافہ نہیں ہوا تاہم اس کی بدولت مشرقی مباحث پر لکھنے والوں کی ایک خاصی جماعت ضرور پیدا ہو گئی، مگر ہندوستان کی اندرونی مازنگی کا راز سرسبز ہی رہا اور اس کی نسبت کسی نے کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ انگلستان والوں نے ہندوستان سے جو دلچسپی یعنی شرموع کی تو وہ خاص ہندوستان اور اس کے باشندوں کے دلی جذبات و خیالات سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے نہ تھی، بلکہ ان کا مقصد تمامتر *Anglo Indian* (ہندوستانی انگریزوں) سے واقف ہونا تھا۔ اگرچہ اکثر انگریز سیاحوں نے ہندوستان کے حالات اپنی کتابوں میں صحیح اور معتبر درج کئے ہیں، لیکن بعد کے مصنفین کی طرح انھوں نے بھی ہندوستانیوں کے دلی جذبات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اسی وجہ سے عرصہ فدا سے ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان اجنبیت کا پردہ حائل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی خود ہندوستان کے انگریزوں (یعنی اینگلو انڈین طبقے) میں بھی لکھنے والے پیدا ہو گئے۔ اور انھوں نے ہندوستان کی نسبت بہت ٹھوس مواد اکٹھا کر کے عام معلومات میں اضافہ کیا۔ اسی زمانہ میں سر ولیم جونس (Jones) جیسا علوم مشرقیہ کا تبحر عالم والسرے ہنکر ہندوستان آیا۔ جس نے اس کے رخ روشن سے ناواقفیت اور جہالت کے تاریک پردہ کو اٹھا دیا۔ اور اُس کے حُسنِ اصلی کا جلوہ اپنے ہم قوموں کو دکھایا۔ چنانچہ اس کی محققانہ تحریرات اس کی شاہد ہیں، بااں ہمہ اُن کا شمار کسی طرح انگریزی ادبیات میں نہیں ہو سکتا۔ بہرِ نفع اس طرح انگلستان والوں کو ہندوستان کے صحیح اور معتبر حالات معلوم ہونے لگے جس سے دونوں ملکوں کے درمیان صحیح مفاہمت کے ذرائع پیدا ہو گئے۔

لارڈ میکالے | ہندوستان کے متعلق لکھنے والے انگریز مصنفین میں لارڈ میکالے مستثنیٰ قابلیت کا مسئلہ انشا پر داز ہے جو اپنی پُرور اور رواں طرزِ تحریر کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ اور ہندوستان میں تنایم کی بنا پر ہندوستانی مباحث پر اس کی تحریروں مستند سمجھی جانے لگیں۔ کلاؤ اور ہیسٹینگز پر اس کے

۱۷۷۷ء میں فرٹ ولیم کی عدالت عالیہ کا جج ہنکر ہندوستان آیا۔ یورپی السنہ کے علاوہ فارسی اور سنسکرت زبانوں پر کافی عبور رکھتا تھا۔ ۱۷۸۴ء میں اس نے کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی جو ایک قائم ہے۔ اس علمی انجمن کے ریسالہ (جرنل) میں ہندوستان کی ادبی، تاریخی اور اثری تحقیقات پر بہت بلند پایہ مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

مضامین آج بھی "کلاسیکل" شمار کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ مابعد کی تحقیقات نے ان کی تاریخی اہمیت کو بہت کچھ گھٹا دیا ہے۔ تعجب ہے کہ ہندوستان سے اس قدر دلچسپی رکھنے کے باوجود میکالے ایک جگہ ہندوستانی ادب کی تحقیر کرتا ہے جس سے اس کو برائے نام بھی آگاہی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے نزدیک یونانی شاعر Horace (ہورس) کی ایک نظم تمام مہابھارت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے، اور انجیل کی کتاب پیدائش رگ وید اور قرآن مجید سے کہیں زیادہ وقعت رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ میکالے نے ہندوستان کے انگریزی تخیل پر جو اثر ڈالا ہے وہ بہت کم لوگ ڈال سکے۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کے اثرات تمام تر اچھے ہی تھے۔ اسی شاندار طرز تحریر کی بدولت اس کو وہ پایۂ استناد ملا جس کا وہ مستحق نہ تھا۔ ہندوستان سے اس کی سچی بھرپور صرفت اس موقع پر ظاہر ہوئی جبکہ اس نے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:-

"انگلستان کے لئے وہ دن نہایت قابل فخر ہو گا جب وہ اعتماد اور ضماندی کے ساتھ ہندوستان پر
کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ سپرد کر دیگا۔"

کپنی کے عہد تک ہندوستان کا حصہ انگریزی ادبیات میں صرف یہی تھا کہ چند سفر نامے، بعض تاریخی مضامین، نثر و نظم میں بعض حوالہ جات و اشارات پائے جاتے ہیں۔ برک اور میکالے کے بعد اسکاٹ اور تھیکرے کے ناولوں میں اور ٹینیسن کی نظموں میں ہندوستان کا صحیح تخیل پایا جاتا ہے جو براہ راست حاصل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ خود ہندوستان میں جو کچھ لکھا گیا وہ بھی اس موضوع پر بہت صریح اور ضخیم تھا، مستشرقین کی تحقیقات نے انگریزی شعرا کو صحیح ہندوستانی تخیل بہم پہنچا یا تھا۔ چنانچہ رابرٹ ساؤتھی (Southey) نے سرو نیم جالسن کی تصانیف کو بڑھ کر *The Curse of Kehama* (کہامہ کی بد دعا) کے نام سے ایک نظم لکھی جس میں افسانہ کے پیرایہ میں ہندو اساطیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح Byron (بائرن) نے اپنی نظموں *Giaour* (گیا اور) اور *Bride of Abydos* (عروس عبیدوس) میں، اور Shelley (شیلی) نے *Alastor* (الاسٹر) میں ہندوستانی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ نیز اپنی ایک مختصر نظم *To an Indian air* ("نسیم ہند") میں اس نے خاموش اور ساکن چشمہ کو

ملاحظہ کیجئے *Historical Essays by Macaulay* ۱۸۵۷ء قدیم روم کے گیت (لیز آف انشٹن روم) سے تقاریر میکالے۔ ۱۸۵۷ء یہ دونوں ترکی تھے جن میں مشرقی خصوصاً اسلامی خیالات بکثرت پائے جاتے ہیں۔ دو ایک جگہ ہندوستان کی نسبت بعض اشرافیہ پائے جاتے ہیں۔ دیکھو کلیات بائرن (چندوس کلاسکس) صفحات ۷۷، ۷۸، ۷۹ اور صفحات ۱۹۹ تا ۱۹۷۔ یہ نظم بھی مشرقی تخیل کا بہترین نمونہ ہے۔ اس میں دریا کے سندھ اور وادی کشمیر کا ذکر ہے۔ کلیات شیلی ص ۵۲ (چند دس)

ہواؤں کا چھڑنا، چمپا کی خوشبوئیں، بلبل کے زار و نالے وغیرہ کا نقشہ کھینچا ہے۔ آری لید کے مشہور شاعر عطا مس مور نے ”لالہ رخ“ نام کی ایک طویل نظم لکھی ہے جس کا پلاٹ پنجاب اور کشمیر کی سرسبز و شاداب سرزمین ہے۔ اس منظوم فسانہ کی ترکیب میں بہ نسبت ہندوستانی کے مشرقی عناصر زیادہ ہیں، اور اگرچہ مور کے زمانہ کے سیاحوں کے روزناموں اور مورخین کی تصانیف میں ہندوستانی تاریخ اور جغرافیہ کے متعلق کافی ذخیرہ موجود تھا۔ تاہم اس نے ان سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ اس کے مضامین میں بجائے اصلیت کے زیادہ تر افسانویت کا رنگ بھر گیا ہے اور غیر ہندی عناصر اس میں شامل ہو گئے ہیں، اور اگرچہ ادبی لحاظ سے یہ ایک شاہکار کہی جاسکتی ہے لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ مشرقی تخیل نے اس کی وقعت کو مغربی نقادوں کی نظروں میں گرا دیا ہے چنانچہ اس کی نسبت یہ قول مشہور ہے کہ ”اس کو نہ پڑھنے سے کوئی زیادہ تہی مایہ نہیں ہو جاتا۔“ اسی طرح ”کھامدہ کی بد دعا“ بھی ایک روکھی پھکی نظم خیال کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ والٹر اسکاٹ جیسے کامیاب افسانہ نویس کا ناول *Surgeon's daughter* (جراح کی لڑکی) جو ایک انیگلو انڈین افسانہ ہے، اس کی دیگر شاہکار تصانیف کے مقابلہ میں بہت پست سمجھا جاتا ہے۔

مسیحی مبلغین کی ادبی کوششیں | عیسائی مشنریوں نے جو مذہبی اور مناطانہ لٹریچر پیدا کر دیا ہے اس کو انگریزی ادبیات میں جگہ نہیں دی جاسکتی، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انھوں نے لسانی تحقیقات کے ذریعہ سے ہندوستانی معاملات کو جاننے اور سمجھنے کا راستہ نکالا۔ اور گو مسیحی مبلغین کی ان ادبی کوششوں کا نتیجہ کچھ زیادہ قابل تحسین نہیں نکلا، تاہم ہندوستانی خیالات پر مسیحی اثرات کے پیدا کرنے میں ان کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں، ان کی سب سے قابل قدر کوشش انگریزی زبان کی اشاعت و ترویج تھی اور اس لحاظ سے انھیں اولیت کا شرف حاصل ہے۔

مورخین | ان سے بھی زیادہ انگریزی ادبیات میں اضافہ کرنے کا باعث وہ مورخین ہوئے ہیں جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے۔ اور اگرچہ ان کی تصانیف انگریزی کے نامور مورخین کے ہم پلہ نہیں سمجھی جاتی ہیں تاہم وہ مستند تصانیف تسلیم کر لی گئی ہیں۔ ان مورخین میں رل، ہنٹر، اریٹ اور الفنسٹن نے ہندوستان کی تاریخ کے متعلق مفصل اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ کنگھم نے سکھوں کی تاریخ اور ٹاڈ نے راجستان

۱۵ کلیات شبلی صفحہ ۵۱۵ (چند دس کلاسکس)

۱۶ اس نظم کا پہلا اردو میں نادرہ کا گروہی لئے ترجمہ کیا جو ان کے مجرمہ منظومات جذبات نادرہ دم کے ساتھ چھپکر شائع ہو چکا ہو دوسرا ترجمہ نثر میں لطیف احمد صاحب اکبر آبادی نے کیا ہے جو پہلے نکلیں باقسط اور پھر مستقل کتابی طور پر شائع ہوا ہے۔

کے حالات لکھے ہیں۔ مآلین، ایڈورڈز کے سوا کئی اور مورخین کا نام بھی اس سلسلہ میں لیا جاسکتا ہے، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شعرا کے خیالی افسانوں اور سیاحوں کے سفر ناموں کی جگہ علمی تحقیقات اور تاریخی تفتیش نے لے لی تھی۔

فنون | ہندوستانی فنون لطیفہ کی طرف بھی توجہ کی گئی، ہندوؤں کی شاعری اور فن ڈراما پر انگریزی زبان میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ چنانچہ سر ولیم چرنس کی تصانیف اور ایشیاٹک ریسرچز کی جلدیں اس کی شاہد ہیں۔ اس سلسلہ میں ہندو ڈراما پر وٹسن کی زبردست تصنیف خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اور غالباً اسی کتاب کے مطالعہ نے زماؤدھ چائلز کے سنسکرت کے سب سے بڑے ماہر فرانسیسی مستشرق سیلویں لیوی کو ہندوستانی آرٹ کے متعلق طولانی تحقیقات پر آمادہ کیا۔ مشہور انگریزی ادیب اور ماہر فنون لطیفہ جان رسکین بھی ہندوستان کے آرٹ سے ناواقف نہیں تھا۔ مگر اس کی حالت بالکل برعکس کی سی ہے جو استاد ماہر کی حیثیت سے لکھنے کا تو مدعی ہے مگر اس فن سے ذرا بھی واقف نہیں ہے۔

ادب اور افسانہ | ہندوستان سے اس قدر واقفیت، میل جول، اور سیاسی و تمدنی تعلقات کے باوجود اہل انگلستان نے اہل ہند کے متعلق جو قصے اور ناول لکھے ان میں وہ ہندوستانی معاشرت کا کوئی قابل قدر نمونہ پیش نہ کر سکے۔ ان فسانہ نگاروں نے اپنے ناولوں کو زیادہ تر ہندوستانی انگریزوں ہی تک محدود رکھا ہے جن میں کبھی کبھی ایک آدھ ہندوستانی کی کردار پیش کر دیا جاتا ہے۔ اسکاٹ اور ٹھیکرے نے اس کو بہت ترقی دی مگر ان کے بعد کے مصنفین نے صحیح ہندوستانی زندگی کا کوئی مرقع پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اگرچہ رڈیارد کیپلنگ ابتدا میں ایملگو انڈین قصے لکھتا رہا لیکن اس نے اپنے مشہور ناول *Kim* (کم) میں حسن زبان و بیان کے علاوہ ہندوستانی زندگی کی صحیح تصویر کھینچی ہے *Mrs. Diver* (مسز ڈیور) اور *Mrs. Dell* (مسز ڈیل) خاص کر ان افسانہ نگاروں کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں جو اپنے قصوں میں ایک آدھ ہندوستانی بھی داخل کر دیتی ہیں۔ اور مسز فلوما اسٹیل کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے پر ان کی تصویریں اکثر غیر صحیح معلوم ہوتی ہیں۔ غرض انگریزی افسانوں میں ہندوستان کی نسبت صحیح معلومات نہیں حاصل ہو سکتی ہیں، حالانکہ آئے دن ہندوستان پر تصانیف کا سیلاب اٹھ اچلا آ رہا ہے۔

صنعت | اصلِ لطیفہ خصوصاً تعمیرات ہند پر سر جان مارشل اور مسٹر ہاویل اس گروہ کے نمائندے کہہ جاسکتے ہیں جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ کا صنعت اور تعمیرات کے ذریعہ مطالعہ کیا ہے۔ ہندوستان کی بعض خاص اقوام کی نسبت لکھنے والوں میں آسام کی ناگا قوم پر مسٹر ہون نے ایک کتاب بطور نمونہ لکھی ہے جو اس موضوع پر پہلی کتاب کہی جاسکتی ہے۔

تایخ و سیاسیات | سیاسیات کے دائرہ میں زمانہ حال کے مصنفین میں سر ویلنٹائن شتروپل کا نام کافی طور پر گوش آشنا ہو چکا ہے۔ ان کی کتاب ”ہندوستان میں سیاسی اضطراب“ بہت مشہور ہے، اسی طرح قدیم ہندوستان کی تایخ پر ڈاکٹر ولسنٹ اسٹوڈیٹ بہت مستند مانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کتابیں انگریز اور آشوک کے متعلق ہندوستانی حکمرانوں کے سلسلہ میں بہت محققانہ اور مستند مانی جاتی ہیں۔

ان بے شمار ناموں میں سے جنہوں نے ہندوستان کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا ہے یہ چند نام خاص طور پر مشہور ہیں، اور اگر اب مصنفین کی مکمل فہرست پیش کی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائیگی، اس لئے اس مختصر سے مضمون میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

ہندوستانی مصنفین | اس سلسلہ میں خود ہندوستانی مصنفین اور انشاپر داڑی بھی ”واسطہ العقد“ سمجھے جاسکتے ہیں، خصوصاً پچھلے چند برسوں میں ہندوستانیوں نے اپنے ملک کی نسبت انگریزی ادب میں معتد بہ احسانہ کی ہے۔

شاعری اور ادب میں بہت کم ہندوستانیوں نے نام پیدا کیا ہے، اس لئے کہ ایک غیر زبان میں شعر اور اچھے شعر کہنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ تاہم اس فہرست میں طبقہ رجال میں سر سیکور اور طبقہ سنوآل میں بس تو روت اور سر سر جینی نائیڈو نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے۔ حیدر آباد کے ایک مسلمان بزرگ ”نظامت جنگ“ بھی انگریزی شعر کہنے پر قدرت رکھتے ہیں، گو ان کی نظمیں عموماً بہت مختصر ہوا کرتی ہیں۔

ہندوستان کے انگریزی ادیبوں میں ایس۔ ایم۔ بٹرا، بالور ویش چندر دت (آجمنانی) سردار جوگیندر سنگھ اور اقبال علی شاہ افسانوی ادب میں امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ ہندوستان کے مشاہیر اہل علم ابھی تحقیقات کے میدان میں سرگرم خرام ہیں، اور اہم ہندوستانی موضوعات مثلاً دیدول کی قدامت، آیات و کازج، ہندوستانی تایخ کا آغاز، عہد گپتا کی شان و شوکت، آشوک اور سری ہرش کی سلطنتیں، مہرہوٹ

۱۔ انہوں نے ہندو پوز نام کا ایک نیم سیاسی ناول لکھا ہے جو انگریزی حلقوں میں بھی بہت مقبول ہوا ہے۔

۲۔ جنگل کا یہ ناموصف اپنے تمام معاصرین میں بہت ممتاز تھا، وہ نہ صرف ایک قابل ادیب تھا بلکہ ایک سیاسی، تاریخی، قانونی اور ادبی انشاپر داڑی بھی تھا۔ اس وقت متعدد تصانیف انکی یادگار ہیں جن میں ایک ناول ”کنٹر آکر“ ہندوستان کا قدیم تمدن، راجائن اور مہا بھارت کے انگریزی تراجم میں بس تو روت انہی کی تصنیف تھیں۔

۳۔ کسی وقت یہ ایسٹ اینڈ ویسٹ کے اوٹھیر تھین چار ناول ان کے قلم سے نکلے ہیں جو انگریزوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں ”لنڈن“، ”پنڈت“، ”تین ناٹھ“ کے تباہ سرشار کا چر بہ ہے، ان کا ایک اور ناول ”نورجیاں“ کے نام سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

۴۔ انگریزی رسائل میں انکے مختصر قصے پھیلتے رہے ہیں، موداک کتابیں ان کی تصنیف سے ہیں۔

کا عروج، ہندوستان قرون وسطیٰ میں، عہد مغلیہ کی تاریخی تحقیقات، وغیرہ میں جنھوں نے حبیبوال اور تلک، جھنڈارکر اور کرن سنواری آنگر، ہندو ناتھ سرکار، اور عبداللہ یوسف علی جیسے مشہور انشاپروازوں کو اپنی طرٹ متوجہ کر لیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں آرمیل سید امیر علی مرحوم (رکن بریلوی کونسل) انگریزی کے ایک نامور انشاپرواز تھے۔ چنانچہ لنڈن یونیورسٹی نے آپ کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی سند دیکر آپ کی ادبی قابلیت کا اعتراف کیا تھا۔ آپ کی تصنیف سے کسی ضخیم کتاب میں جن میں اسپرٹ آف اسلام، ہسٹری آف ساراسین بہت مشہور ہیں۔ قانون پران کی کتابیں بہت "مستند" مانی جاتی ہیں سیاسی اور تعلیم پر لکھنے والوں میں نواب عماد الملک بلگرامی اچھے انگریزی انشاپرواز تھے۔ قرآن مجید کے چند پاروں کا ترجمہ بھی آپ نے انگریزی میں کیا تھا۔ اسلامی موضوعات پر مسٹر صلاح الدین خدا بخش (مرحوم) کی تصانیف اور تراجم بین الاقوامی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔

دنیا کے صحافت میں مولانا محمد علی مرحوم (سابق مدیر کامریڈ) سید حسین (سابق مدیر کرائیکل) مسٹر عبداللہ بریلوی، بابورا ماند چٹرجی (اڈیٹر ماڈرن ریویو) مسٹر ٹینٹن (اڈیٹر انڈین ریویو) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے پچھلی ربع صدی میں ہندوستانی صحافت کی بہت بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ اسی طرح فلسفہ، اقتصادیات، معاشیات وغیرہ پر ہمارے ہندوستانی علماء نے مغربی تعلیم سے استفادہ کر کے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن ان چند ناموں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ملک میں دوسرے انگریزی زبان کے اچھے لکھنے والے نہیں ہیں، یہ صرف چند مشہور نام ہیں جو ہم نے پیش کئے ہیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اس معاملہ میں اہل مغرب ہی ہمارے رہنما ہیں وہی مارلو اور ڈرائیڈن کی لغویات سے اٹھا کر برگ اور میکالے کی محدود معلومات سے گزرتے ہوئے ہیں اس وسیع النظری اور بصیرت کی طرف لے گئے ہیں جس سے ہم ہندوستانی فلسفہ، ہندوستانی ڈراما اور اسلامی تاریخ و تمدن کی عظمت سمجھنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ اب یہ برادران وطن کا کام ہے کہ وہ اہل مغرب کو اپنے صحیح علوم صحیح تاریخ اور صحیح تہذیب و تمدن سے آگاہ کریں اور بتادیں کہ دنیا کے تمام ممالک میں ہندوستان ہر حیثیت سے علوم و فنون سے مالا مال ہے اور اس کے باشندے ہر لحاظ سے دنیا کی تمام بڑی بڑی اور تمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑے ہونے کے قابل ہیں۔

قدیم افغانستان اور اسکے باشندے

(از مٹھا کر جے آر۔ رائے۔ جرنلسٹ۔ لاہور)

موجودہ افغانستان کا رقبہ کم و بیش ڈھائی لاکھ مربع میل اور آبادی اسی لاکھ کے قریب ہے۔ قریب قریب سارا ملک پہاڑی ہے۔ مگر شمال اور مشرق میں ہندو کش کی عظیم الشان سد سکندری حامل ہے اندرون ملک کوہ بابا اور کوہ سفید کابل سے مغرب میں ہرات اور کابل کے مابین واقع ہے۔ کوہستان سلیمان اور کوہ سیاه بھی ہے۔ ہندو کش چودہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند ہے۔ باقی پہاڑیاں چار ہزار فٹ سے لیکر سات ہزار فٹ تک اونچی ہیں۔ جہات جنوب اور جنوب مغرب میدان ہے جہاں زیادہ تر ریت ہے۔ مغرب میں ایران ہے جس کی سرحد ہرات سے سیدھے خط میں پچاس میل کے قریب آگے ہے۔ پُرانے زمانہ میں ہرات سرحدی شہر تھا۔ شمال میں روسی علاقہ ترکستان کا ہے اور مشرق میں آزاد اور قندھار و سرحدی قبائل کا ملک ہے پُرانے زمانہ میں ہندو کش افغانستان اور ایشیائے وسط کے درمیان حد فاصل تھا۔ بخارا، سمرقند وغیرہ کا علاقہ کلیتہً علیحدہ تھا۔ مشہور ماہر سر ایلچ۔ جے۔ کننری رقم طراز ہیں:-

”ہندو کش شمال مغرب کی جانب ملک ہند کی طبعی سرحد ہے، اس کی فطری پید سکندری شمال مغرب میں ملک ہند کی شہر نیاہ کا کام دیتی ہے۔ اسے انگریز مدبر سائنٹیفک فرانٹیر (Scientific Frontier) کے نام سے پکارتے ہیں جسے حاصل کرنے کے لیے پچھلی صدی میں انگریزوں نے ہر چند کوشش کی مگر ناکام رہے۔ لیکن تانچ میں ایک مرتع ایسا بھی آیا تھا جبکہ ہندو کش فی الحقیقت اور قدرتی سرحد ہند بنا تھا۔ چوتھی صدی قبل از سن عیسوی کے آخری ربع کے دوران میں ہندو کش سلطنت موریہ اور میلواکس کی سلطنت کے مابین حد فاضل کا کام دیتا تھا۔“

اگر ہندو کش ہندوستان کی فطری اور بہترین شے ہے تو اس سے اوجھڑ کا علاقہ ملک ہند کا جزو
اصلی شمار ہونا چاہیے۔ ماہران جغرافیہ اور تاریخ کی رائے میں سرحدی قبائل اور افغانستان کا علاقہ ہندوستان
کا جزو لازم ہے۔

پرانے وقتوں میں افغانستان کو اس امر سے خاص اہمیت حاصل تھی کہ مغربی اور وسطی ایشیا اور

ملک ہند میں آنے جانے کا راستہ اسی ملک سے گزرتا تھا۔ کابل ان سڑکوں کا مرجع تھا۔ مشہد سے ہرات اور ہرات سے کابل تک سڑک آتی تھی۔ جہاں سے ایک تو وادی کابل سے ملک پنجاب میں اور دوسری ادی پنج شیر سے ہو کر ہندو کش کو چہر کر مر قند، بخارا اور مشرقی ترکستان سے چین کو جایا کرتی تھی۔ سکندریستان سے قندھار آیا اور قندھار سے کابل پہونچا۔ پھر وادی پنج شیر سے وسطی ایشیا میں پہونچ گیا، بعد ازاں لوگر دریا بے کابل اور خیبر کے راستہ سے پشتاور کے علاقہ میں وارد ہوا تھا۔

بلخ کے ہندو حکمران | پرانے زمانہ کا علاقہ باختریہ بہت مشہور ہے، تاریخ سلف میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے مگر سکندر کے ہمرکاب یونانی حکماء کی تحریروں کے سبب سے اسے بہت شہرت حاصل ہوئی تھی۔ اس علاقہ کا محل وقوع افغانی ترکستان ہے جس کا بڑا شہر بلخ ہے۔ جو کابل کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ کابل اور بلخ کے درمیان تقریباً پونے دو سو میل کا فاصلہ ہے۔ پرانے زمانہ کے باختریہ میں آریہ ہندو آباد تھے۔ اور وہاں پر آریہ ہندوؤں کی حکومت تھی۔ سویڈن کا مشہور محقق کونٹ جبرن لکھتا ہے: ”باختری نسخہ جو دبستان کے نام سے مشہور ہے اور جسے کشمیر سے سرولیم جونز یورپ لائے تھے۔ اس میں حکمرانوں کی جامع فہرست مندرج ہے۔ جو مہابدنی کے خاندان کے راجاؤں کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ملک میں اس خاندان کا پہلا راجہ حملہ سکندر سے (۵۶۰۰) سال پہلے گزرا ہے۔“ بل نے اپنی مشہور تاریخ ہند میں بھی یہ بیان کیا ہے کہ باختریہ میں آریہ ہندو راج تھا۔ تازہ تاریخی تحقیقات سے دبستان اور بل کے بیانات کی کس حد تک تائید ہوتی ہے یہ کہنا محال ہے۔ ڈاکٹر ایچ۔ ایچ۔ وکسن نامی ماہر سنسکرت نے اب سے سو سال پہلے افغانستان کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کر کے یہ رائے ظاہر کی تھی ”یونانی حملہ سے پہلے افغانستان میں آریہ ہندو آباد تھے جو سیدی قوم کے حملہ سے دب گئے مگر جب اسے زوال لاحق ہو گیا تو آریہ ہندوؤں نے پھر زور پکڑ لیا۔“

ویدک قوموں کی | رگ وید سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم کے ہندو آریہ لوگ مشرقی افغانستان سے باہمی جنگ آرائی | خوب واقف تھے۔ دریائے کابل (گجھا، اور سوات (سواس ت و) اور قرم (کرمر) اور گول (گومتی) کا ذکر ملتا ہے۔ علاوہ ازیں رگ وید (کے ساتویں منڈل) میں ایک عظیم معرکہ کا بھی حال درج، راجہ سداس بھارت قوم کا راجہ تھا۔ اس کے باپ دادا بڑے نامی حکمران نہ تھے دس قوموں اور راجاؤں نے

۱۔ ”تاریخ ہند“ جلد دوم صفحہ ۲۳۷-۲۳۸۔

۲۔ ”افغانستان آف دی افغانز“ ص ۱۹ مصنفہ سردار علی شاہ۔

اس کے خلاف ایک شاندار جھٹابنایا، جس میں شمو، تریشہ، دُروہو، گبتشہ، پورو، آتو۔ قرے کرہ، جادو، متیہ، پکتھ، بھلانہ۔ آلینہ، وِشانی، ریشی۔ آج۔ اور یک شتو قومیں اور ان کے قبائل شامل تھے۔ علاوہ ازیں راجہ شمو اور راجہ بھید بھی تھا۔ پروفیسر ناراین چندا بندوپادھیان قوموں کے دیس کی نسبت حسب ذیل حالات لکھتے ہیں:-

”تریشہ قوم کا رگ وید میں اکثر ذکر آتا ہے اور ان کا جادو، آتو۔ پورو اور دُروہو قوموں سے بہت گہرا ربط مضبوط تھا، اور یہ دریائے پریشی (راوی) کے کناروں پر آباد تھے۔ زمانہ ماہد میں مشرق کو نقل مکان کر گئی۔ آتو، آتو، آتو قوم بھی پریشی کے کنارے پر آباد تھی، اور جادو وغیرہ قوموں کے ساتھ جھٹ میں شریک تھی۔ آج قوم کے ٹھکانے کا کوئی پتہ نہیں۔ آلینہ قوم کا ذکر پکتھ اور بھلانہ ریشی اور وِشانی کے ساتھ آتا ہے۔ دُروہو قوم کا حال جادو، تریشہ، آتو اور پورو کے ساتھ شامل ہے۔ پکتھ کا بھی رگ وید میں ذکر ہے۔ بھلانہ کا دیس یعنی ماہروں نے مشرقی کابلستان قرار دیا ہے۔ متیہ کا ذکر رگ وید میں تھوڑا ملتا ہے، مگر بعد کے زمانہ میں اس نے بڑا عروج پکڑا، اس کے ایک تاجدار نے اشومیرہ جگ کیا تھا۔ جادو قوم بہت مشہور ہے۔ رگ وید میں اس کا ذکر بت پایا جاتا ہے۔ یہ بڑی بہادر اور جھاکش قوم تھی، سداً اس کے خلاف جھٹا اسی قوم کی کوشش سے مرتب ہوا تھا۔ قرے کرہ کے کئی قبائل تھے جو جھٹ میں شامل تھے۔ اسی طرح شیکرو اور شمو اور ریشی قوم کے لوگ بھی سداً اس کے مخالفوں میں شریک تھے۔ اُنک کے پار منتہائے مغرب میں کمبوج، گندھاری، مالہ پکتھ، بھلانہ اور وِشانی قومیں رہتی تھیں۔ اُنک کے مشرق میں منجلہ دیگر اقوام کے ریشی اور جادو قومیں بھی تھیں جن کا ملک جہلم (وگستا) اور اُنک (سندھو) کے مابین تھا۔ جہلم کے مشرق کے پہاڑی علاقے میں تین اور نزدیک قومیں تھیں، اسگنی (چناب) اور پریشی (راوی) کے درمیان نیچے کے خط میں دُروہو، تریشہ اور آتو قومیں رہتی تھیں۔ شستدری (ستلج) کے مشرق میں بھٹ اور ترش سو قومیں آباد تھیں جو راجہ سداً کی ہم نسل اور نزدیک رشتہ کے سبب سے معاون تھیں اور ان کے ہمایہ میں پورو قوم بھی جو جھٹ میں شریک تھی“

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجہ سداً اس زمانہ حال کے اضلاع لدھیانہ، انبالہ، سہارنپور وغیرہ کا حکمران تھا، اس کے خلاف غالباً اس کے بڑھتے ہوئے عروج کے سبب سے پندرہ بیس چھوٹی بڑی قومیں اور ان کے راجاؤں نے ایکا کیا جو سرحدی قبائل کے علاوہ افغانستان تک آباد تھیں۔ متواتر عمر کے اراکین

میں سداس نے اپنے مخالفوں کو مغلوب کر لیا۔ ڈاکٹر یو۔ این۔ گھوشال کا بیان ہے کہ آئینہ قوم کا فرشتا کے شمال مشرق میں رہتی تھی، بھلانہ اور پکتھہ درہ بولان کے خط میں آباد تھی، افغان اپنے کو پکتھن کہتے ہیں۔

پکتھہ قوم کی اصلیت | پروفیسر ہندو پادھیال کا بیان ہے کہ دریائے گنگا کے بہت آگے منہلے مغرب میں مکتوج، گندھاری، آئینہ، پکتھہ، بھلانہ اور وشنائی قومیں آباد تھیں۔ جرمن ماہر سترمر کی رائے یہ ہے کہ گندھاری قوم دریائے کابل کے کناروں پر رہتی تھی۔ پکتھہ قوم کارگ وید (منڈل) میں ذکر آتا ہے پروفیسر ہندو پادھیال اور گھوشال کا بیان ہے کہ وہ درہ بولان کے خطہ اور مشرقی کابلستان میں آباد تھی راجہ سداس کے زمانہ کا تین دشوار ہے۔ کیونکہ رگ وید کے زمانہ کی نسبت سخت اختلاف رائے ہے، مگر ماہروں کی اکثریت کا یہ اندازہ ہے کہ رگ وید کی رچائیں سنہ عیسوی سے دو ہزار اور پندرہ سو سال پہلے بنی تھیں، بہر حال پکتھہ عرصہ تک اسی سرزمین میں رہی۔ ہرداٹوس یونان کا مشہور سیاح اور مورخ گزرا ہے جو سن عیسوی سے پانچ سو برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ دارا کے حملہ ہند (انڈیا) کے تذکرے میں وہ ایک تیشکی قوم کا ذکر کرتا ہے۔ مشہور ماہر سنسکرت پروفیسر رالین "بک ٹائیک" (Paktyike) کی تشریحوں کرتے ہیں "اس سے مراد پکتھہ پانستو یعنی پٹھانوں کا ملک ہے" پھر آپ ہرداٹوس کے بیان کا حوالہ دیتے ہیں کہ کشپ پورا اور کچھ تو دیس کے لوگ گورے اور سُستہ آریہ تھے جیسے باختر (بلخ) کے باشندے، ایرانی ان کے بھائی بند تھے، اور جنوبی ہند کے باشندوں کو حبشیوں کے مانند سیاہ فام لکھا ہے۔ ہرداٹوس کی بک ٹائیک قوم رگ وید کی پکتھہ کے مشابہ ہے اور یہ آریہ تھی جس کا رنگ گورا تھا اور وہ شایستہ تھی۔ نامی ماہر مرٹاس ولزے ہیگ کی رائے ہے کہ سنہ ۴۰۰ ق م (قبل مسیح) سے پہلے افغانستان سلطنت ایران کا ایک صوبہ تھا جس کے حصے آریہ (ہری رود) باختر (بلخ) درنگیانہ (سبستان) دریائے بلہند کی وادی، ارکوشیا (قندھار) خطہ ہندوکش اور کابل تھے۔ شمال کی طرف ایرانی نسل کے لوگ آباد تھے اور جنوبی اضلاع میں ہندو نسل کے لوگ رہتے تھے، قندھار میں پکتی قوم آباد تھی، اس سے مراد پختن یعنی پشتون ہے۔ افغان اپنے کو اسی نام سے ملقب کرتے اور بکارتے ہیں۔ مولانا سید سلیمان صاحب عرب سیاح و جغرافیہ نویس ابوالحسن علی مسعودی کے حوالہ سے لکھتے ہیں

۱۔ "انشط انڈین کلیم ان افغانستان" ص ۵۵ مطبوعہ ۱۹۲۸ء

۲۔ "لاحظہ ہو" پولیٹیکل جیوگرافی آف انشٹ انڈیا ص ۱۲۳ مصنفہ پروفیسر رائے چودھری ۱۹۲۳ء

۳۔ "انڈیا اینڈ دی ولپٹرن ورلڈ" ص ۱۶-۱۷-۲۱

۴۔ "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" جلد ۷ ص ۲۸۷ مطبوعہ ۱۹۲۹ء

”عجیب بات یہ ہے کہ اس نے قندھار کو ربھوٹا (راجپوتوں) کا ملک بتایا ہے۔“ اور یہ سیاح ۳۲۳ء میں گزرا ہے اور یہ ۱۲۵۰ء کے مطابق ہے۔ مشہور انگریز ماہر ہجر جنرل سر جارج گرے اسٹن کی رائے ہے کہ ”پٹھان لوگوں کی شریعت رواج عام ہے جو راجپوت دستور سے حیرت انگیز مشابہت رکھتا ہے۔۔۔۔۔۔“

پٹھانوں کے ایک گروہ کے سر کی مساحت (۷۴۸) پائی گئی ہے جو ہندوستان کے راجپوتوں کے مساوی اور کسی قوم کے سر کی گولائی سے لگاتار نہیں کھاتی۔“ اس اجمالی بحث سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ رگ وید میں مذکور کچھ قوم جو درہ بولان اور مشرقی کابلستان میں آباد تھیں برادھوس کی ”بک تائیک“ یعنی پکھتو یا پشتون ہیں۔ سر ٹامس ولزسلیک اسے پکتی بیان کرتے ہیں جو علاقہ قندھار میں آباد تھی، مسعودی نے وہاں پر ربھوٹا یعنی راجپوت تسلیم کیا ہے۔ نند ولال ڈسے۔ نامی بنگالی ماہر کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ کبیوج افغانستان کا مترادف ہے، مارکنڈے پران اور منو سمرتی کی رو سے کبیوج سے مراد افغانستان کا شمالی حصہ ہے۔ ممتاز ماہر ڈاکٹر اسٹائن کی سلسلے میں کبیوج سے مراد افغانستان کا مشرقی حصہ ہے۔ مہابھارت کے بیان کی رو سے کبیوج دیس گھوڑوں کے لئے بہت مشہور تھا۔ اور فی زمانہ کابل کے گھوڑے اپنی نرالی خوبی کے لئے ضرب اشل ہیں۔ ہندوکش کی سیاد پوش قوم اسی کبیوج قوم کی اولاد خیال کی جاتی ہے کریئل ولفرڈ کی تحقیقات کے رو سے کبیوج غزنی کے پہاڑ کے ساتھ شمار اور مذکور ہوتا ہے۔ گندھار دریا کے کنارے اور دریائے اٹک کے مابین اور دریائے کابل کے دونوں جانب تھا، اضلاع پشاور، راولپنڈی علاقہ سوات، یوسف زئی کا علاقہ مادی کا علاقہ پزلے گندھار میں شامل تھا۔ کریئل رائسن محقق اشعار قدیمہ کا بیان ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں خطہ اٹک کے گندھاری لوگ قندھار میں جا کر آباد ہو گئے، اس وجہ سے غالباً ابوالحسن علی مسعودی نویں صدی میں قندھار میں راجپوتوں کی آبادی کا ذکر لکھتا ہے۔ اب افغانستان اور افغانان کی اصلیت ملاحظہ ہو۔ افغانستان کا پرانا نام کبیوج ہے جس کا ذکر مہابھارت میں آتا ہے، وہاں کے گھوڑے مشہور تھے۔ افغان کا سنسکرت مترادف آو (اب) گان ہے جس کا ذکر بہت سنگھت میں آتا ہے۔ اشوکان دوسرا لفظ ہے، آشو سے مراد گھوڑا ہے اور گان یونانی مورخ ایرین اشوکان کو اس کا نئی لکھتا ہے جس سے مراد آتش دانگہ ہے۔ اب کا پٹشا کا ذکر ملاحظہ ہو جس کا ذکر یونانی اور لاطینی مورخین کرتے ہیں۔ گشتان اس کا موجودہ محل وقوع قرار دیا گیا ہے جو ہندوکش کے ڈھلوان پر ہے، آپریان سے دس میل جنوب مغرب تھا، اس سے مراد دریائے کابل کے شمالی ملک تھا۔ جو لین لکھتا ہے

۱۷ ”عرب و ہند کے تعلقات“ ص ۳۷

۱۸ ”انٹیکل پیڈیا برائیکہ“ جلد ۱ ص ۲۸۶

کہ پنج خیر اور تچاؤ کا خط کا پشاک تھا، جو کوہستان کی شمالی سرحد ہے۔ طالمی کے بیان کی رو سے کا پشاکابل سے ڈھائی درجے شمال کو تھا۔ سر آر۔ جی۔ بھنڈارکر کی تحقیقات کی رو سے افغانستان کے شمال میں کا پشاک واقع تھا۔ اور گندھار کا صدر تھا، راکسن کی رائے میں افغانستان ہی پرانے زمانہ کا کا پشاک تھا۔ اگر ان مختلف بیانات کو یک جا جمع کیا جائے تو کچھ اور نشیمن کی کیسانیت تسلیم کرنے میں چنداں دقت پیش نہیں آسکتی۔

اب یونانی مورخوں کے بیانات ملاحظہ ہوں، استرابو کا بیان ہے کہ سلطنت ایران کے زلاو یونانی مورخوں کے بیانات۔ بانی قرش (Cyrus) نے جس کا ۵۲۹ ق م میں انتقال ہوا تھا بلوچستان کے رستہ سے ملک ہند پر چڑھائی کی مگر سالانہ لشکر برپا نہ ہو گیا، دوسری مرتبہ وادی کابل سے لشکر کشی کر کے شاندار کامیابی حاصل کی۔ پلاکسی کا بیان ہے کہ قرش نے شہر کا پشاک برپا کر دیا۔ ایرین کا بیان ہے کہ ”اتک کے مغربی خط میں دریائے کابل تک ہندی اقوام آتش و انکھ اور آتش مکہ آباد تھی۔ یہ پرانے زمانہ میں پہلے آسوریہ اور بعد میں مادیہ والوں کی حکومت میں آخر کار قرش کو خراج دینا منظور کر لیا۔ استرابو کا یہ بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایرانیوں نے شدائد قوم کے نوجوانوں کو انعام کا لالچ دیکر اپنے لشکروں میں بھرتی کر لیا، یہ شہزادہ دی قوم ہے جو حملہ سکندر کے وقت موجودہ ملتان کے شمال میں آباد تھی، اس کی ہمسایہ بہادر قوم مالو تھی، دونوں نے سکندر کے دانت کھٹے کئے تھے سکندر کے مہلک زخم لگا تھا۔ آتش و انکھ قوم کا مہاجرت میں ذکر لکھا ہے، نقش رستم میں جہاں دارا (۵۲۹ ق م) میں انتقال ہوا تھا، کا مقبرہ ہے، ایک سنگِ سنگلاخ کتبہ میں گندھارا اور علاقہ آن روئے اتک جسے ہروداٹس ”انڈیا“ پکارنا ہے سلطنت ایران میں شامل تھا، یہ اس کے بیان کی رو سے سب سے دولتمند اور گنجان آباد صوبہ تھا۔ ۲۵۹ سن سونا سالانہ خراج میں جایا کرتا تھا، جب دارا کے بیٹے خشئی یارشا (Xerxes) نے جس نے ۴۸۵ ق م سے ۴۶۵ ق م تک حکومت کی یونان پر فوج کشی کی تو اس کی سپاہ میں گندھارا اور آن روئے اتک کی ہندو فوج بھی شامل تھی۔ تیلخ سلف کا دنیا کا سب سے بڑا محقق جرجن ماہر اٹھوڑڈ ماہر (Meyer) اس کی رائے نہایت قیمتی سمجھی جاتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ قرش نے سن عیسوی سے ساڑھے پانچ سو برس پہلے ہندو کش کے قبائل زیر کئے، پھر وادی کابل کے ہندو قبائل کا گندھاری اور ست گیا دی جنھیں اس زمانہ کے ایرانی اپنی زبان میں تھتہ گو پکار تے تھے مغلوب کئے۔ اس بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھٹی صدی قبل از مسیح میں وادی کابل اور ہندو کش کے خط میں آریہ ہندو اقوام آباد تھیں۔

حملہ سکندر کے وقت کے حالات کے لوگ) آن روے انک کے علاقہ میں سکندر کے حملہ ایشیا (پہلے ایران، پھر افغانستان

دورکستان) کے وقت بھی جو سن عیسوی سے ۳۲۶-۳۲۷ء کا واقعہ ہے وہاں پر ہندو آباد تھے، اور ان کے اپنے سردار اور فرمانہ وائے، جس وقت سکندر نے کابل سے وسطی ایشیا کی طرف کوچ کیا تو ہندو کش میں ایک چھوٹی حکومت ہندوؤں کی تھی جس کا راجہ شش گپت تھا۔ اور ہندو فوجی دستے باختریہ والوں کے حسب طلب ان کی معاونت کے لئے باختریہ میں موجود تھے۔ سکندر شش گپت کو اپنے ہمراہ وسطی ایشیا کو لے گیا اور پھر پنجاب کی لشکر کشی کے وقت بھی اسے اپنے ساتھ ہی لایا۔ اس کا یہ گمان ہو گا کہ اس کے ذریعہ سے ہندوؤں سے معاملہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

اُس وقت پشاور کے شمال کا سارا پہاڑی علاقہ ہندوؤں سے آباد تھا، جن کے اپنے چھوٹے بڑے کئی راجے تھے جنہیں زیر کرنے میں سکندر کو کئی مہینے لگے۔ ان میں قابل ذکر حسب ذیل ہیں جن کا ذکر سکندر کے ہرکاب یونانی حکمائے قلمبند کیا تھا۔

(۱) اسپینی کا ملک۔ یہ دریائے کابل کے شمال میں تھا، اس کا صدر دریاے گنار کے کنارے پر تھا جہاں راجہ مارکراتھا اور دو بڑے شہر بھی تھے جن کے نام اندکہ اور ارگٹم تھے۔

(۲) گرائین کالراج۔ یہ دریائے پنج کوہ کی سرزمین میں اسپینی اور آتش مکہ کے درمیان واقع تھا۔

(۳) آتش مکہ کی حکومت۔ اس کی راجدھانی مساکہ (مراغہ) تھا جس کا قلعہ بہت مستحکم تھا جو ٹاکند کے درو کے قریب تھا۔ آتش وک یا آتش مکہ قوم کا ذکر باختری نے لکھا ہے۔ اس کا ایک گردہ دکن میں بھی تھا جس کی مشہور اشکہ مہاجن پرمشہور ہے۔ راجہ اشکہ کے پاس بیس ہزار سالہ تیس ہزار پیدل اور تیس ہاتھی تھے، اس نے سکند کا بہادری سے مقابلہ کیا مگر تین چار روز بعد مارا گیا، تورانی نے ناامید ہو کر سکندر سے صلح کی درخواست کی، ہزارہ کے علاقہ کے کئی ہزار جوان انعام کی لالچ سے راجہ مساکہ کے پاس لڑنے کو جمع تھے، سکندر نے انہیں لالچ دیا کہ ہمارے ساتھ چلو، انہوں نے پہلے آمادگی ظاہر کی پھر خیال آیا کہ اپنے بھائی بندوں سے لڑنا دھرم نہیں ہے چنانچہ رات کو کھسک جانے کی صلاح ٹھہری جس کا سکندر کو پتہ لگ گیا، پندرہ بیس ہزار سپاہیوں نے ان کا کپ گھیر لیا خوب گھمسان کا معرکہ ہوا، جب کوئی مرد مرنا تو اس کی عورت اس کے ہتھیارے کر لڑتی جس سے یونانیوں کے چھٹے چھوٹ گئے۔

(۴) پس کلاوتی کالراج۔ جہاں اب چارسدہ ہے وہاں پر اس حکومت کا صدر تھا، سکندر کے وقت راجہ ہستی حکومت کرتا تھا، سکندر کے ایک لشکر سے خوب لڑا مگر مارا گیا۔

اس مختصر بیان سے واضح ہے کہ سکندر کے وقت ہندو کش سے لیکر پشاور تک ہندو قومیں آباد تھیں یونانیوں نے وزیرستان وغیرہ کا حال نہیں لکھا ہے کیونکہ وہ ادھر نہیں گئے، مگر گمان غالب ہے کہ اس ملک میں اور اُس سے آگے غزنی وغیرہ کے علاقے میں وہی پُرانے کردہ آباد تھے جو دو سو سال پہلے سے شاہ ایران کو خراج دیا کرتے تھے اور ان میں کچھ قوم بھی تھی۔

عظیم الشان سکندر دل شکستہ ہو کر ہلم کے دریائی راستہ سے سندھ پہنچا اور وہاں سے مکران کے راستہ سے سلطنت موریہ (ایران) سے ملحقہ ق م میں چلا گیا۔ اور ۳۲۵ ق م میں شہر بابل میں مر گیا۔ وہ سندھ سے چلا ہی تھا کہ اقوام و سرداران کا زبردست جتھا وزیر چندر گپت موریہ کی کوشش اور ہوشیاری سے مرتب ہو گیا۔ جس نے سکندر کے واسطوں کو جو بیاس سے لیکر پشاور تک مع زبردست یونانی سپاہ کے تعینات تھے جنگ آلامی کا اعلان کر دیا۔ واضح ہو کہ مفتوحہ ملک پنجاب کے انتظام اور یونانی تسلط کے قیام کے لئے سکندر نے اپنے نہایت ہوشیار دلاور اور آزمودہ کار جرنیل اور آزمودہ کار یونانی سپاہ کا بھاری لشکر تعینات کر دیا تھا، جنگ شروع ہوئی، ہر میدان میں یونانی جرنیل شکست کھاتے رہے، چندر گپت نے نہریت پر نہریت دس کر یونانی سپاہ کا ستیاناس کر دیا، انھوں نے اطاعت قبول کر کے جان بچائی، اس طرح پر سکندر کا کام دو سال ڈیڑھ سال میں سرانجام ہوا تھا، دلاور چندر گپت نے جس کی عمر میں بائیس سال سے زیادہ نہ تھی اتنے ہی عرصہ میں خاک میں ملا دیا، شاندار یونانی سلطنت نقش بر آب ثابت ہوئی، آخر کار چندر گپت بیاس سے لیکر پشاور تک فرمانروا ہو گیا۔ بعد میں اس نے مگدھ کے مہاراجہ پر دم زند کو سخت معرکہ میں شکست فاش دی جس میں اُس زمانہ کا سب سے بڑا ہندو فرمانروا کام آیا اور چندر گپت عظیم سلطنت مگدھ کا جو بہتر سے لیکر الہ آباد تک ادھر مالہ کے واس سے لیکر بندھیا چل تک پھیلی ہوئی تھی تاجدار بن گیا، زندا کی بھاری فوج اور بے قیاس دولت جس کے لئے وہ بہت ہی مشہور تھا چندر گپت کے ہاتھ آئی، پھر اس نے رنتہ رنتہ اپنی سلطنت مغرب میں گجرات کاٹھیاواڑ اور سندھ تک پھیلائی اور جنوب میں ریاست میسور کے شمالی اضلاع تک اپنا تسلط بٹھالیا۔ چندر گپت اعظم صرف فاتح ہی نہ تھا بلکہ وہ بڑا عجیب غریب منتظم بھی تھا، خوش قسمتی سے اُسے چانک کوٹلیہ ایسا عالی دماغ و وزیر اعظم مل گیا تھا جو ہندو فن حکومت کا سب سے بڑا استاد سمجھا جاتا ہے۔ موجودہ نظام حکومت چندر گپت کے نظم و نسق کی ہو ہو نقل ہے۔ مغربی محقق اسے ”بہت پیچیدہ منظم کی دفتر شاہی حکومت“ بتاتے ہیں۔ ملک کے چاروں طرف سڑکیں تھیں جو پشاور سے برہمپور اور کوشان بی (الہ آباد کے قریب) سے سندھ، گجرات اور دکن کی طرف جاتی تھیں، دونوں طرف درخت، جا بجا کنوئیں اور سرائیں تھیں، چورائیلو پر تختے لگے ہوئے تھے جن پر مختلف مقامات کے نام اور فاصلے درج تھے اور سڑکوں پر کوسوں کے نشانات تھے

مردم شماری، خانہ شماری، خسر و گرداوری اور حسیط ملکیت مکانات (تقیبات اور شہروں کے لئے) محصول کی چنگیاں، مسافروں کی نگرانی اور جاسوس اور بیسوں باتیں تھیں جن کا تفصیلی ذکر کسی اور موقع کے لئے اٹھائے رکھتے ہیں۔

سکندر کے مرنے کے بعد اس کے ایشیائی مقبوضات پر اس کے جرنیل قابض ہو گئے، افغانستان اور بلوچستان تک اُن میں تقسیم ہو گیا، سلیوکس نے بابل لے لیا اور آسوریہ کے یونانی حریفین سے معرکے شروع کر دیے۔ ۳۱۳ ق۔ م میں وہ شہنشاہ بن گیا تو فوراً پنجاب پر از سر نو یونانی تسلط بٹھانے کی کوشش شروع کر دی، چار پانچ سال کی تیاریوں کے بعد ۳۱۲ ق۔ م میں بہت بھاری لشکروں اور سامانوں کے ساتھ کوچ کا حکم دے دیا۔ مہر تک کی فوجیں اور حکمرانان یونانی اس کے ہم کاب تھے۔ ۳۱۲ ق۔ م میں وہ جہلم کے کنارے اسی جگہ غمیزن ہوا جہاں مئی ۳۱۲ ق۔ م میں سکندر نے ڈیرے ڈالے تھے، کیونکہ سلیوکس کا منشا سکندر کی طرح شاندار فتح حاصل کر کے پنجاب کو یونانی حکومت میں شامل کرنے کا تھا، ادھر چندر گپت اعظم تھا جو یونانی دھاوے کی اہمیت سے خوب آگاہ تھا، اُس نے ہر قسم کی سپاہ اور سامان عین اسی میدان میں جمع کر دیے جہاں پورے مٹی بھر فوج سکندر کی فراہمیت کے لئے تعینات کی گئی تھی۔ یونانی بیان کی رو سے چندر گپت کی ہر قسم کی چھ لاکھ فوج تھی، معرکے شروع ہوئے، سلیوکس کے منصوبے برباد ہو گئے، جب کامیابی کی امید نہ دیکھی تو صلح کی استعداد کا، چندر گپت رضا مند ہو گیا، سلیوکس نے افغانستان اور بلوچستان سلطنت موریہ سے ملحق کر دیا اور اس کے علاوہ اپنی بیٹی بھی چندر گپت کو بیاہ دی۔ یہ معاہدہ ۳۱۳ ق۔ م میں طے پایا تھا جس کے باعث سلطنت موریہ کی حد ہندو کش کے جنوبی ڈھلوان سے لیکر ہرات، ہری رود اور سیستان تک جا پہنچی۔ نئے علاقوں میں چندر گپت اعظم نے اپنے والسرائے اور گورنر مقرر کر دیے، کوئی سو سال تک موریہ کی حکومت رہی۔

یونانی مورخ پولی بیوس کا بیان ہے کہ ۳۱۲ ق۔ م میں کابل میں راجہ سوہجاگ سین حکمران تھا، جس سے ملنے کو انطیا کس اعظم آیا تھا۔ یونانی حملہ اس سے کچھ عرصہ بعد ہوا تھا جس سے افغانستان پر باختریہ کے یونانی تاجدار کا تسلط جم گیا اور دیر تک رہا، مگر ہندو شستگی کا اثر کوہستان ہندو کش تک بدستور سابق رہا۔ اس زمانہ کے یونانی سکے جو برآمد ہوئے ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ باختریہ کے حکمران خالص یونانی سکے مضروب کرتے تھے۔ مگر جب وادی کابل اور قندھار اور گندھار پر دم طریاس کا پورا قبضہ ہو گیا تو سکے کے ایک طرف یونانی اور دوسری خروشتی خطا میں پراکرت ہوتی تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں پراکرت بولنے اور جاننے والے ہندو لوگ آباد تھے۔ مگر دو یونانی تاجداروں (ینطیلیاس اور اگستہ ٹلس) نے ٹھیکہ ہندی

نمونے کے سکے رائج کئے جو مہلج نہ تھے۔ اور ان پر براہمی حروف کندہ تھے۔ افغانستان کے مختلف حصوں سے یہ سکے برآمد ہوئے ہیں جس سے یونانی سلطنت کی وسعت ظاہر ہوتی ہے۔ قندھار بھی یونانیوں ہی کے زیر نگیں تھا۔ اگر قتی دس نے ایک تانبہ کا سکہ رائج کیا تھا جس کے ایک طرف خروشتی حروف میں "کاوشنے نگر دیوتا" کندہ ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ اُس زمانے میں پراکرت بولنے والے لوگ وادی کابل اور علاقہ سرحد اور گندھار و کاپشایں آباد تھے۔

اس کے بعد سدی قوم آئی جس کا بڑا نامی بادشاہ موگہ تھا، پھر پارسی قوم آئی جس کا سیستان اور قندھار پر قبضہ ہو گیا۔ ۳۳۰ء میں کشان قوم کے مختلف گروہ ہندوکش سے گزر کر آئے اور کابل اور قندھار پر قبضہ والوں سے چھین لیے۔ کدفس ثانی نے پنجاب چھوڑ کر ہارس تک ہندوستان زیر کر لیا، کشک کے زمانہ میں کشان قوم کا عروج انتہائی درجہ پر پہنچ گیا جس میں کشمیر کے علاوہ کاشغر اور یار قند اور ختن کے علاقے بھی شامل تھے کشک نے بدھ مت قبول کر کے اس کی اشاعت کے لئے بڑی کوشش کی۔ تمام علاقہ سرحد جہاں اب شورہ پشت آزاد قبائل رہتے ہیں بدھ مت کا پیرو ہو گیا۔ افغانستان اور ترکستان کے علاوہ مشرقی ایشیا تک جا پہنچا، اس نے افغانستان میں لوپ اور ہار تعمیر کر کے جواب تک اس ملک میں کئی جگہ موجود ہیں۔ بالائی وادی کابل میں جو لوپ ہیں ان میں سے بھوج پتر کی پرانی تحریریں برآمد ہوئی ہیں، جن کی زبان پراکرت اور رسم الخط خروشتی ہے، ترکستان کے صحرا سے سنسکرت نسخے گیتا کے زمانہ کے رسم الخط میں اور پراکرت کے خروشتی حروف میں دستیاب ہو چکے ہیں۔ سین عیسوی کی ابتدائی صدیوں کے کتبوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغانستان کی پراکرت اور ختن کی خروشتی رسم الخط کی زبان ایک ہی ہے وادی قرم سے بھی ایک کتبہ برآمد ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہاں پر بھی پراکرت کا رواج تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں ہندوستان کی سرحد بہت وسیع ہو گئی تھی۔ قریش اور اُس کے جانشینوں کے زمانہ میں گندھار یعنی پشتاور کے مشرق اور شمال کا علاقہ خطہ آن روئے ملک سے بالکل جدا تھا۔ گس تھینر کے بیان کا تتبع کر کے استرابو اور ایرین نے ملک ہند کی سرحد ایک قرار دی تھی مگر دوسری صدی مسیح میں طالمی یونانی سیاح جغرافیہ لکھتا ہے کہ ہند کی مغربی سرحد پر کابل، قندھار اور بلوچستان ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ تمام موجودہ علاقہ سرحد ملک ہند میں شامل تھا، اور طالمی کے بیان کی چینی جاہری ہینون لینگ نے جو ساتویں صدی میں آیا تھا اپنے بیان سے تائید کر دی ہے، اور نویں صدی میں نگر نادر (جلال آباد) اتر اچھ کا سہرا قرار دیا گیا تھا

۱۵ ملاحظہ ہو "انٹن انڈین کلچر ان افغانستان" ص ۲۷

بودھ آثار قدامت بودھ مت کی قبولیت کے سبب سے افغانستان میں ہزاروں ٹوپ اور دھار تعمیر ہوئے تھے، اور یہ سب زیادہ تر اس بڑی سڑک کے آس پاس پائے جاتے ہیں جو شمال مغربی ہند اور وادی کابل کے درمیان تھی اور ہندوکش سے ہو کر مغربی اور مشرقی ایشیا کو جاتی تھی۔ جلال آباد، ننگرہار کے میدان میں اتنے ٹوپ اور دھار ہیں کہ ان کا بیان محال ہے۔ کوہستان کابل میں پرانی شاہراہ سے کچھ دور اور ایک پرانے بودھ شہر کے نشانات نظر آتے ہیں جو سیہ توپان، کامری اور شیو کی کے محلات و قلعے میں منتشر ہیں۔ کاپشاک کی وادی میں بھی ایک مٹھ کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ وادی بامیان ہندوکش اور کوہ بابا کے مابین واقع ہے۔ وہاں پر بے شمار گچھائیں ہیں اور مہاتما بودھ کی سنگلاخ کوہ پیکور تیاں ہیں، چھوٹی بنیتیں چالینس گز اور بڑی پچاس ساٹھ گز اونچی ناپی گئی ہیں۔ ان کی صنعت کاری قابل تعریف سمجھی جاتی ہے، البتہ انھوں نے سترھویں صدی میں ان کا شمار بارہ ہزار لکھا تھا جس سے ظاہر ہے کہ وہاں پر بودھ لوگوں کا کتنا بڑا زور تھا۔ بامیان میں رنگین تصاویر حجروں کے اندر پائی جاتی ہیں جیسے اجنٹا میں ہیں۔ پرانے زمانہ میں یہ مقام بڑا مقدس سمجھا جاتا تھا، ہزار ہا جاتی ترکستان مشرقی، بخارا، بلخ اور دیگر ملکوں سے وہاں آتے تھے افغانستان ترکستان کے اندر بھی ٹوپ وغیرہ پرانی عمارتیں پائی جاتی ہیں چھٹی صدی میں وحشت کے شدید ہونے لگے، ساتویں صدی میں ترکی شاہیہ کابل میں تسلط ہو گیا جسے نویں صدی میں ہندوؤں نے زیر کر کے اپنی حکومت قائم کر لی، اس کا کچھ مدت زور رہا مگر سبکتگین نے کابل کے ہندو راج کو مٹا دیا، ساتویں صدی میں مغربی افغانستان نے اسلام قبول کر لیا اور سلطنت خلیفہ میں ملحق ہو گیا، مگر کابل جو ترکی شاہیہ اور ہندو شاہیہ کے ماتحت تھا اسلام سے دیر تک متاثر نہ ہوا۔

ڈاکٹر گھوشال کا بیان ہے کہ بلخ میں ویسے تو سو کے قریب بودھ مٹھ تھے مگر نو دھار (نوہار) بہت ہی بڑا تھا جسے مسلمانوں نے برباد کیا تھا، اس کے پجاری تبرکات نے اسلام قبول کر لیا پھر وہ خلیفہ کا وزیر بن گیا، البرامکہ خاندان کا اقتدار بہت شاندار سمجھا جاتا ہے۔ کاپشاک میں سو مٹھ تھے جن میں چھ ہزار بھکشور رہتے تھے۔ لہذا کہ اور ننگرہار اور گندھار کا راجہ قوم کا کشتری مگر بودھ مت کا بڑا بھاری حامی تھا، کابل کا ہندو شاہیہ فرمانروا، گندھار، اویان اور پنجاب کے شمالی خطہ پر حکومت کرتا تھا گویا خیبر کے شمال کا سارا پہاڑی ملک جس میں سموات، دیر، چترال وغیرہ کی ریاستیں ہیں اس کے زیرِ نگیں تھا۔ ڈاکٹر گھوشال لکھتے ہیں کہ پاشائی زبان جو اب دریائے کابل کے شمالی علاقہ ہی میں محدود ہے ایسی زبانوں میں بہت بلند مرتبہ پر شمار ہوتی ہے۔ اگلے وقتوں میں اس وادی کے بالائی اور درمیانی حصے میں بہت مقبول تھی۔ شمال مشرقی افغانستان کی کافر لویاں جن پر شمال مغربی سرحد کی قوموں

کے راہ و رسم کا بہت اثر پڑا ہے ہندی اصل سمجھی جاسکتی ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق ایرانی زبان سے نہیں بلکہ ملک ہند کی زبانوں سے ہے۔

اس بحث سے ظاہر ہے کہ نہایت پرانے زمانہ میں افغانستان میں کون لوگ آباد تھے، رگ وید سے واضح ہے کہ آریہ، بھلانہ اور گندھاری اور کچھ قومیں جو آریہ تھیں اس ملک کے مشرقی، وسطی اور جنوبی خطہ میں آباد تھیں۔ شوروہ پشت قبائل کا علاقہ بھی آریہ قوموں سے آباد تھا، اور ملک ہندوستانی کا ضروری حصہ شمار ہوتا تھا۔ گویا ظہور اسلام سے ہزار ہا سال پہلے افغانستان میں ہندو آریہ رہتے تھے۔ شمال مغرب یعنی باختر میں ایرانی آباد تھے۔ اسلام کا ظہور نویں دسویں صدی میں مشرقی حصوں میں ہوا تھا۔ سرحد اور افغانستان کے موجودہ باشندوں کا بڑا حصہ ان ہی پرانے آریہ لوگوں کی نسل سے ہے۔

بہترین انسان

میں نے ایک بھلدار درخت کو دیکھا اس کی شاخیں بارے تھکی ہوئی تھیں اور بشمار خوشنما پرندے اُن پر بیٹھ کر بھلوں کو کھا رہے تھے اور خوشی سے چہرہ ہنس رہے تھے۔

درخت کے نیچے چند بوڑھے اور نوجوان بچے بھی تھے جو بھلوں کو لکڑی اور پتھروں سے توڑ رہے تھے۔

میں نے درخت سے کہا کہ اے درخت یہ لوگ اس بیدادی سے تجھے لکڑی پتھروں سے مار رہے ہیں اگر تجھے تین بھل نہ لگتے تو اچھا ہوتا۔

درخت نے کہا کہ اے بندہ خدا یہ لوگ صرف اسی پر بس نہ کریں گے بلکہ جب میرے پھل ختم ہو جائیں گے تو مجھے کاٹ کر آگ میں جھونک دینگے۔ لیکن میں ہوں کہ ان سب مصائب پر شکر کرتا ہوں۔ تو نے مجھ سے مہربانی کی باتیں کی ہیں اس لئے میں تجھے بعض ایسی باتیں بتاتا ہوں جو آج تک میں نے کسی نہیں بتائیں۔ خدائے مجھ اس لئے پیدا کیا ہے کہ انسان مجھے دیکھ کر سبق حاصل کرے، یعنی جب ہمارے پاس کچھ ہوگا تو بہت سے لوگ ہمارے عزیز و اقارب بن جائیں گے اور اگر کچھ نہ ہوگا تو بچاؤ بھی بیگانے بن جائیں گے۔ جس طرح میں کچھ عرصہ تک پھل دیکر فنا ہو جاتا ہوں اُسی طرح دنیا بھی کچھ عرصہ کے بعد فنا ہو جائیگی۔ جس طرح میں لوگوں کو باوجود اُن کی بدسلوکی کے لذیذ پھل دیتا ہوں اسی طرح تم کو چاہیئے کہ اگر لوگ تم سے بدسلوکی بھی کریں تو تم اُن کو نفع پہنچاؤ۔ کیونکہ بہترین انسان وہی ہے جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔

جکا ہوں، اب دل میں سو اے یاد رنگاں کے کوئی آرزو باقی نہیں، میرے بہت سے رفیق اور عزیز اس دنیا سے مجھے تنہا چھوڑ کر چل بسے اور ہر چلنے والا میرے دل کو پاش پاش کر گیا

لختے برد از دل کرود ہر کہ نہ پیشم من قاش فروش دل صد پارہ خولیشم
لیکن مجھے قوی امید ہے کہ گو میں اس سماج کی آئینہ ترقی دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہوں لیکن چونکہ یہ سماج نہایت قابلِ عمدہ داروں کے ہاتھ میں ہے اس کی روز افزوں ترقی ہوگی صبح

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آیین باد

افسوس اس کے دو ہی برس بعد بابو انند سروپ اس دنیا سے کوچ کر گئے اور جن کی طرف انھوں نے اشارہ کیا ہے اُن میں سے بھی کئی

کمر باندھے ہوئے چلنے کو اب تیار بیٹھے ہیں

جہاں بابو انند سروپ کی یہ کوشش تھی کہ سماج کے کاموں میں پبلک کو کسی شکایت کا موقع نہ ملے وہاں وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ خواہ مخواہ حکام کو بھی کسی شکایت کا موقع نہ دیا جائے لیکن کبھی انھوں نے کسی کی خوشامد یا خوشنودی مزاج کی خاطر اصول کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ ایک مرتبہ جب سماج کا کلر گیر تین مسٹر تھوے کلر کا پنور نے روک دیا تھا تو انھوں نے اس وقت تک چین نہیں لیا جب تک صوبہ کے لفٹنٹ گورنر سے کلکٹر کا پنور کا حکم منسوخ نہیں کر لیا۔ ایک دفعہ وہ اور نشی دہی پر شاد کر اسٹیشن چچ کا بچ کے احاطہ سے ایک کالیقہ خانہ کو بچا لائے تھے جو عیسائی ہونے والا تھا، اور اس طرح اُن کو اپنے آبائی دھرم میں قائم رکھا۔ ۱۹۷۱ء میں جب لالہ لاجپت رائے بھلا وطن سکے گئے تھے تو آریہ سماج کا پنور ہی پہلا سماج تھا جس نے سب سے پہلے ایک پبلک جلسہ میں صدرانے احتجاجِ بلن کی تھی اور اُس موقع پر جو زبردست تقریر بابو انند سروپ نے کی تھی وہ بڑے معرکہ کی تھی، یہ وہ وقت تھا جبکہ پنجاب کی سماجیں اس قسم کی کارروائی کرنے میں پس و پیش کرتی تھیں۔ آریہ سماج اور اس کے انسٹی ٹیوشنوں کے ساتھ اولن کی دلچسپی آخر وقت تک قائم رہی، اور اپنی آخری علالت کے زمانہ میں بھی جو سٹاٹھے تین برس سے کچھ زائد عرصہ تک رہی سماج کے ہر کام میں وہ بڑی سرگرمی کا اظہار کرتے رہے اور اپنی صائب رائے و مفید مشورہ سے فائدہ پہونچاتے رہے۔ پنجاب کے بعض برگزیدہ آریہ سماجی لیڈر اُن کو یو۔ پی۔ کال چند کہا کرتے تھے یعنی جس طرح جسٹس لال چند ایم۔ اے پرسیڈنٹ کالج سوسائٹی لاہور پنجاب میں اپنی اعلیٰ دماغی قابلیت کے لحاظ سے ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے وہی درجہ بابو انند سروپ کو صوبہ متحدہ میں حاصل تھا۔

رفاہ عام سوشل رفاہ و دیگر خدمات | رفاہ عام اور سوشل رفاہ کے کاموں میں بابو انند سروپ کو بڑی دلچسپی تھی

چنانچہ جب کانپور میں مشاعرے میں رفاه عام ایسوسی ایشن پنڈت پر تھی ناتھ و دیگر اصحاب کی کوشش سے قائم کی گئی تو منشی شیام لال اُس کے پریسیڈنٹ اور بالو اندسروپ اُس کے سکرٹری مقرر کئے گئے۔ کانپور کا ہندو یتیم خانہ، بالکا ودیالہ، پر تھی ناتھ اسکول، کادل پاٹھ شالہ، ایجوکیشن کمیٹی میونسپل بورڈ، ہندو سبھا کالیستہ سبھا بدھو آشرم وغیرہ کانپور کا ہر ایک انسٹی ٹیوشن جس کی عرض رفاه یا سوشل اصلاح یا ترقی تعلیم ہے بالو اندسروپ کی خدمات کا زیر بار احسان ہے۔ تعلیم نسواں، بدھو اباد، اچھوٹا اودھار، شدھی و سنگٹھن وغیرہ تحریکوں کے وہ زبردست حامی تھے اور اُن میں ہمیشہ سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ میونسپل بورڈ کے ممبر کی حیثیت سے بھی جو خدمات انھوں نے شہر کانپور کی انجام دیں اُس کا اعتراف پبلک اور گورنمنٹ دونوں طرف سے ہوا، بورڈ نوٹور کے بانی لازماً انھیں کے مرتب کئے ہوئے ہیں جو ماڈل بانی لازم تصور کئے جاتے ہیں۔ موجودہ میونسپل ایکٹ کے متعلق آپ نے ایک معرکہ الارا نوٹ لکھا تھا جس کی گورنمنٹ اور رعایا دونوں نے بڑی قدر کی۔ کانپور میونسپل بورڈ کی تعلیمی کمیٹی کے پیرین کی حیثیت سے آپ نے کانپور میں ابتدائی تعلیم کی توسیع میں بڑی کوشش کی اور اس صوبہ میں پہلا شہر تھا جس میں بالو صاحب کی تحریک اور توجہ سے جبرہ ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا۔ انھیں پبلک خدمات کے سلسلہ میں گورنمنٹ نے اُن کو رٹے جادو کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

پائیکس | بالو اندسروپ پائیکس میں لبرل خیالات کے حامی تھے، وہ طبعاً ہی انتہا پسندی کے خلاف راہ کرتے تھے۔ اُن کی طبیعت کا رجحان ہمیشہ اعتدال کی طرف تھا۔ ہندوؤں کے جائز حقوق کے تحفظ کا اُن کو بڑا خیال رہتا تھا چنانچہ جب کونسل میں جانگیر آبادی ترمیم پیش کی گئی جس کی رو سے میونسپل بورڈ وغیرہ لوکل باڈیز میں مسلمانوں کو جداگانہ نمائندگی کا حق دیا گیا تو انھوں نے اُس کی بڑی مخالفت کی تھی اور اس کے متعلق کانپور کے ایک پبلک جلسہ میں زبردست تقریر کی تھی جس کو اخبار لیڈر الہ آباد کے قابل اڈیٹر مسٹر چیتنامنی نے شائع کر کے عوام میں تقسیم کیا تھا۔ وہ صوبہ کی کونسل میں تقریبات ہر س تک پہلے نامزد و لچد کو منتخب شدہ ممبر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ جبرہ ابتدائی تعلیم کے قانون کا مسودہ انھیں نے کونسل میں پیش کر کے منظور کرایا تھا۔ کونسل کی مختلف سب کمیٹیوں میں انھوں نے ہمیشہ نہایت قابلیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ وہ کونسل کے پہلے ڈپٹی پریسیڈنٹ منتخب کئے گئے اور اس عہدہ کے فرائض بھی انھوں نے بڑی خوبی سے انجام دیئے۔ بقول مسٹر چیتنامنی اڈیٹر لیڈر ان کے دوست اور مددگار بھی اُن کی اس واقفیت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے تھے جو وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران میں برٹش پارلیمنٹ کے عملدرآمد کے متعلق ظاہر کیا کرتے تھے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اگر بالو اندسروپ کونسل میں پہلے غیر سرکاری پریسیڈنٹ کے انتخاب کے وقت ممبر ہوتے تو وہی اُس کے پہلے پریسیڈنٹ بھی منتخب کئے جاتے۔

شاعری [نشئی شام لال وکیل کو شاعری کا بھی شوق تھا، انہوں نے وکالت کا امتحان دیتے وقت کئی قانون نظم کروائے تھے، ان کے یہاں شام کو اکثر شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا جس کا اثر بابا انند سروپ پر بھی پڑا اور وہ بھی کبھی کبھی اشعار کہنے لگے، ان کا تخلص یاس تھا، انہوں نے دو منظوم رسالے "نالہ دل" اور "سرمہ چشم" بھی لکھے جو بہت دلچسپ اور پراثر ہیں۔ ایک مرتبہ نشئی کرشن سہاسے صاحب و حتمی جو کاپور کے ایک مشہور شاعر ہیں اپنے یہاں ایک بزم مشاعرہ منعقد کی۔ بابا انند سروپ کو بھی انہوں نے خاص طور پر مدعو کیا تھا، مصرعہ طرح حسب ذیل تھا

رہنما آج مری لغزشیں مستانہ ہے

مشاعرہ سے کچھ دیر قبل ہی بابا صاحب نے چند اشعار موزوں کہئے جو حاضرین کی ضیافت طبع کے لئے دج ذیل ہیں :-

دل ہی چاہتا ہے بزم میں پہنچوں لیکن رہنما آج مری لغزشیں مستانہ ہے
کون ہوتا ہے رفیق اس سفر ہستی میں ہم قدم اپنا یہ درد دل دیوانہ ہے
بزم رنداں میں جو جانا تو ادب سے جانا ایک شیشے میں بھری حرمت بیخاں ہے
کبھی کبھی وہ فارسی میں بھی شعر کہا کرتے تھے، ذیل میں اُن کے فارسی اشعار کا نمونہ ملاحظہ ہو :-

دیدہ را بر لوبک مژگاں میں نہم سخت دل را بر ننگدال میں نہم
از دہان زہنہاے بے شمار خندہ بر خارِ مغیلاں میں نہم
از فرا موشی اہل کان پور نشتر غم بر رگِ جاں میں نہم
تا کنم بیدار مست خواب را نالہ با مرغِ سحر خواں میں نہم
یاس چوں سختم نمی شنود کسے بادلِ منظوم دستال میں نہم

عادات و اطوار | بابا انند سروپ میں قدرت نے بہت سے اوصاف جمع کر دیے تھے، اُن کا مزاج سنجیدہ واقع ہوا تھا، طبیعت سادگی پسند تھی، تکلف و تصنع کو مطلق دخل نہ تھا۔ بقول نشئی دیا ز این صاحب اڈیر زمانہ اُن کا مزاج بناوٹ اور خوشامد سے کوسوں دور تھا اور اعلیٰ درجہ کی خود داری اور دیانت داری اُن کی طبیعت ثانی بن گئی تھی۔ ہر معاملہ کے متعلق وہ کافی غور و فکر کے بعد رائے قائم کرتے تھے اور کسی کام میں وہ زیادہ عجلت کو پسند نہ کرتے تھے، ہر کام کو قاعدہ کے ساتھ انجام دینے کے عادی تھے۔ چنانچہ کھانے پینے کے معاملہ میں بھی وہ ہمیشہ وقت مقررہ کی پابندی کیا کرتے تھے اور ناوقت کوئی چیز نہیں کھاتے تھے جس کام کو وہ ایک دفعہ شروع کرتے تھے اُس کے درمیان میں دوسرا کام نہیں اٹھاتے تھے، حصہ تو انہیں آتا ہی تھا

اعتدال پسندی ان کی طبیعت کا خاصہ تھا، بلکہ معاملات کے متعلق کسی دفعہ ایسے اصحاب نے ان کی مخالفت کی جن سے ان کو مخالفت کی توقع نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان اصحاب کے ساتھ بھی ان کے تعلقات برابر دوستانہ رہے۔ استقلال ان کی ذات کا جوہر تھا اور سخت مخالفت اور جانناہ موقعوں کے وقت بھی بڑے صبر و تحمل سے کام لیتے تھے اور ان کی آخری طویل علالت میں بھی انھوں نے بڑی مستقل مزاجی سے کام لیا۔ کانپور میں ان کی ذات ایک ایسی ذات تھی جس پر اہل شہر کو بڑا اعتماد اور بھروسہ تھا اور ان کی وفات سے جو ۱۸ نومبر ۱۹۳۲ء کو واقع ہوئی کانپور و نیز صوبہ متحدہ کو جو نقصان عظیم پہنچا اس کی تلافی مشکل ہے۔

زیریں اقوال

- (۱) انسان اپنی فطرت کو مشکل بدلتا ہے، اگر بوجی کو بادشاہ بنا دو تو بھی وہ اپنے پیشہ کو نہیں چھوڑے گا
- (۲) جسمانی اور دماغی اصلاح لازم و ملزوم ہیں، دونوں الگ الگ نہیں ہو سکتیں۔ اگر ایک سے غفلت کرو تو دوسری خراب ہو جائیگی (واشنگٹن)
- (۳) انسان دھرم کو کبھی ترک نہ کرے، نہ کسی آرزو، نہ خوف، نہ لالچ اور نہ جان کی خاطر۔ سکھ دھم چند روزہ ہے۔ دھرم ہمیشہ ہے اسلئے دھرم کی پابندی لازم ہے۔ (مہا بھارت)
- (۴) جو شخص غصہ کو پی جاتا ہے، خدا قیامت میں اُسے عذاب سے بچا لیتا ہے اور جو خدا سے معذرت کرتا ہے خدا اُس کی معذرت قبول کر لیتا ہے۔ (پیغمبر اسلام)
- (۵) ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بھی کمال کو پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ مصروفیت کو صلاحیت اور طاقت کے اندر محدود رکھے (وکیلہ)
- (۶) مصیبت کے وقت رونا فصول ہے بلکہ ایسی کوششیں کرنی چاہیئے کہ مصیبت دور ہو (سقراط)
- (۷) انسان کی روح سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کی پوری طاقت رکھتی ہے۔ (سوامی دیانند)
- (۸) دوسروں کا اعتماد کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر دنیا کے کام نہیں چلتے۔ (ٹینی سن)
- (۹) انسان کو اپنی ذاتی بھلائی یا نجات کی اتنی خواہش نہیں کرنی چاہیئے جتنی کہ ہر جگہ اور ہمیشہ تمام دنیا کی بھلائی اور نجات کی کوشش کرنی چاہیئے۔ (مہاتما بدھ)

میری شہسواری

(از مرزا عظیم بیگ چغتائی، جی۔ اے۔ ایل ایل۔ جی)

حاجت پر حاجت تو میری ملاحظہ ہو! میری شادی کو شکل سے بیس پچیس ہی روز ہوئے ہونگے کہ مہر میں آیا تو خانم نے اپنی دانست میں ایک عجیب واقعہ سنایا، کہ ایک دفعہ ایک نہایت شیر گھوڑا آیا جس پر کسی سے چڑھا نہ گیا، بھائی صاحب نے کہا کہ ہم چڑھیں گے اور کوشش بھی انھوں نے بہت کی مگر کامیاب نہ ہوئے بالآخر اس کو ایک چھوترے کے پاس لاکر خراب سے زمین پر پھاند پڑے لیکن گھوڑے نے جوٹا پس ماریں تو بس دیکھتے ہی بنا، الف ہو گیا، بل کھائے، دو لیتاں چلائیں، چرخ کھایا اور کیا کیا تملایا ہے کہ خدا کی پناہ مگر بھائی صاحب نے اُسے نہ چھوڑا۔ دیکھنے والے اُن کی شہسواری کو دیکھ کے واہ واہ کرنے لگے۔ بالآخر بجلی کی طرح وہ ایک دم سے بنگلہ کی دیوار کو دگیا اور انھیں ایسا لے بھاگا کہ لوگ گھبرا اٹھے کہ خدا معلوم کہاں لیجا کر پھینکے، غرض سب کے ہرے نق تھے۔ بھائی جان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، مافی اماں سر پر کڑ کر بیٹھ گئیں البتہ والد صاحب کھڑے رہے تھے کہ ایک آدھ گھنٹہ بعد کیا دیکھتے ہیں کہ بھائی صاحب ہنستے ہوئے چلے آ رہے ہیں، گھوڑے کو انھوں نے بالکل شکل کر دیا تھا۔

میں کیا عرض کروں کہ خانم نے شہسواری کی یہ کیفیت کس طرح بیان کی، میرا دل کڑھنے لگا کہ ہائے میں بھی کیوں نہ ایسا شہسوار ہوا، جب چھوٹا تھا تو عمو ٹھوڑا سوار ہونے کی اپنی باری بھائی صاحب کے ہاتھ ایک پیسہ میں فروخت کر ڈالتا تھا، مجھے کیا معلوم تھا کہ تجارت اور یہ نہایت کچھ کام نہ آئیگی۔ خانم نے تمام کیفیت بیان کر کے مجھ سے میری شہسواری کا حال پوچھا تو میں نے پہلے تو خانم کے ہرے کی طرف دیکھا اور پھر اس خیال سے کہ ان کی دلشکستی نہ ہو جائے میں نے کہہ دیا کہ ہاں مجھے گھوڑے پر چڑھنا آتا ہے اس کے ساتھ ہی دوتین واقعات بھی سنا ڈالے، گھنٹہ پر چوٹ کے نشان تھے وہ دکھائے کہ دیکھو اسی شوق کی بدولت یہ جوٹیں آئی ہیں ایک دفعہ ایک بد معاش گھوڑے نے اگر اگر زخمی کر دیا تھا، حالانکہ اصل واقعہ تو یہ تھا کہ ایک نالایق کتے نے بھونک بھونک کر مجھے گرا دیا تھا

کوئی وجہ نہ تھی کہ خانم میرے جھوٹ کو سچ نہ مان لیتیں، خدا کے فضل سے سارا گھر شہسواری کا دلدادہ تھا

والد صاحب کی یہ بات بہت اچھی ہے کہ وہ اپنی سواری کا گھوڑا کسی کو نہیں دیتے، گھر میں لے دیکر اب صرف یہی ایک گھوڑا رہ گیا تھا اس لئے کہ انھیں سواری کی ضرورت پڑا کرتی تھی، بہر حال مجھے معلوم تھا کہ نہ کبھی والد صاحب گھوڑا دیں گے اور نہ میری شہسوار کا امتحان ہو گا، اگر کبھی ایسا کوئی موقعہ آیا بھی تو اس کے ٹال دینا کوئی مشکل بات نہ تھی۔

مجھ سے بھابی جان سے کوئی لڑائی نہیں پھر نہ محام کیوں انھوں نے میری شہسوار کے امتحانوں کو جتنے ہی نہیں دیا، اور میرے لئے ایک مصیبت یہ تھی کہ خانم اکثر میری شہسوار کے قصے لے بیٹھتیں اور بھابی جان ہنس ہنس کر ان کی پرزور تردید کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتی تھیں۔ اور خانم کا یہ حال ہو گیا کہ بھابی جان کی تردیدوں کو وہ اپنے دق کرنے اور مذاق اڑانے کا بہانہ تصور کر کے آگ ہو جاتی تھیں۔ ان کے دل میں یہ یقین ہو گیا تھا کہ بھابی جان انھیں اپنے مذاق کا تختہ مشق بنا رہی ہیں۔

میں بھی کس سادگی سے بھابی جان کے منہ پر یہ کہہ دیتا تھا کہ ”کیوں مذاق کرتی ہو؟“ مگر وہ حقیقت سے واقف تھیں، ہنسی کے مارے دوہری ہو جاتیں اور آنکھیں پھاڑ کر کہتیں ”غضب کرتے ہو! ایسا سفید جھوٹ! آخر یہ جھوٹ کے دن چلے گا؟“ بھابی صاحب اس بارہ میں کبھی نہ بولے بلکہ جب ذکر کیا تو فوراً تسلیم کر لیا کہ میں ان سے کہیں اچھا شہسوار ہوں، وہ بھی اس پر اپریں کہ کبھی تہ نہ چلا کہ مذاق کرتے ہیں یا سچ کہتے ہیں، نتیجہ اس بحث مباحثے کا یہ ہوا کہ خانم اور بھابی جان نے شرط بندی، بھابی جان نے یہ شرط کی کہ جس گھوڑے پر میں کہوں اگر بھابی چڑھ لیں تو دس روپیہ ہاروں گی ورنہ ہمیں دینا پڑے گی۔ خانم نے پیسے میں آکر فوراً یہ شرط بخت کر لی اس کے بعد دو تین دفعہ میری شہسوار کے امتحان کا موقعہ آیا لیکن ہر دفعہ بہانہ کر کے ٹال گیا، ادھر والد صاحب قبلہ کا یہ حال کہ آئے دن چھانٹ چھانٹ کر بگڑے بگڑے اور بد معاش گھوڑے منگواتے، بہر حال کچھ عرصہ تک میری ٹالم ٹول مزہ سے چلتی رہی۔

بھابی جان تو جانتی ہی تھیں کہ میرے لئے کسی گھوڑے پر چڑھنے کی ہمت کرنا ناممکن ہے، انھوں نے لیفائے شرط کے لئے خانم سے موٹی موٹی ہتھیلیاں رکھی تھیں

میں لحان میں لیٹا ہوا فرسے سے ایک کتاب پڑھ رہا تھا اور سگریٹ کا دھواں اُڑا رہا تھا کہ آواز آئی ”اے میاں منٹن“
جلدی سے میں نے سگریٹ دیوار سے رگڑ کر بھجایا اور اٹھ بیٹھا کہ پھر آواز آئی :-

”کیا کر رہے ہو؟“

میں باہر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ والد صاحب قبلہ اس بلا کی سردی میں صرف ایک قمیص پہنے چوتراہ پر کھڑے ہیں اور سائیں ایک گھوڑا لئے سامنے کھڑا ہے، مجھے دیکھتے ہی والد صاحب بٹاشش ہو کر بولے :-

”کہو کیا گھوڑا ہے؟“

میں نے کہا ”کیا آپ لیں گے؟“

”یہی سوچ رہا ہوں“ مسکرا کر کہا۔

میں نے کہا ”کیا کچھ گامزورت تو نہیں ہے“ پھر میں نے سائیں سے کہا کہ ”لیجا وہاں کسی کو گھوڑا دوڑائیں لینا ہے“

والد صاحب اس پر ہنس پڑے اور کہنے لگے ”میاں چھو بھی، لے تھوڑی رہے ہیں، ذرا دیکھنے تو میں نے لاکھ کہا کہ دیکھ کر کیا کچھ گامزدہ کا ہیکو مانتے۔ کہنے لگے ”ذرا تو نہیں ہاتھ پر لیکر دوڑا تو سہی۔“ اب سائیں تو لگا گھوڑا دوڑانے اور میں نے والد صاحب قبلہ کو لکچر دینا شروع کیا۔ وجہ دراصل یہ تھی کہ آپ خود ہی غور فرمائیں کہ آپ کے والد یا کسی اور بزرگ کو ساٹھ ستر برس کی عمر میں یہ مرض لگ جاتا کہ چلبلا سا گھوڑا کچا پائیں تو اچھل کر اُس کی پیٹھ پر بولیں اور روزانہ دس بارہ میل تک کا چکر لگائیں، آپ ہی بتائیے کہ وہ کہاں تک جاتی بجانب ہونگے۔ جب تک ملازمت پر رہے چار چار پانچ پانچ گھوڑے رکھتے رہے جب نشین ہوئی اور آمدنی میں کمی ہو گئی تو وہی ایک پراکتفا کی گمریم لوگوں کو چلبہ ہی معلوم ہو گیا کہ یہ صرف معنی پے ضرورت اور نحو ہے۔ کیونکہ ہر قسم سے ادھر گھوڑا عمر پر آیا اور ادھر انھوں نے اُسے الگ کر کے پھر کوئی دوسرا نہایت شیر رکھوڑا ڈھونڈھنے لگے۔ ان باتوں سے مجھے گھوڑے سے نفرت ہی نہیں بغض ہو گیا ہے، آپ بھی غور فرمائیے کہ کس قدر نالایق جالور ہے، دانہ کھلاؤ، گھاس کھلاؤ اور موقع پا جا توالات مار دے۔ میری سچ میں نہیں آتا کہ آخر وہ کون حضرت تھے جنھوں نے گھوڑے ایسے نامعقول جالور کو سواری کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ نونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے، جب کوئی حیر سواری کو میسر ہی نہ تھی تو گھوڑے کا سواری میں رکھنا حتی بجانب تھا مگر آج کل گھوڑے کی کیا حیثیت رہ گئی، اگر کسی بوڑھے سائیکل، ریل، ٹریم یا کسی دوسری سواری میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ ادھر مسافر اُس کے قریب آیا اور ادھر اُس کا ہتھ لٹا کر مسافر کی پسلی میں لگنے لگے تو وہ کہاں تک سواری کے قابل سمجھی جائیگی، گھوڑے میں یہ عیب موجود ہے پھر بھی وہ سواری کی تعریف میں داخل ہے! یا اگر آپ کی موٹر سائیکل میں ایسا انجن لگا دیا جائے جو آپ

کے قبضہ میں نہ ہو اور جب زور پہ آئے تو جہاں جی چاہے لیکر چلے۔ مثلاً اگر آپ اسے سڑک کے پچ میں چلا
چاہیں اور وہ کنارے کسی گھڑ میں لیجا کر ڈال دے اور روکنے پر بھی نہ رُکے تو یہ کوئی سواری ہے۔ گھوڑے میں
یہ سب عیب موجود ہیں اور جب کبھی اس کے جی میں آتا ہے تو اس زور سے دوڑتا ہے کہ روکے نہ رہے، نہیں،
اور آپ کو لے بھاگا جاتا ہے، اگر آپ زیادہ روکیں اور اس تانیں تو وہ کوشش کرے کہ آپ کو ہوا میں
اوپھال دیکھا اور گرے گرتے اور پے دوڑتی بھی جڑ دے گا اور خود ایسا بے تحاشا بھاگے گا جیسے کوئی ریل چوٹی
جاری ہے۔ آپ کہیں گے کہ تم انارٹی سواری کی طرح باتیں کر رہے ہو، مجھے یہ نامعقول سواری واقعی پسند نہیں
ہے مگر بھائی صاحب کو اکثر گھوڑے سے گرنے دیکھا ہے اور جب کبھی انھوں نے آسن جاکر بیٹھنے کی کوشش
کی تو گھوڑے نے دوسری ترکیب نکالی، یعنی ٹھوڑا سا اٹھا چلا، گھوما اور پھر الٹ ہو گیا! والد صاحب قیام کی بہت
ہے کہ جب گھوڑا الٹ ہو جائے تو آگے کو جھکوں، یوں اس جھٹکوں، یوں زمین پر جمو وغیرہ مگر میری سمجھ میں
نہیں آتا ہے کہ آخر یہ مصیبت مول ہی کیوں لی جائے، بہر حال اگر آپ یحیائی سے زمین پر جمے رہے تو گھوڑا
آپ کو اٹھا پٹا کر اور جھٹکا دیکر نئی حرکتیں کرے گا اور اگر خدا خدا کر کے چلا بھی تو عجیب شان سے چلیگا، اگر
منہ پورب کی طرف ہوگا تو دم پچھم کی طرف ہوگی مگر وہ خود جائیگا کہ منہ کی طرف! یعنی آٹسے آٹسے کو دے ہو
چلے گا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس معصوم کا کوئی قصور نہیں، ان کی رائے میں پتہ کھڑا اور گھوڑے کو
بدکنے کا حق حاصل ہو گیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، بات دراصل یہ ہے کہ والد صاحب نے کسی نہ کسی بہانہ سے
اپنے گھوڑے کو علیحدہ کر دیا اور علیحدہ کیا کر دیا، ڈاکٹر صاحب نے انھیں ڈرا دیا کہ اگر آپ کچھ دنوں کے لئے
گھوڑے کی سواری ترک نہ کریں گے تو آپ کے اعضا کو نقصان پہنچے گا۔ بہر حال گھوڑا بھی بڑھاتا چاہے ڈالا
جب تک دوسرا خریداجائے کو چوان بھی جو بنیس برس کا ملازم تھا انیس چلایا غرض اس طرح کچھ عرصے تک
گھوڑے کی خریداری کی نوبت نہ آئی، اور والد صاحب ٹینس میں گھوڑے کی کسر نکالنے لگے، روز جاکر کھیلتے تھے
مگر خیاب بڑھا پوری چیز ہے، اڑسٹھ سال کی عمر میں اس قسم کی کو دھپانہ میں ضرور کسی نہ کسی دن نقصان اٹھانا
پڑے گا۔ چنانچہ ایک روز جست و خیز کرنے میں گھٹنے میں چپک پیدا ہو گئی اور دوڑنے کی سکت باقی نہ رہی، اب
تائنگے پر آنے جانے لگے، مگر تائنگے والے بھی بڑے باتونی ہوتے ہیں، ان سے گھوڑوں کی باتیں ہوتے ہوئے
ایک روز گھوڑا لانے کو کہہ دیا گیا، بس پھر کیا تھا وہ یہ شریر گھوڑا دکھانے کو بے آیا۔ جب اس کو دوڑایا جا چکا
تو مجھے بھی حکم ملا کہ ”ذرا تم بھی چڑھ کے اس پر دلی نکالو“

یہ وہ جانتے تھے کہ کبھی میں گھوڑے پر چڑھا ہوں اور نہ چڑھ سکتا ہوں، ایسی صورت میں ان کا یہ کہنا
کہ ”لو بھئی اب تم چڑھو“ محض ایک طنز آمیز اور مزاحیہ فقرہ تھا، بھائی صاحب تو ابھی سوکر بھی نہ اٹھتے تھے

اور میں بھی حشر تک کرے سے نہ نکلتا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ باہر گھوڑا آیا ہوا ہے، مگر اب تو پھنس گیا ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو دیکھتا کیا ہوں کہ برآمدے کی طرف خانم اور بھابی جان بھی کھڑی ہیں، دل میں سوچا کہ کج ہی بھانڈا بھوٹا، میں بت کی طرح ساکت کھڑا کھڑا رہ گیا۔ یہ نازک پوزیشن جلد ہی نازک تر ہو گئی، کیونکہ خانم اور بھابی جان میں نہایت زور و شور سے بحث ہو رہی تھی مجھے دیکھتے ہی دونوں نے اشارے سے بلایا، چارونا چار جانا پڑا مگر میں گھبرایا ہوا ہونچا۔ دم بھر کے لئے دل کو مضبوط کر کے نہایت ہی لا پرواہی کے ساتھ دونوں کی باتیں سننے لگا۔ کس اطمینان اور بھروسے کے ساتھ خانم مجھ سے شرط جیتنے کی فرمائش کر رہی تھیں اور بھابی جان کے چہرہ پر گویا انبساط و شادمانی کا دریا لہریں مار رہا تھا وہ جانتی تھیں کہ میرے شرطے بھی کبھی گھوڑے پر نہیں چڑھے، مگر خانم کا جوش قابل دید تھا وہ خود بھی میری شمسواری کے کرب دیکھنے کے لئے یچین تھیں

بہر حال خوش و لباش ہو کر خانم نے مجھے چوتھے پر ڈھکیل دیا اور کہنے لگیں کہ "جلدی جاؤ پڑھو اور تھکا کر اس کو شل کر دو، بڑی تیزی دکھا رہا ہے، سب بھول جائے تو بات ہے۔" میں ان الفاظ کو شکر سمجھا کہ موت کے منہ میں جا رہا ہوں۔ مگر یہ سوچ کر کہ مرنا برحق ہے، خیال کیا کہ چاہے جو کچھ ہو ایک دن گھوڑے کی بیڑہ پر بیٹھ ہی جاؤں، پھر اس کھینچے رہوں گا، چمکا رہوں گا اور تھوڑی دیر میں روک راک کر کسی نہ کسی بہانہ سے اتر پڑوں گا، یہ خیال کر کے ایک دم سے ہمت کی، مگر خانم کے باغ باغ چہرہ کو دیکھا تو اور بھی ہمت ہو گئی۔ پھر کیا تھا سائیں کو حکم دیا کہ "لاؤ بی ادھر لاؤ ادھر۔" والد صاحب دیکھ کر مسکرائے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں کبھی چڑھانہیں ہوں مگر میری گھوڑے کی سواری کو اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ خواہ میں گر کر مر ہی کیوں نہ جاؤں لیکن چڑھوں ضرور، بلکہ گھوڑے سے گر کر مرنے کو وہ شہادت سے کم نہ خیال کرتے تھے۔

خیر جب میں گھوڑے کے قریب پہنچا تو ایسا معلوم ہوا کہ میں میدان جنگ میں کود پڑا، گھوڑا کھینچت الگ بگڑ رہا تھا مگر میرے بدن سے جرات کے فوارے پھوٹ رہے تھے یعنی انتہائی جرات کے باعث سارے بدن میں پسینہ آ رہا تھا۔ میں نے گھوڑے کو چمکانے کی کوشش کی مگر منہ سے آواز نہ نکل سکی، شاید سردی کی وجہ سے! پھر کپکپائے ہاتھوں سے اُس کی باگ پکڑ لی، گھوڑے کے بائیں طرف کھڑا تھا، دل میں خدا کو یاد کر رہا تھا، گھوڑا بد معاش خواہ مخواہ تھر تھرا رہا تھا، میں بیٹھنے کو ہوا، نصر من اللہ کہنے سے فوج میں ایک دم سے تمام جسم کی روحانی قوت عود کر آئی، پھر یاد آیا کہ ایک روز ایک مولوی صاحب نے وعظ کے دوران میں کہا تھا کہ ہر مہم کو لسم اللہ سے شروع کرنا چاہیئے اور جب کہیں

کوئی کام کرنا ہو تو بسم اللہ کر سیدھا پیر رکھے انشاء اللہ فتح ہوگی، چنانچہ بسم اللہ کر کے میں نے بھی سیدھا پیر رکاب میں رکھا، مگر پیر رکھتے ہی ادھر بیٹھے سے والد صاحب اور بھائی صاحب نے بھی (جواب آگئے تھے) زور سے للکارا اور میں باتیں! کر کے تمقہ لگایا، میں بیٹھ ہی گیا ہوتا مگر گھوڑا چل دیا اندھا مجھے پیر نکالنا پڑا۔ والد صاحب ہنس ہنس کر کہنے لگے کہ ”تم بالکل گدھے ہو، سیدھا پیر رکھ کر کیا دم کی طرف منہ کر کے بیٹھتے؟ گدھے کہیں کے“

میں نے اپنی حماقت کو محسوس کیا مگر واہ ری حاضر جوابی میں نے کہا ”لا حول ولا قوۃ، خواہ مخواہ آپ میرا ذاق اڑاتے ہیں، میں تو تنگ کو دیکھتا تھا کہ کھسکتا تو نہیں ہے۔“

انہوں نے کہا ”اچھا اب چڑھو، جلدی چڑھو۔“

میں نے پھر گھوڑے کو چمکا مارا اور بسم اللہ کر کے بایاں پیر اُس کی رکاب میں رکھا مگر پیر رکھا ہی تھا کہ وہ پھر چمکا جس پر میں نے جلدی سے پیر نکال لیا، لیکن دم بھر بعد پھر چمکا کر پیر رکھا مگر گھوڑا چل دیا اور مجھے پھر پیر نکالنا پڑا، دو تین دفعہ یہی ہوا، والد صاحب گھر تک کر مجھ سے کہنے لگے ”پاؤں میں رکاب مار کے ایک دم سے اوجھل کر بیٹھ کیوں نہیں جاتے ہو، یہ بھی کوئی بیل گاڑی ہے کہ تمہارے لئے کھڑی رہیگی“ بھائی صاحب بھی لپک کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ”تم بھی عجب آدمی ہو، آخر تم انتظار ہی کیوں کرتے ہو، ہلکے پھلکے آدمی ہو پیر رکھتے ہی بجلی کی طرح چمک کے غراب سے زین پر بیٹھ جاؤ۔“

او ہو ہوا اب تو مجھے بھی گر معلوم ہو گیا، لا حول ولا قوۃ، میں بھی واقعی عجیب آدمی ہوں۔ یہ خیال کرتے ہی میں نے بھائی صاحب سے کہا کہ ”بیٹھے مجھے چڑھنے دیجئے گا یا نہیں، میں یہ سب باتیں جانتا ہوں“ میں نے یہ فقرہ زور سے لڑک کر کہا تاکہ خانم بھی سن لیں۔

یہ لہکر میں نے کچپکا کر ہونٹھ دبا کر اور جست کرنے کی پوری تیاری کر کے بایاں پاؤں رکاب میں رکھ ہی تو دیا، مگر مشکل سے پیر رکھ پایا تھا کہ ٹرپ کر بجلی کی طرح اُس پاؤں اور اس طرح اوندھے منہ گرا کر لگام ہاتھ سے چھوٹ کر پیر میں اُجھ گئی۔ ادھر اس موذی گھوڑے نے جو دیکھا کہ میری بیٹھ پر بجلیاں کوننگئیں تو وہ طراد بھر کے یہ جاوہ جا، میرا پیر جھٹکے کے ساتھ بلند ہوا اور اس طرح گھوما گویا میں پھر کی ہو گیا۔ میں کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھوڑا بنگلہ کے احاطہ کو طے کر کے سر پٹ اڑا جا رہا ہے، اور والد صاحب اور بھائی صاحب کا ہنستہ ہنستہ برا حال ہے، بھائی جان کی کیفیت تو بیان سے باہر، مارے ہنسی کے دہری ہو گئیں، حلق میں پھندا پڑ گیا۔ آسنوکل آئے۔ خانم کی حالت البتہ قابلِ رحم تھی، بچ و پاس کے ساتھ میری طرف دیکھ رہی تھیں، میں نے کہا ”ہیں..... دیکھتی کیا ہو..... گرتے ہیں سہواری میدان

جنگ میں، کون گھوڑے پر سے نہیں گرتا۔“

خانم کا چہرہ ایک دم سے بشاش ہو گیا، بھابی جان کی طنز آمیز تکلیف دہ مہنسی پر وہ بگڑ کھڑی ہوئیں، جب ذرا بھابی جان کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو مہنسی کو روکتی ہوئی آئیں اور بولیں:-

”لاؤ بہن میری شرط کے روپیے“

واہ، واہ ”خانم نے کہا:- ”خوب! شرط تم ہائیں یا میں۔“

ادھر میں نے کہا کہ اگر اتفاق سے گھوڑا بگڑ کر کھل جائے تو کوئی کیا کرے۔ اس کے بعد میں نے دنیا کے مشہور شہسواروں کے کرنے کے واقعات بیان کرنا شروع کئے، اور والد صاحب اور بھابی صاحب کے کرنے کے بھی واقعات بتلائے تو بھابی جان تو کیا قائل ہوئیں ہاں خانم کو البتہ اطمینان ہو گیا اور دونوں میں بڑے لطف کی محبت ہونے لگی۔ ایک طرف بھابی جان کہتی تھیں کہ میری شرط کے روپیے مار لئے ادھمیں کھاتی تھیں، دوسری طرف خانم بھی کہتی رہیں کہ میری شرط کے روپیے تم کو بھنم نہ ہونگے۔

بھابی جان پھر شرط لگانے کہتی ہیں مگر میں نے خانم سے کہہ دیا ہے کہ جب تک پہلی شرط کے روپیے ادا نہ ہو جائیں تم ہرگز ہرگز شرط نہ بدنا، اور میں دعا مانگتا ہوں کہ خدا نہ کرے بھابی جان کبھی شرط کے روپیے ادا کریں۔

بہر صورت میں بھی ایک دفعہ گھوڑے پر چڑھا ہوں، کب اور کس طرح، یہ آپ نے خود دیکھ لیا۔

عمدة القواعد مؤلفہ مولوی حافظ جلال الدین احمد جعفری، کراوان سائز۔ ۲۵۵ صفحات۔ قیمت عدد ملنے کا پتہ: مطبع انوار احمدی، الہ آباد

گزشتہ چند سال میں اردو زبان کی متعدد قواعد لکھی گئیں جن میں مولوی عبدالحق بی۔ اے انجمن ترقی اردو کی قواعد بہت مشہور و مقبول ہوئی مگر اردو زبان جس تیزی سے ترقی کر رہی ہے اس کی بنا پر قواعد میں ترمیم و تنسیخ بھی لازمی ہے اور ہر زبان کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک مدت کے بعد قواعد میں ترمیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر یہ قواعد مرتب کی گئی ہیں جو ابجا مستند شعرا کے اشعار کا حوالہ دیا گیا ہے اور مختلف فیہ مسائل کے متعلق دہلی اور لکھنؤ کے استعمال کو یکجا کر دیا، اور اسکے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ آجکل کسکو زیادہ ترجیح ہے۔ چونکہ اس قواعد سے دوسرے شایعین کے علاوہ زیادہ تر طلبہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس لئے اصطلاحات قواعد کے انگریزی مترادف بھی بریکٹ میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ غرض مجموعی حیثیت سے یہ قواعد مکمل و مفید معلوم ہوتی ہے۔

تنقید کتب

مرقعِ دہلی

از نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں سالار جنگ خان دوران مرحوم۔ رائل سائز حجم تقریباً ۱۶۰ صفحات۔ قیمت تین روپے۔

ملنے کا پتہ: مہتمم خزانہ یوسفیہ، ڈیڑھی نواب ستقیم الدولہ مرحوم۔ چھپتہ بازار، حیدر آباد دکن۔

نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں سالار جنگ حضرت مغفرت مآب نظام الملک آصف جاہ اول کے دربار کے ایک رکن خاص تھے اور حضرت مغفرت مآب کے ہمراہ ۱۱۵۰ھ میں دہلی تشریف لے گئے تھے۔ اس کتاب میں نواب مرحوم نے دہلی کے معاشرتی و تمدنی حالات، مجالس و محافل وغیرہ کا مختصر تذکرہ ایکٹ لکشی انداز میں تحریر فرمایا تھا جس کے مطالعہ سے اب سے دو صدی پہلے کی دہلی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ یہ تذکرہ اگرچہ مختصر ہے مگر اس میں علماء و مشائخ، شعرا و رؤسا، قوال و مرثیہ خواں، مشاعرے اور جلسے، ارباب نشاط وغیرہ سب کا ذکر ہے۔ زبان فارسی ہے مگر سلیس و شگفتہ، انداز تحریر دلکش و موثر ہے۔

کتاب کے شروع میں حکیم سیّد مظفر حسین حیدر آبادی نے ایک بسیط مقدمہ اردو میں لکھا ہے جس میں نواب ذوالقدر درگاہ قلی خاں کے ذاتی و خاندانی حالات، ہر اہم و مناصب نیز تذکرہ ہذا کے محاسن پر قابل قدر تبصرہ کیا ہے۔ واقعی یہ تذکرہ اہل پیش و ذوق کے لئے نہایت دلچسپ ہے۔ فارسی زبان کا مذاق رکھنے والے حضرات کو یہ تذکرہ ضرور پڑھنا چاہیئے۔ مصنف تذکرہ اور ان کے خاندان کے دوسرے چند بزرگ نیز باغ و مقبرہ وغیرہ کی نو تصویروں بھی کتاب کی ظاہری زینت کو بڑھائی ہیں۔

از جناب شاد صابری، کراؤن سائز۔ ۱۲۴ صفحات۔ قیمت عدد

فروع بیان

ملنے کا پتہ: حضرت مصنف (اوریسیہ میونسپلٹی) کراچی

حضرت شاد موجودہ زمانہ کے ان مسخوردل میں ہیں جو قدیم طرز سخن کے ساتھ جدید رنگ میں بھی

شعر کہتے ہیں۔ آپ صوبہ متحدہ کے باشندے ہیں اور فن شعر میں مولانا غیب سہا زپوری مرحوم اور حضرت اشرف صدیقی امر وہوی کے شاگرد ہیں۔

فروغ بیان شاد صاحب کے کلام کا ایک دلکش مجموعہ ہے جس میں غزلیات، رباعیات، قطعات کے علاوہ جدید طرز کی دس نظمیں بھی ہیں۔ شروع میں مولانا قمر بدایونی کا لکھا ہوا ایک مختصر مگر لطیف مقدمہ ہے اور مصنف کی تصویر بھی شامل مجموعہ ہے۔ جہاں تک غزلیات کا تعلق ہے شاد صاحب کا کلام سادہ و موثر معلوم ہوتا ہے۔ البتہ نظموں میں دلکشی کسی قدر کم نظر آتی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ کلام درج ذیل ہیں:

سچی لاہل بھی محنت سے مجھے حاصل نہیں	دائے بد بختی کہ علم دوری منزل نہیں
اے غم پہناں الٹ دے پردہ سوز دروں	شمع در فائوس ویر گری محفل نہیں
پوچھتی ہیں عشق سے اکثر مری ماہوسیاں	اے موج خیز دریا کیا تر اساعل نہیں
حسن میں موجود ہے پیرایہ دل بستگی	قابل عنوان مگر ارمان اہل دل نہیں
منزل مقصود ہے ہر منزل راہ طلب	دامن رہروپہ داغ حسرت منزل نہیں
ہوشیار بخودی کو عقل دیتی ہے سبق	واقعہ معنی نہیں اپنے سے جو غافل نہیں

شاد تھک کر بیٹھنے کا قصد جب میں نے کیا

شوق نے بڑھکر ندادی یہ تری منزل نہیں

باخبر ہوں بہتی مہووم کے انجام سے	صبح کا آغاز ہوتا ہے سوادِ شام سے
چھوڑے یا قید کیجئے آپ خود مختار ہیں	میں وہ مجرم ہوں جسے مطلب نہیں انجام سے
کائنات باغ عالم ہوا سیر ذوق دید	کاشش واقف ہو کوئی حالِ امیرِ رام سے
اب مرا سن نظر تصویرِ حیات خانہ ہے	بے بجائی اٹھ چکی ہے جلوہ گاہِ عام سے

شاد یہ سمجھو مالِ خلقت دنیا دیدی

انجمن کی انجمن موسوم ہے اک نام سے

از رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم۔ چھوٹا سا سائز ۱۵۶ صفحات۔ قیمت ۸

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

کلام جوہر

یہ مولانا محمد علی مرحوم کے کلام کا مجموعہ ہے جس میں درد دل اور جوش و خروش پورے طور پر موجود ہے۔ شروع میں مولانا عبدالمجید بنی ۱۰۷۰ء دریا بادی کا لکھا ہوا ایک دلچسپ مقدمہ ہے۔ مولانا مرحوم کے

کلام کا ایک مختصر مجموعہ پہلے بھی شائع ہوا تھا مگر اس مجموعہ میں ابتدائی اور آخری زمانہ کا قریب قریب کل کلام موجود ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ہدیہ ناطین ہیں۔

اسکو کیا خوفِ رہِ ظلمات ہے جس کی رہبرِ مژدہ کی ذات ہے
قیدِ تنہائی کا لذت آشنا کیسے کند دل تارکِ لذات ہے
دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں اب بھی اک مشغلہ دن رات ہے
قیدِ تنہائی میں بھی چھوڑا نہ ساتھ نفس مودی بھی بڑا بد ذات ہے

مستحقِ دار کو حکمِ نظر بندی ملا کیا کموں کیسی اٹنی ہوتے ہوتے دگئی

میرے اوسے خاکِ وطن لا لار دیکھ اسلام کے چمن کی خزاں میں بہار دیکھ
کیا عشقِ ناتمام کی بتلاؤں سرگزشت دار درسن کا اور ابھی انتظار دیکھ

لے دل تجھی کو صبرِ جو پروردگار دے تخلیف کیوں یہ کشمکش انتظار دے
ہم اسکے ہوئے تو پھر اب اس سے کیا عرض وہ جیت اپنی فوج کو دے یا کہ ہار دے
تو کس خیال میں ہے یہ وہ عشق ہی نہیں لے بوالہوس جو فرصت بوس و کنار دے
مے نقد جاں تو بادہ کو ترابھی ملے ساقی کو کیا پڑی ہے کہ یہ موادھار دے
کشتی ہے شعلِ عشق میں پل بھر میں عمرِ خضر یہ دن ہی کیا ہیں قید کے ایڈل گزار دے
دہر دھارا وہ عشق کا منزل کو پایا اب اور کیا نشان مری لوحِ مزار دے

ہے رشک ایک خلق کو جو ہر کی موت پر

یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے



ماہیتاب

(از لسان الہند مولانا عزیز لکھنوی)

ہم یہ کس لئے برج زمرد سے منہ نکالا ہے
شراب نور اُبل آئی آفتاب سے
تڑپ اٹھا انہر چشم مست سانی سے
چمک ہے ماہ سبک سیر کی سواری میں
مگر ہے لیلے شب کا محافہ ریمیں
اُبل پڑا ہے شب آتے ہی چشمہ پر جوش
ہزار نقش طہ از جہاں حجاب میں ہے
چڑھا ہے ایک رو پہلا ورق زمانے پر
لباس نور کا پہنے ہوئے ہے پیاری رات
کوئی حسین ہے مصروف دشت گردی میں
تجلیوں سے زمانہ ہوا ہے مالا مال ،
یہ عکس جب ہے تو وہ محو ناز کیا ہوگا
دکھا رہا ہے گل یوسف اپنی تابانی
ہر اک طرف سرو سامان ناز پھیلایا
یہ کس کی ضو سے ستاروں کی بزم تاباں ہے
کہاں سے پھول یہ آیا ہے دست گلچیں میں
رواے نور ہے اور بزم عالم اسباب
یہ وقت اور مرا نیشہ و سبب خالی

ہر اک طرف شب تاریک میں اُجالا ہے
تجلیوں کا سمندر رہا قرابے سے
چمک گیا ہے جو پیانہ دست سانی سے
چھپا ہوا ہے کوئی ہیز کی عمارت میں
دکھا رہا ہے جھلک اپنی کوئی پردہ نشیں
ہر ایک چیز زمانے کی ہے تجلی پوش
فروغ صرخ کا اثر کشت ماہیتاب میں ہے
بس رہا ہے تجلی کا ابر خوش منظر
سحر کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے ساری رات
ترنج نور ہے یا طشت لاہور دی میں
بغور دیکھ یہی ہے مال کسب کمال
یہ آئینہ ہے تو آئینہ ساز کیا ہوگا
چمک اٹھا ہے جو دامن پیر کنگانی
سمٹ کے نوز نے دامن ناز پھیلایا
یہ کون شاہد زریا ہے گوہر ستاں ہے
یہ کس نے شمع جلائی رواق رنگیں میں
زمانہ اوڑھے ہوئے سر سے چادر مہتاب
سنوں زمانے سے آواز اسٹر بوا خالی

ہر ایک بحر میں غوطے لگائے ماہ تمام
مگر نہ ہو تو نہ ہو غرق بادہ گلکلام

مستقبل دہر

از بابوشیام موہن لال سنگھ بریلوی، بی۔ اے۔

جب بگڑنے لگا جہاں کا نصیب
ما دیت کا زہر پھیل گیا
دین و اخلاق ہو گئے برباد
ہو گئیں بے حجابیاں مطبوع
اس پر قسیر خدا ملو کیت
اہل سرمایہ نے کئے وہ ظلم
ٹھہرے سامان امن توپ و تفنگ
جنگ سمجھی گئی بنائے بستا
رفتہ رفتہ ہوا جہاں تاریک
روح عالم کی بے قرار ہوئی
حالت تنگ ناگوار ہوئی

ہوئے اصلاح کے ہم سامان
پھر تجلی ہوئی زمانہ میں
مٹیں گمراہیاں بھالت کی
آئے دنیا میں حضرت گاندھی
سادگی راستی ہے جن کا ضمیر
جن کا ایمان نیاز و خدمت خلق
مسکب زلیست جن کا راست روی
پھر چکنے لگا نصیب جہاں
ہوا خورشید ہند میں تاباں
پھر ہوا خضر راہ ہندستان
ولی پوشیدہ ظاہر انساناں
اورا ہنسا ہے جن کی روح رواں
جن کا مذہب محبت انساناں
اور تہذیب نفس مایہ جال

جن کے خدمات و بھڑنا غسل اور اعمال زینتِ دُور اں
نازشیں دہر و غمِ عالم ہے آج یہ ہستی عظیم الشان
فیض گاندھی تمام جاری ہے
پر تو حق کی جلوہ باری ہے

دہر میں افتلاب آئیگا آئیگا اور شتاب آئیگا
ورقِ حال الٹ گیا یعنی اب کوئی تازہ باب آئیگا
ظلمتیں دُور ہونگی عالم کی چرخ پر آفتاب آئیگا
مقصدِ زیست ہوگا راست روی کج روی سے حجاب آئیگا
ہوگی آخر شکستِ باطل کو اور حقِ فقیاب آئیگا
آہِ مظلوم مستجاب ہوئی ظالموں پر عتاب آئیگا
انتزاعِ ملوکیت ہے تریب دورِ راحت مآب آئیگا
ہوگا حاصل سکونِ قلب و جگر ختم پر اضطراب آئیگا
غیب سے لطفِ زیست کا سامان بحمدِ و بے حساب آئیگا

ہم نئے ہونگے اور نیا عالم
زندگی ہوگی راحتِ بہیم

عشق

(از شیخ احمد الشارقاری نایب ایڈیٹر رسالہ "تایخ")

تیرے جلوے فطرت کو نین میں رو پوش ہیں تیرے نغمے نبض کی جنبش سے ہم آغوش ہیں
تیری آبادی میں اک دنیائی آباد ہے کچھ دنوں مسرور ہے اور کچھ دنوں ناشاد ہے
زندگی اور موت لذت میں تری مستور ہیں تجھ پر مرٹنے کو ساری فطرتیں مجبور ہیں
تو سراپا سوز بھی ہے اور سازِ انگیزہ بھی تو ہے لذت بخش بھی تو ہے مصیبت خیز بھی

تو وہ منزل ہے جہاں کوئی سنبھل سکتا نہیں
ابلقِ شام و سحر اس رہ میں چل سکتا نہیں

فلسفہ حیات

از جناب برق دہلوی، بی۔ اے

تجھے نخل بند حیات نے تری کاوشوں کے پھل دیے
 کوئی ٹوٹھونڈے لیکے چراغ بھی نہ ملے گا کوئی سُرُاع بھی
 نہ بہارِ خندہ گل ہے اب، نہ وہ دورِ ساغرِ گل ہے اب
 یہ طلسمِ خانہ دہر ہے وہ نظرِ فریب کہ قہر ہے
 جو مالِ کار پہ ہے نظرِ دلِ جالِ خدمتِ خلق کر
 یہ غرورِ حسن یہ ہیرِ خنی، یہ رمیدگی یہ کشیدگی
 یہ ردا روی کا مقام ہے یہ اجل کا شیوہ عام ہے
 جو کسی نے ہمتیں صرف کیں تو لی مرادیں اُسے ملیں
 یہ گلہ ہے ربِّ کریم سے، ملا کچھ نہ فیضِ عیم سے
 مرے قلب پر جو یہ داغ ہیں نیکر انکو گل یہ چراغ ہیں
 نہ غرضِ متاعِ جہاں کچھ نہ ہمارا مال ہے نقدِ جال
 تو ہی ششِ بہت میں ہے، خوش نشان نہیں ماسوا کا کہیں نشان

کیا خلقِ باغِ جہاں میں جب تو مگر بھی حسبِ عمل دیے
 کہیں اُن کا نام و نشان نہیں جو عدم کو قافلے چل دیے
 نہ وہ باغ ہے نہ وہ میکدہ کہ خزاں کے رنگ بدل دیے
 ہمیں کیا حیاتِ دورِ وزہ دی جو ہزار اُس میں نخل دیے
 کہ عقل و ہوشِ یہ ست و پا تجھے بہرِ حسنِ عمل دیے
 کبھی مل گئے سیرِ راہ بھی تو نگاہِ پھیر کے چل دیے
 جو لباسِ نیست کُن ہوئے تو وہ دمِ زدن میں بل دیے
 جو شکم میں خاک کے تھے نہاں وہ دفنِ اُس نے اگل دیے
 جو دیے ہیں چند نفسِ ہمیں وہ برائے نذرِ اجل دیے
 مری جانِ شوق سے لے مگر نہ بجایا یہ بادِ اجل دیے
 تہیست آئے تھے ہم یہاں تہیست دہر سے چل دیے
 پس پردہ ہوئے عبث نہاں یہ فریبِ حسنِ ازل دیے

یہی برقِ چرخ سے ہے گلہ ہمیں گردِ شوق لے مٹا دیا

جو ہمارے روزِ نشاط تھے وہ شبِ اہم سے بدل دیے

لطف سخن

(از لسان الملک جناب تفتی لکھنوی)

تو بھی مایوسِ تمنا مرے انداز میں ہے
شوخِ حسنِ حسینوں کے ہر انداز میں ہے
آف ری ناسازیِ دل گو کہ زمانہ گزرا
کعبہ دل کا ہمارے ہے خدا ہی حافظ
بلبلیں شور مچائیں نہ چمن میں کسرو
نوا سیرانِ چمن کے کوئی دل سے پوچھے
دیکھ یوں تھک کے نہ بیٹھ لے دلِ حسرتِ انجام
کہیے یہ رمز و کنایات کوئی کیا سمجھے
کوئی آزاد ہے لذت کشِ گلگشتِ چمن
بے خطا کون ہوا ہے ہر فنِ ناوکِ ظلم
اسے خاموش ہی رہنے دینی کیوں چھڑو

(از بابو ہر گوبند دیال سر دیواستو نشتر)

ہم صیغہ ورہنے دواِ فسانہ ابر بہار
ایک مدت سے قفس کی زندگی ہے ادرہم
جب تصور بندہ گیا اُس کا وہیں مخمور ہیں
دیر سے مطلب نہ کچھ ہم کو حرم سے واسطہ
دیکھے گلشن کی سرسبزی و شادابی کا رنگ
ایک دن وہ تھے کہ ہم تھے اوجین کی سیرتی
ابو نشتر کو جہاں دیکھا کہ سب کہنے لگے
لیجئے وہ آگیا دیوانہ ابر بہار

(مسٹر وٹیر یہ پرکاش بھٹناگر رعنا سکندر آبادی)

جفا پر وہ جفا، بیداد پر بیداد کرتا ہے
کوں کیا کس طرح رہ رہ کے وہ بیداد کرتا ہے
زمانے نے کسی کو اس طرح مٹتے نہیں دیکھا
دل حسرت زدہ کی غوسے تم واقف نہیں شاید
قفس میں روز رکھ دیتا ہے کچھ تنکے نشین کے
مرے آتے ہی چھوڑی زمرہ منہ سخی اسیروں نے
دنا کا ہے اثر یا ضبط کی تاثیر ہے رعنا

(قاضی اختر جو ناگہاھی)

نکلے وہ بزم ناز سے منہ اپنا پھر کر
آغاز عشق سے ہوئی اپنی نمود و بود
یہ دل جلوں کی آہ شہر بار کا اثر
موسلی کی طرح محو نظارہ ہوں میں ادھر
ایمن کی داد یوں میں ابھی ہے شرابرق
اسرار کائنات کو آخر وہ پاسکے

از جناب سرشار (خیر پور سادات)

وہ شمع ہوئی روشن رہ آگے پروالے
یہ محفل عشرت کا انجام ہے دیوالے
یا آپ ہی آجاتے یا دم ہی نکل جاتا
دولت سے قناعت کی گردل کو غنی کرے
جذبات کی دنیا طوفان اٹھایا ہے
یاد آتے ہیں رہ رہ کر ترپاتے ہیں رہ رہ کر
جو عشق میں مرتے ہیں موت ان کو نہیں آتی
سرشار محبت کے آئین نزلے ہیں

آغاز تو اچھا ہے انجام خدا جانے
اڑی ہوئی محفل ہے لڑے ہوئے پیمانے
رکھا نہ کہیں کا بھی اس وعدہ فردا نے
رسوائی سے درد کی کیوں خاک کوئی چھلانے
مرنے کی ضرورت نے جینے کی تمنائے
وہ عشق و محبت کے بھولے ہوئے افسانے
سمجھا ہی نہیں اب تک اس راز کو دنیا نے
فرزانی میں دیوانے، دیوانے میں فرزانے

علمی خبریں اور نوٹ

گذشتہ مئی میں ہند کے شاعر اعظم چندر ناتھ گکڑ کی عمر کے ستر سال ختم ہو گئے ہیں، چنانچہ اس مبارک واقعہ کے اعزاز میں بابورا مانند چٹرجی ایڈیٹر ماڈرن ریویو کی ایڈیٹری اور مہاتما گاندھی موسیورومان رولینڈ سرجے سی۔ بوس، پروفیسر البرٹ السٹین اور موسیو کاسٹی بلاس کی سرپرستی میں ”گکڑ کی سنہری کتاب“ کے نام سے ایک مہتمم بالشان یادگاری مجموعہ زیر طبع ہے جس میں گکڑ کے متعلق برطانیہ، فرانس، اسپین، اٹلی پولینڈ، روس، سوڈان، ترکی، امریکہ، افریقہ، آسٹریا، عراق، مصر، لنکا، برما، چین، جاپان، جافا، غرض تمام ہند دنیا کے مشاہیر اہل قلم اور اہل الرائے اصحاب کے مضامین جمع ہو گئے تھے تقریباً چار سو صفحات ہوگا اور ہندوستان، چین و جاپان کے مشہور مشہور مصوروں نے اس کے لئے خاص تصویریں اور مرقع بنائے ہیں خود شاعر اعظم کے مختلف نئے نوٹ اس میں ہر یہ ناظرین ہو گئے غرض لکھا کی چھپائی، مضامین ہر اعتبار سے یہ ایک نادر مجموعہ مضامین ہوگا۔ قیمت اٹھارہ روپیہ تجویز کی گئی ہے۔ غالباً اس ماہ کے آخر تک شائع ہو جائیگی۔

بنارس یونیورسٹی کے نامور بانی پنڈت من موہن مالویہ صاحب کی شترھویں سالگرہ کی تقریب میں بھی دارالعلوم بنارس کے اہتمام سے اسی قسم کا ایک یادگاری مجموعہ زیر طبع ہے جو مدوح کی خدمت میں آئندہ بسنت چنچی کو جو یونیورسٹی مذکور کی سالگرہ کا دن ہے پیش کیا جائیگا۔ اس مجموعے میں بھی ملک کے ہر قوم اور ہر جماعت کے مشاہیر نے مضامین لکھے ہیں۔

پنجاب یونیورسٹی بک کمیٹی ہر سال اردو ہندی پنجابی زبان کی بہترین تصانیف کے صلہ میں بیش قرار انعام دیا کرتی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی اعلیٰ تصانیف کے جن مؤلفوں اور مصنفوں کو انعامات تقسیم کئے گئے ہیں انکے نام نامی ہیں

مولوی فیروز الدین شرف مصنف ”سنہری کلیان“	۵۰ روپیہ
پروفیسر سری کانت شاستری ایم۔ اے۔ ایچ۔ او۔ ایل	۵۰
لالہ موہن لال بیٹھی، ایم۔ ایس۔ سی ہوشیار پوری	۵۰
خان صاحب نوری فیروز الدین اینڈ سٹر لاہور پبلشر فیروز اللغات فارسی	۵۰
مسٹر کے۔ ایل۔ رلیارام مصنف ”موسیقی ہند“	۵۰

پنڈت رام نریش صاحب تریپاٹھی کئی سال سے نہایت عرفی و عام کے ساتھ صوبہ متحدہ کے مشرقی اضلاع کے عام ہندی گیتوں کو لکھا کر رہے ہیں۔ آپ کی پانچ سال کی محنت شاقہ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہندی مندرالہ آباد نے ان گیتوں کا قابل قدر مجموعہ شائع کیا ہے۔ ان گیتوں سے ملکی رسم و رواج اور عوام کے خیالات پر غیر معمولی روشنی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل بصیرت ان کی قدر کر رہے ہیں۔ مسٹر شیون کلکٹر مراد آباد نے ان میں سے بعض گیتوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے اور انگریز صاحبان قدیم انگریزی اور اسکالچ گیتوں سے انکا مقابلہ کر رہے ہیں۔

مزارِ انیس کی مرمت کا مسئلہ عرصہ سے چھڑا ہوا ہے، مگر ابھی تک اسکا خاطر خواہ حل نہیں ہو سکا مولانا محمد علی مرحوم نے بھی اس کی کوشش کی تھی اور شاید کچھ چندہ بھی جمع کیا تھا مگر اسکی تکمیل انکی حیات میں نہ ہو سکی، اب محضر سرفراز لکھنؤ نے قدر دانانِ انیس سے مالی امداد کی اپیل کی ہے۔ قریب ساڑھے تین سو روپیہ جمع بھی ہو چکا ہے، کیا اچھا ہو کہ انجمن ترقی اردو اس کام کو اپنے ذمہ لے لے یا سرپرستانِ اردو مثلاً سرکار نظام نواب صاحب رامپور یا نواب صاحب بھوپال میں سے کوئی اس طرف توجہ فرما کر ضروری سرمایہ کا انتظام کرے۔

پچھلے دنوں گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں ڈاکٹر اقبال بھی انگلستان تشریف لے گئے تھے، چنانچہ لندن کے ادبی حلقوں نے انکی حیثیت شاعر اچھی خاصی عزت افزائی کی۔ اقبال ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جدید علمی انجمن بھی آپ کی تشریف آوری کی یاد گاریں قائم ہوئی۔ آپ کے خیر مقدمی جلسہ میں منجد دیگر اچھا کے مہاتما گاندھی، سر آغا خان، مسٹر سرجنی تیڈرو اور مسٹر عبد اللہ یوسف علی وغیرہ شریک تھے۔

لندن میں ڈاکٹر اقبال نے ایک ملاقات کے دوران میں فرمایا کہ اب انھوں نے اردو میں شعر کہنا ترک کر دیا ہے اور اسلامی دنیا کی خاطر آئندہ صرف فارسی زبان میں اپنے شاعرانہ خیالات و جذبات کو قلمبند کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اہل ملک علی حیثیت سے کئی سال سے اس فیصلہ سے واقف ہیں تاہم وہ اس پر اپنے افسوس اور مایوسی کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں۔ اردو کی سب سے بڑی ہمتی یہی ہے کہ جو لوگ اسکی توسیع و ترقی میں سب سے نمایاں حصہ لے سکتے ہیں وہ اسکے ساتھ انتہائی سہمہری کا برتاؤ کرتے ہیں ڈاکٹر مگور نے شروع سے اب تک بنگالی زبان ہی کو اپنے شاعرانہ جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا، اسی زبان میں انکی بہترین تصانیف ہیں اور دنیا کی جن زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں وہ سب بنگالی زبان سے کئے گئے ہیں مگر ڈاکٹر اقبال اردو کو اپنی شاعری کے قابل نہیں سمجھتے ہیں۔ افسوس!

ہندوستانی اکیڈمی کی تیسری ادبی کانفرنس پانچ ستمبر ۱۹۳۲ء میں الہ آباد میں منعقد ہوئی ہے۔ اس

کافر نس میں اردو ہندی ماہرین ادب کو ان زبانوں کے وسائل ترقی پر تبادلہ خیال کرنے اور مختلف جہات اور موضوعات علمی پر مضامین پڑھنے یا تقریر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، مفصل پروگرام بعد کو شائع ہوگا۔

سال ڈیڑھ سال سے ہمارے مکرّم مسٹر حامد اللہ آفٹر میرٹھی فن تنقید کے متعلق ایک اہم کتاب لکھ رہے تھے، شکر ہے کہ اب وہ ختم ہو گئی ہے اور انشاد السراج آئندہ تک شائع ہو جائیگی، اسکا نام نقد الادب تجویز کیا گیا "صحیح نستعلیق ٹائپ" کے نام سے مسٹر ایس۔ ایچ۔ قریشی صاحب (پوسٹ نمبر ۴۴ ممبئی) نے ایک مستقیم ٹائپ مکمل کیا ہے، جسکی نسبت ان کا دعویٰ ہے کہ یہ حیدر آباد کے نوایا دسرکاری ٹائپ سے بھی زیادہ مکمل اور خوبصورت ہے۔ آپ نے ہمارے پاس اس کے بعض نمونے بھی بھیجے ہیں جن صاحبوں کو اردو ٹائپ سے دلچسپی ہو وہ آپ سے پوسٹ بکس نمبر ۴۴ ممبئی کے پتے سے خط و کتابت کریں۔ آپ نے تجارتی اغراض کے لئے اس ٹائپ کو کافی مقدار میں ڈھلوالیا ہے اور ضرور مند اصحاب کی فرمائشیں پوری کرنے کا انتظام بھی کر لیا ہے۔

کمال میں جرمنی کے مشہور فلسفی و شاعر گوٹے کے مشہور ڈرامے فاسٹ کا ترجمہ اردو متر میں ڈاکٹر غابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ جس کے شروع میں جرمن لٹریچر گوٹے کے سوانح حیات اور شاعرانہ کمال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے انجمن ترقی اردو اور نگ آباد دکن کے اہتمام سے شائع ہو گیا ہے۔

حال میں منشی پریم چند صاحب کا جو ایکٹ لائی ناول "پردہ مجاز کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس طرف غبن" نام سے ہندی میں بھی آپ کا ایک اول طبع ہوا ہے۔

ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے اس سال بھی اردو ہندی کی بہترین تصانیف نظم و نثر کے صلے میں پانچ بائخ سو روپے کے چار انعامات دینا تجویز کیے ہیں۔ دو انعامات ہندی کتابوں کے لئے اور دو انعامات اردو کتابوں کے لئے منظور کئے گئے ہیں۔ نثر کی انعامی کتاب کا موضوع دماغی اور اخلاقی سائنس ہونا چاہیئے نظم کے لئے کوئی خاص قید نہیں رکھی گئی ہے مگر نظم و نثر دونوں مصنفین کی طلبہ زاد ہونا چاہیئے۔

نظم کے لئے طو لانی مسلسل نظم کے علاوہ ایک ہی مصنف کی مختلف نظموں کے مجموعے بھی مقابلے میں شریک کئے جائیں گے۔

مقابلے میں شریک ہونے کے لئے مصنف حضرات کو اپنی اپنی کتابوں کی سات سات جلدیں ۶ اگست ۱۹۳۲ء سے قبل جنرل سکریٹری صاحب ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی خدمت میں بھیجنا چاہیئے۔

آخری ہفتہ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں نامور ادیب و فلسفی مرزا اسحاق اللکھنوی کی وفات حسرت آیات سے اردو ادب کو جو نقصان عظیم ہو چکا ہے اسکی تلافی ناممکن ہے۔ شاعری، افسانہ نگاری، ترجمہ و فلسفہ غرض ہر صنف ادب میں

مرحوم کو جو کمال حاصل تھا اسکی مثال ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہ مل سکیگی۔ کئی سال سے آپ علالت کے باعث بہت کچھ معذور و مجبور ہو چکے تھے تاہم موت سے غالباً دو تین دن قبل تک آپ جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ کی خدمات انجام دیتے رہے پچھلے اکتوبر کے وسط میں راقم الحروف کو نستعلیق ٹائپ کمپنی کے سلسلہ میں حیدر آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ ایک دوست کی ہمراہی میں مرزا صاحب مرحوم کی خدمت میں بھی گئی دفعہ حاضری کی نوبت آئی، مرزا صاحب علیل تھے اور ہر دفعہ اُن کو دیکھ کر یہی خیال دل میں آتا تھا کہ اب یہ صورت دیر تک قائم رہنے والی نہیں ہے، چنانچہ صاحب مرحوم کے گرد و پیش جو احباب داغ آتے تھے اُن سے آپکے فوٹو کا انتظام کرنے اور سوانحی حالات لکھنے کی بار بار استدعا کی گئی۔ ان حضرات نے اسوقت تو ازراہ لطف و کرم بڑے بڑے وعدے کر لیے لیکن ان کی تکمیل تک ان صاحبوں کو موقع نہیں ملا، افسوس اب یہ کامل الفن ادیب ہمیشہ کیلئے ہمارے درمیان سے اٹھ گیا، مگر اُردو کی جو اہم خدمات مرحوم اپنی زندگی میں انجام دیکے ہیں انکا احسان قدر دانانِ ادب پر ہمیشہ قائم رہے گا اور انکی تصانیف انکے نام نامی کو زندہ جاوید بنادینگی۔ آپکا ناول امر او جان ادا اُردو کا ایک بہترین ناول ہے۔ "شریف زادہ" بھی ایک بہترین افسانہ ہے جسکا ہر صفحہ ہمیشہ نوجوانانِ ملک کیلئے چراغِ ہدایت کا کام دے گا۔ مرزا صاحب جبرلمیانی سے روزمرہ کے معمولی معمولی واقعات زندگی قلب بند کر سکتے تھے اسی خوبی و خوش اسلوبی سے ادق فلسفانہ مضامین پر عالمانہ بحث کر سکتے تھے۔ آپکی زندگی بہت مرواں و مد خدا کی صداقت کا علمی نمونہ تھی۔ عربی فارسی میں فہرغ تحصیل ہونے کے بعد آپ کو انگریزی علم ادب سے واقفیت حاصل کرنے کا خیال آیا تو آپ نے ظلمتِ یونانی سے بی۔ اے کی سند بھی حاصل کر لی۔ زبان اُردو کے آپ بہت بڑے ماہر تھے۔ فلسفہ کے ادق سے ادق مباحث کو دلنشین پیرائے اور سلیس زبان میں ادا کرنے میں آپکو یدِ طولی حاصل تھا۔ سیرت نگاری میں آپکو خاص کمال حاصل تھا۔ صاف، سلیس اور باحاورہ اُردو کے آپ مالک تھے نظم میں آپ حضرت آج کے شاگرد اور غالب کے پیرو تھے۔ آپکی شاعری بیجا تصنع اور فضولِ مبالغہ سے پاک نیچر کے مطابق ہوتی تھی۔ آپکی خاص تصانیف میں شہنوی نوبہار، امید بزم، خونِ عاشق، شریف زادہ، ذاتِ شریف، امر او جان ادا، خاص طور پر مشہور ہیں۔ دارالترجمہ کی سرپرستی میں آپنے بعض ادق کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا، لیکن اس خدمت سے طبعِ آزاد اور بخلِ تصانیف کا سلسلہ بالکل ختم ہو گیا۔ افسوس موت نے اس خدمت کو بھی قائم نہ رہنے دیا۔

خوشی کا مقام ہے کہ خطابات سال نو کے سلسلہ میں گو منٹا ہند نے ہمارے دیرینہ کرمفرمانشی ابن علی حسا ایڈیٹر نیر اعظم مرزا آباد کو "خاں صاحب" کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ خدا کرے موصوف کو یہ عزت مبارک ہو۔

اس نمبر کی زینیں تصویر عمدہ غلیہ کی اٹھارہویں صدی کی مصوری کا ایک دلکش نمونہ ہے اسکی اصل بٹن نمونہ میں تصاویر دوسری تصویر ہمارا جو بھٹی سراج جوان کے دربار کی ہے اسکی اصل ریاست جو دھپور کے نامور منصف و مورخ مفتی دیو پرشاد صاحب مرحوم سے دستیاب ہوئی تھی اسکے ساتھ کی ایک اور تصویر بھی مرحوم نے بھیجی تھی یعنی ہمارا جو چند کا دربار جو اس وقت پیش کی جا رہی

فہرست مضامین نامہ جلد ہجرت جولائی لغایت دسمبر ۱۹۳۱ء

تصاویر: سترھویں صدی کی ایرانی مصوری کا نمونہ، محمد مغلیہ کی ہندوستانی مصوری کا نمونہ، ہزارپنس
نواب صاحب بھوپال، ستر و جے راگھو چاریہ، لاڈ و لکڑن والے سرے ہند اور تھاتا گا ندھی، اعلیٰ حضرت
نظام دکن اور لاڈارون، مرحوم ہماراجہ صاحب بنارس، ستر پی سی، راماسوامی لامبرگرنٹ ہند
ہزارپنس سرآغا خان، عبدالرحیم خان خاناں (محمد اکبری) ستر کے سی، رے مرحوم، پنڈت
دشنو دگبرگان آچاریہ، تھاتا گا ندھی کے سفر لندن کی دو تصویریں، گول مینز کانفرنس میں پاکستان
ہند کے قائم مقام، شاہنشاہ ہماگیر اور چوگان بازی، جھڑپگ وزیر شاہ جہاں، ایک منسل شہزادہ
منشی رام دیال سکینہ مرحوم، منشی جے دیال سکینہ مرحوم، شریستی چاند رانی مرحوم، شریستی ہیرا گوری

منشی

- | | | |
|----|--|---|
| ۱ | از ستر جگیشور ناتھ درما بیتاب بریلوی بی۔ اے | ۱۔ منسل مصوری |
| ۹ | از ستر منوہر لال طالب بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ | ۲۔ امن عالم اور ہندوستان |
| ۱۵ | از مولوی حامد حسن قادری لکھنؤ اگرہ یونیورسٹی | ۳۔ رباعیات باباطاہریاں |
| ۲۲ | از عاکر جے۔ آر۔ اے۔ جرنلسٹ | ۴۔ زندگی کا سہارا |
| ۳۱ | از ستر جگیشور ناتھ درما بیتاب بریلوی بی۔ اے۔ | ۵۔ ملاپ (افسانہ) |
| ۶۵ | از ستر جگیشور ناتھ درما بیتاب بریلوی بی۔ اے۔ | ۶۔ فلسفہ غالب |
| ۸۲ | از ستر لال بہادر سنگھ بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ | ۷۔ ہیرم خاں کی بغاوت |
| ۸۸ | از سید احمد اللہ قادری نائب ایڈیٹر تاج | ۸۔ میر حسن کے دو معاصرین |
| ۹۰ | از اے بہادر پنڈت شیو نرائن شیم ایڈوکیٹ | ۹۔ بد مذہب اور تھیٹر |
| ۹۲ | از اے۔ وکیل | ۱۰۔ معاشرت حاصرہ اور اخلاق انسانی اندچودھری دگبر داس بی۔ اے۔ وکیل |

- ۹۶ ۱۱۔ خدا کی روشنی
از مسٹر رشاد نبی بی۔ اے (علیک)
- ۹۸ ۱۲۔ شیخ و برہن
از ڈاکٹر اعظم گروی
- ۱۲۹ ۱۳۔ سلاطین عماد شاہیہ
از سید احمد اللہ قادری نائب ایڈیٹر تاریخ
- ۱۳۵ ۱۴۔ سنسکرت زبان کے کارنامے
از ٹھاکر جے۔ آر۔ رائے جرنلسٹ
- ۱۴۶ ۱۵۔ سیتاجی
از مسٹر عبدالباقی حیرا چوری
- ۱۵۲ ۱۶۔ ایک غیر معروف مرثیہ گو (انترہ) از خاں صاحب مرزا جعفر علی خاں آئر لکھنوی بی۔ اے
- ۱۶۵ ۱۷۔ یورپ اور امریکہ کے کتب خانے
از ابوالفضل راز چاند پوری
- ۱۶۸ ۱۸۔ تمنائے مہجور
مترجمہ مسٹر جان محمد عاطف
- ۱۹۳ ۱۹۔ ادب الکاتب والشاعر
از نواب حیدر نواز جنگ بہادر مولانا علی حیدر صاحب نظم طباطبائی
- ۱۹۹ ۲۰۔ ہندو مذہب میں خدا کا تصور
مترجمہ خاں صاحب مرزا جعفر علی خاں آئر لکھنوی بی۔ اے
- ۲۰۴ ۲۱۔ جنگ فلسفہ و نفسیات
از مسٹر سلیم جعفر
- ۲۱۴ ۲۲۔ موجبات جنگ
از مسٹر منوہر لال طالب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔
- ۲۱۸ ۲۳۔ رحیم کے دوہے
از منشی ہری کشن صاحب بی۔ اے۔ سی۔ ٹی
- ۲۲۲ ۲۴۔ سرکار آصفیہ کا جدید تعلیق ٹائپ
از مسٹر لنگا پرشاد ورما بی۔ اے۔
- ۲۲۹ ۲۵۔ پریم لٹا (قصہ)
از مسٹر لنگا پرشاد ورما بی۔ اے۔
- ۲۵۷ ۲۶۔ حکیم محمد قاسم فرشتہ
از سید احمد اللہ قادری نائب ایڈیٹر تاریخ
- ۲۶۶ ۲۷۔ سارناتھ
از رائے بہادر پتت شینو زین نسیم ایڈووکیٹ لاہور
- ۲۸۳ ۲۸۔ دیوان جہان
از مسٹر محمد حفیظ سید ایم۔ اے۔ ایل۔ ٹی۔ مقیم لندن۔
- ۲۸۷ ۲۹۔ منشی درگا پرشاد بیکنٹھ باشی
از خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی
- ۲۹۳ ۳۰۔ شعرا اور موت
از جناب محمد عبدالوہاب مسلم
- ۲۹۸ ۳۱۔ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے پیچیدہ مسائل
از اجازت نویس
- ۳۰۷ ۳۲۔ تنقید (مسئلہ ارتقا اور مہم عالم)
از ٹھاکر جے۔ آر۔ رائے صاحب
- ۳۲۱ ۳۳۔ مغل مصوری
از مسٹر گلشنو ناتھ ورما بیاب بریلوی بی۔ اے۔
- ۳۳۰ ۳۴۔ حکومت انگلستان میں پارلیمینٹ
از مسٹر اننت پرشاد گم بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔

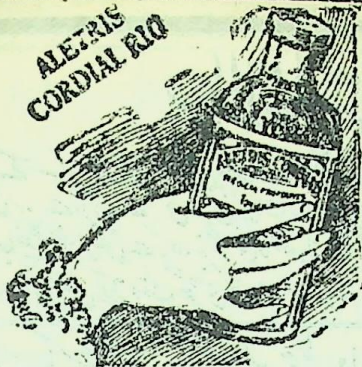
- ۳۳۷ - مرثیہ گوئی کا ابتدائی دور از خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی
- ۳۳۲ - ہندوستانی تہذیب اور عورت از ڈاکٹر اندرانا تھ ملک ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔
- ۳۳۵ - سوامی رام تیرتھ آنجنانی
- ۳۳۸ - امید (قصہ) از مسٹر محمد اسحاق ایم۔ اے۔
- ۳۳۹ - شادی کا تحفہ (قصہ) از مسٹر محمد اظہار الحسن بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔
- ۳۴۰ - ملک عنبر از سید احمد اللہ قادری نائب ایڈیٹر تاریخ۔
- ۳۴۱ - تنقید کتب: نفیات شباب وغیرہ
- ۵۱
- ۱۰۵ - پدم پراگ - کبیر صاحب - پیام محبت - تابش خیال - انقلاب افغانستان وغیرہ
- ۱۰۰ - انادات سدی - الہام منظوم - میر عالم حسن کی چنگاری۔
- ۲۳۷ - روح ظرافت - شیون - آفتاب وطن وغیرہ۔
- ۳۶۵ - کلیات غزیز - صحیفہ دلا - سماج امریکہ وغیرہ
- ۳۸۲ - ۳۲۰ - ۲۵۳ - ۱۸۹ - ۱۲۱ - ۶۱
- ۶۴ - علمی خبریں اور نوٹ
- ۴۳ - مراسلات
- ۶۴ - مباحثہ
- ۱۷۲ - ۱۲۲
- ۴۵ - یاد و رفتگان (۱) مہاراجہ سر پرچھو نرائن سنگھ مرحوم
- ۱۸۵ (۲) مسٹر ایس۔ خدابخش مرحوم
- (۳) مسٹر کے۔ سی۔ رائے مرحوم
- ۲۲۳ (۴) پنڈت دشنو ڈگامر مرحوم
- ۳۷۸ (۵) منشی جے دیال مرحوم
- ۳۸۰ (۶) شری متی ہیرا کنور اور چاند رانی مرحوم

منظوم

- ۵۵ - ۲۶ ہمالہ سے دو دو باتیں از جناب شیا م موہن لال جگر بی۔ اے۔ بریلوی
- ۵۸ - ۲۷ - آرزو از سید سلطان احمد عظیم آبادی
- ۵۹ - ۲۸ - رباعیات از منشی ملوک چند محمد بی۔ اے۔

- ۱۱۳ - ۴۹ - قلم از خان بہادر سید الشہر اسید علی محمد شاد عظیم آبادی مرحوم
- ۱۱۴ - ۵۰ - افکار صغی از لسان الملک جناب صغی لکھنوی
- ۱۱۵ - ۵۱ - برسات کا ایک منظر از مسٹر شام موہن لال جگر بی۔ اے۔ بریلوی
- ۱۱۸ - ۵۲ - خمسہ غزل حضرت دالغ مرحوم از حضرت آحسن مارہروی
- ۱۶۹ - ۵۳ - یاد ایام از حضرت جوش ملیح آبادی۔
- ۱۸۰ - ۵۴ - آئینہ از مسٹر گورن لال ادیب بی۔ اے۔ لکھنوی۔
- ۱۸۱ - ۵۵ - نوائے محوی از جناب محوی صدیقی لکھنوی۔
- ۱۸۲ - ۵۶ - ہنگامہ کانپور از جناب اقبال وراثت ہنگامی
- ۲۴۷ - ۵۷ - مہاتما گاندھی کی روانگی، از چودھری عکبت موہن لال روال ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی
- ۲۴۹ - ۵۸ - فریاد دل۔ از جناب مولوی محوی صدیقی لکھنوی۔
- ۳۱۶ - ۵۹ - پند سودمند از مولانا سید علی حیدر طباطبائی المتخاطب بہ نواب حیدر نواز جنگ بہادر
- ۳۱۸ - ۶۰ - چودھویں کا چاند از جناب مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی۔
- ۳۱۹ - ۶۱ - دور حیات از جناب تسبیح الہ آبادی۔
- ۳۷۰ - ۶۲ - تجدد پر محمد از پروفیسر آسار ام کوٹشک اتر ایم۔ اے۔
- ۳۷۱ - ۶۳ - بے نیاز عنوان از مولوی محمد طاہر فاروقی ظاہر
- ۳۷۲ - ۶۴ - گل افتادہ از جناب گورن لال ادیب لکھنوی۔ بی۔ اے۔
- ۳۷۴ - ۶۵ - فلسفہ حیات و ممات۔ از پنڈت اندرجیت شرما۔
- ۹۰ - ۶۶ - لطف سخن :- انتخاب مشاعرہ غازی آباد
- ۱۱۹ - از حضرات اختر۔ منور۔ کبیل۔ سرشار۔ طاہر
- ۱۸۳ - از حضرات برقی۔ اختر۔ سمندر
- ۲۵۱ - انتخاب مشاعرہ غازی آباد
- ۳۷۵ - از حضرات برقی۔ بیاب وغیرہ۔

ALEXIS
CORDIAL RIO



THE WOMAN'S TONIC

الطراس کا ڈی ایل یعنی اکیس ریسو

ڈاکٹر اس کو جسمانی صحت کے لیے بہترین دوا قرار دیتے ہیں

ہر گھر میں اس کا رہنا نہایت ضروری ہے

ماں بہن اور بیٹی کے واسطے بہترین دوائی

Rio Chemical Co;

79, BARROW STREET
NEW YORK (U.S.A)

ہندو شعرا

خواجہ عشرت لکھنوی کی جدید تالیف چار سو پچاس گزشتہ
و موجودہ ہندو شعرا کے حالات موثر و دلکش قابل دید چیدہ

اشعار قیمت

ہندو ادب بقا گزشتہ و موجودہ شعرا کے حالات

شاعری کا مکمل سٹ چار سولہ دس

لغات اردو مکمل سٹ

حال اردو ہندی اور اردو کی حقیقت الفاظ کا فرق

اصلاح زبان اردو - متر و کات کی تشریح

ترجمان پارسی اردو سے فارسی بننے کی آسان ترکیب

زبان دانی - اردو کے مستند قواعد

اصول اردو - صرف و نحو کے مختصر قواعد

المش

مینجر عشرت بک ڈپو - احاطہ خانہ ماں لکھنؤ

انقلاب زندہ یاد

انتخاب الاحواب

زندگی میں آسودگی اور آرام اچھا نام اور اچھے کام نہ ہوئے تو زندگی ہی ناکام ہے لیکن جب آپ کی صحت ہی اچھی
نہیں اور جسم میں طاقت ہی نہیں تو ان کا حاصل کرنا غیر ممکن ہے۔ اگر آپ اپنی حالت میں انقلاب چاہتے ہیں تو اس
کے لیے مقدمات سرتاج عالم آئنک نگرہ گولیاں کا انتخاب لا جواب ہوگا۔ یہ گولیاں آپ کی جلد شکایتوں - قبض - بد ہضمی - زوال
اورنی کی خرابی - وکی - جریان - احتلام - سرعت انزال - دل و دماغ کی کمزوری - قوت ہائے اور قوت حافظہ کی کمی اور جلد شکایتوں کو
دور کر کے پورا آرام پہنچانے کے آسودگی عطا کر کے اچھے اور اہم کام کے انجام دینے کی ہمت عطا کر کے نامور بنا دیگی۔ قیمت فی ڈبیرہ ۳۲
گولیاں ۵۰ ڈبیراں ۵۰ علاوہ محصول ڈاک۔۔۔ اسی طرح ہمارا اطلاق کرنا ہے۔ تمام بیرونی نقائص دور کر کے اعلیٰ درجہ
کی مردی عطا کرنے میں پوری فتح حاصل کر چکا ہے۔ قیمت فی شیشی پانچ روپیہ ص
صحت مند رستی کی گنجراہ راست کی رہبر اور سب سے عمدہ مضامین سے مزین کتاب کام شاستر بالکل مفت طلب فرمائیے۔

وید شاستری، جام نگر - کاٹھیاوار

ایجنٹ - عبدالکریم اینڈ سنسر - مسٹن روڈ - کابنور



ڈاکٹر ایس کے برمن
ڈاکٹر ایس کے برمن



سنہ ۱۹۸۳ء

چاس سالوں سے ہندوستانی پیٹنٹ دواؤں کے بے مثل موجد
بچوں کا پیارا!

لال شر (REGD) (لال شربت)

بچے۔ لڑکے اور بڑے سوتے کے لئے مثل آب حیات اکیس بچے میٹھا اور خوش ذائقہ ہونے کی وجہ سے بچے بڑے شوق سے پیتے ہیں اس سے ان کی ہڈی مضبوط جسم قوی اور خون گاڑھا ہو کر کف کھانسی۔ بد ہضمی و لاغری مٹنے ہوتی ہے۔ بچوں کی کمزوری اور ان میں دودھ کی کمی کو مٹانے کی اس میں بے مثل طاقت ہے۔
قیمت فی شیشی تیرہ آنہ ۱۳ ار محمول ڈاک دس آنہ ۱۰ ار نمونہ کی شیشی دوا آنہ
جو صرف ریجنٹوں سے مل سکتی ہے۔

دوب۔ دمہ (REGD)

لاکھوں مریضوں پر آزمودہ یہ دوا ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مشہور ہے۔ دمہ خواہ کتنے ہی روز کا اٹھا ہو دسے ایک خواہ دو خوراک پیتے ہی دب جاتا ہے۔ دمہ کے جو مریض اور دوائیں کھا کر نا امید ہو چکے ہوں ان کو اس دوا کی بھی آزمائش کرنی چاہیئے۔
قیمت فی شیشی ایک روپیہ چھ آنہ ۱۲ ار ڈاک محمول سات آنہ ۷

ہماری دوائیں سب جگہ دوا خانوں میں فروخت ہوتی ہیں۔ ڈاک خج بہت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے اس کی نوٹیفکیشن کے لحاظ سے اپنے مقامی نمائندے ریجنٹ سے خریدیں۔

صیفہ نمبر (۶) پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴۔ کلکتہ (ایجنٹ کا بنو نیا گنج میں محمد حفیظ مصیور صاحبان)

علمی ذوق رکھنے والے احقر امجد ذیل کتابیں ضرور پڑھیں

بزم خیال

اس میں اردو اور فارسی شعر کی مجالس کے لطائف و ظرائف اور برجستہ گوئی و حاضر جوابی کے نمونے جمع کئے گئے ہیں جو خوش مذاق حضرات کی تفریح کا بہترین سامان ہے۔
قیمت صرف ایک روپیہ ۷۵

خاک پروانہ

منشی پریم چند کی تازہ ترین چودہ منتخب مضامین کا مجموعہ پریم چند صاحب کے افسانے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔
قیمت ایک روپیہ ۷۵

گلزارِ دل

فصیح الملک جناب دلع دہلوی کا مشہور و مقبول دیوان ہے جو حال میں حسن و خوبی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ دلع صاحب کا کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ قیمت بلحاظ دیوان صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ ۷۵

استحاب او دھنچ

اجتار او دھنچ لکھنؤ کے ان مضامین کا مجموعہ جو ۱۹۳۷ء میں اس میں شائع ہوئے تھے علاوہ اس کے بہت سا تفریح کا سامان بھی موجود ہے۔
قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ ۷۵

مثنوی سحر

یعنی شکستہ و دشینت منظوم حضرت سحر ہنگامی کے شاعرانہ کمال کا اعجاز اول ادیشن کی قیمت ۶ روپے ۷۵
ادیشن کی قیمت جس کی مصنف نے نظر ثانی بھی کی ہے صرف ۸ روپے ۷۵

مرقع ادب

حصہ اول و دوم مرتبہ جناب صفدر مرزا پوری ہیں ہندوستان کے مشہور ادا و شاعر کے خطوط جمع کئے گئے ہیں جو انھوں نے اپنے احباب وغیرہ کو لکھے ہیں قیمت حصہ اول ۷ روپے ۷۵

ہندو تہواروں کی اصلیت

اس کتاب میں منشی رام پرشاد صاحب بی۔ اے ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بستی نے ہندو تہواروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت نہایت واضح اور آسان زبان میں لکھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں کا اخلاقی اور تمدنی انتظام اور ہندو تہواروں کی ضرورت بھی اظہار خیال کیا ہے۔
قیمت فی جلد ۹ روپے ۷۵

بہرام کی رہائی

نیلی چھتری اور بہرام کی گرفتاری کے بعد اس کا پڑھنا نہایت ضروری ہے قیمت ۷ روپے ۷۵

خیالات عزیز مرزا

مجموعہ مضامین مولوی عزیز مرزا صاحب کی اپنا طبعی ہوشیاری و محکم ۲ سو صفحات پر ورق مصنف کی تصویر کا پائل خوشنما ہیں لکھائی پچھائی اعلیٰ قیمت صرف دو روپیہ ۷۵

۱۰۰ اور کم کی چیزیں

ماہنامہ عکس و تصویر

۱۰۰ اور کم کی چیزیں

یہ تصاویر فٹن بلاک سے عمدہ آرٹ پیپر پر شائع ہوئی ہیں اور ان کو عام پسند کی کاغذ حاصل ہے

۲	عکس کارنی	۲	عکس شیشی سواری	۲	حضرت انیس حرم	۲	سرالار جنگ	۲	کرل بھولانا تھ
۲	نگار دھندلیم	۲	کاجوس	۲	حضرت سرور	۲	ڈاکٹر نذیر احمد	۲	نیلوت مریالی ہنز
۲	سمندر ساش	۲	جامعہ جیوڑ	۲	مولوی غفر زجا	۲	ارکین دیانند کالج	۲	لارلا پت رلے
۲	امید و ناداری	۲	پیش کش تانہ سلیم	۲	بابو مالکند گپتا	۲	مسٹر تمک	۲	ڈاکٹر شیخ بہادر پٹر
۲	مہاراجہ پرتھی ساج	۲	دربار جہاگیریں	۲	اڈیٹر عہارت مٹر	۲	جسٹس محمود	۲	سر سید ایم رحمت اللہ
۲	شیواجی اور رامس	۲	سیفر فارس	۲	مشاعرہ کیننگ کالج	۲	بابو سریندر ناتھ بھجی	۲	لارلا پت رلے
۲	قدیم زمانہ کا طاق جنگ	۲	دارالعلوم کاسر اڈیٹ	۲	مشاعرہ ۱۹۱۶ء	۲	سر کالچن بھجی	۲	راجہ شام محمد آباد
۲	یورپ کا ایک عرک	۲	کے سانچے پیش ہوتا ہے	۲	منشی احمد علی شوق	۲	سرام کرشن بھینڈا	۲	لارلا پت رلے
۲	ایک قدیم شہر کی عکس	۲	سیرن صاحب میر جعفر	۲	مرزا سلطان احمد	۲	بابو لنگا پت شادو	۲	سر آغا خاں
۲	مصطفیٰ کمال پاشا کی	۲	ٹیپو سلطان	۲	مرزا میر فتح سودا	۲	سوامی دیوکانند	۲	مولانا محمد علی
۲	ترکی کوئل	۲	دربار مادیو راؤ پتیرا	۲	مرزا انشا اللہ خاں	۲	نواب حسن الملک	۲	مسٹر سید نذیر سہا
۲	عکس کی تیاری	۲	دربار شاہ عباس	۲	مولانا عبدلرزاق البرکات	۲	مسٹر بس بہاری	۲	سر سید رنجی نائیڈو
۲	سید زمان اور دزدی	۲	موتی تصاویر	۲	مولانا آزاد دہلوی	۲	ڈاکٹر سستیش چند	۲	مسٹر وی بی بادھو
۲	راجہ ٹھانڈا کے بیٹے	۲	ماہ جیت ۲۰۱۶ء	۲	مسٹر رام بابو سکینہ	۲	بھجی	۲	راؤ
۲	کا قتل	۲	جیت ۲۰۱۶ء	۲	منشی نوبت رائے	۲	نیلوت بھجی	۲	ہما تانیشی رام
۲	بایدرا اور دیو کی قید	۲	ہوادو ۲۰۱۶ء	۲	جناب جلیت	۲	بابو پرتاب چند	۲	سوامی شر دیانند
۲	زوجہ پیش منعلق سیک	۲	بھان ۲۰۱۶ء	۲	حضرت صفی	۲	بھجی	۲	سر سید ناتھ بھجی
۲	دوت کالیڈاس	۲	مشہور انشا	۲	ڈاکٹر اقبال	۲	جسٹس لالیم	۲	بھگور
۲	اوتھ بدھ	۲	پردازان اردو	۲	مولانا حسن نظامی	۲	آزیزیل مسٹر گھٹلے	۲	بابو بھگوانداس
۲	اکبر اعظم	۲	نولان شیلی	۲	لیڈر ان مینڈو	۲	انجن خادمانند	۲	سید امیر علی
۲	راجہ مان سنگھ	۲	نولان شیلی	۲	ناموران ملک	۲	مسٹر راماس	۲	نواب سید حسن
۲	اکبر اور جیتے کا شکار	۲	نولان شیلی	۲	راجہ رام موہن	۲	ہما تان گاندھی	۲	بھگوری
۲	دربار شاہ جمال	۲	نولان شیلی	۲	مسٹر دادا بھائی نورجی	۲	نیلوت مریالی	۲	نواب سید محمد

زمانہ بک ایجنسی کان پور سے منگائیے

اشتقاق حسین قریشی صاحب الیم۔ اے کا وہ دلچسپ ڈراما جس میں کم عمر بھئی اور بزرگوار "شوم" کے معاملات قدرے خرافات آمیز پر ایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ ابھی سوکھی میں اسٹیج کرنے کیلئے یہ ڈراما بہت مناسب طبعاً کتابت کا غنیمت اچھا۔ یہ اردو کی ان کتابوں میں سے ہے جو تمام لوازم اشاعت سے آراستہ ہوتی ہیں۔ ۶۔

گناہ کی دیوار (ڈراما)

مصنفہ اشتقاق حسین قریشی صاحب الیم۔ اے۔ گناہ بڑی چیز ہے لیکن شقاوت قلب اور تکبر بدتر ہیں۔ گناہ کی دیوار تیار ہو سکتی ہے لیکن شقاوت قلب اور تکبر کے بتوں کو توڑنا بہت دشوار ہے۔ یہ ایک باعصمت خاتون کا قصہ ہے جسے کچھ عرصہ تک مجبوراً عصمت فروشی کی زندگی گزارنی پڑی لیکن بالآخر خدا نے اُس کی گریہ وزاری سُن لی اور اس زندگی سے نجات دلائی۔ قیمت ۸۔

کھیتی (ڈراما)

مصنفہ محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن) مسلمانوں کی ذہنی اور قومی رہنمائی کے لئے ایک دلچسپ ڈراما مذہب اور اخلاق کس رستے پر چلانا چاہتے ہیں۔ زمانے کی مصطلحات، قوم و ملت کی ضروریات سب پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ اور ایک معیار بھی تجویز کیا گیا ہے جو رہنمائی کے دعویداروں کو پرکھنے میں کام آ سکتا ہے۔ قیمت صرف ۶۔

پردہ غفلت

سید عابد حسین صاحب الیم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کا وہ ڈراما جو انھوں نے قیام جرمنی میں لکھا وہیں جیسوایا تھا۔ مسلمان خاندانوں کی معاشرت کی سچی تصویر۔ تعلیم نسواں، آزادی نسواں اور پردہ پر مفید بحث۔ دلچسپ طرائف آمیز اور نتیجہ خیز نقشہ۔ عمدہ طبعاً۔ قیمت اکیروپہ لہ۔

زمانہ

مرتبہ دیا زائن نگم بی۔ اے

جلد	فروری ۱۹۳۲ء	نمبر
-----	-------------	------

فہرست مضامین

تصاویر: سور داس . پنڈت من موہن صاحب مالویہ، آرنیبل سرمنڈیشی مرحوم

۱۔ ماثر الحرب	۱۱۲
از مولانا محمد عبدالرزاق صاحب کپوری مصنف البراکہ وغیرہ ۷۳	
۲۔ سور داس	۱۱۹
از پنڈت ہرنے زاین پانڈے ہردیش ۹۹	
۳۔ دھرماتما مالوی جی	۱۲۷
از جناب اقبال دھرماتما سنگھی ۱۰۲	
۴۔ چین اور دیگر ممالک کے گداگر	۱۰۷
از سید انور حمید سہارنپوری	
۵۔ کتب خانے اور ان کی حفاظت	۱۲۹
از ماسے بہادر پنڈت شیر زاین تنیم آیتہ وکیٹ لاہور ۱۱۱	
۶۔ تنقید کتب	
دیکھتی گناہ کی دیوار بہزاد، اکبر کے افسانے وغیرہ	
۷۔ شاعر سے خطاب	
از پنڈت برج بھون دھارتی کیتی دہلوی بی۔ اے	
۸۔ کلام اثر	
از خاں صاحب منہاج محمد علی صاحب آثر لکھنوی بی۔ اے	
۹۔ نوائے محوی	
از مولانا محوی صدیقی لکھنوی (مدراس)	
۱۰۔ علمی خبریں اور نوٹ	
از ایڈیٹر - - - - -	

قیمت فی پرچہ ۴
 زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا
 قیمت سالانہ ۱۲
 قیمت سالانہ مالک غیر سے ۱۲ (شش ماہی ۶) ہندوستان سے شش ماہی قیمت تین روپیہ

ادب لکھنو

اُردو کے ان بہت ہی مقوّڑے رسالوں میں سے ہے جن کا پڑھنا ذوق سلیم پر آتا ہی فرض ہے جتنا اکثر رسالوں سے سختی کے ساتھ برسرِ سرنا، یہ ہندوستان کے اکثر افاضل کی رائے ہے۔ صاحبانِ علم حلد توجہ فرمائیں۔ سالانہ قیمت للغیر ہے۔ نمونہ طلب کریں مگر حروف شناس اصحاب یہ زحمت نہ اٹھائیں

المنہج
مینجر ادب، لکھنؤ

آزاد

اُردو کا ایک بہترین مفتہ وار اخبار

رسالہ "آزاد" کے ایڈیٹوریل اسٹاف کی ادارت میں ہر جمعرات کو زمانہ پریس کلنچر سے ۱۸x۲۲ کی بڑی تقطیع پر شائع ہوتا ہے۔ واقعات کا ایک مکمل مجموعہ دیکھنا ہو تو اخبار "آزاد" کی خریداری شروع فرمائیے۔

نمونہ مفت
قیمت سالانہ سے ارشاد فرمائیے
مینجر آزاد کا پورے منگائیے

پیام تسلیم

طلبہ کا سب سے اچھا اخبار
جو تقریباً پھر برس سے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے شائع ہو رہا ہے
چند سالانہ

اُردو کے تمام اخبارات و رسائل میں طلبہ کیلئے پیام تعلیم سے زیادہ مفید کوئی اخبار نہیں، اخبار کیا ہے ایک شفیق اُستاد ہے۔ جغرافیہ، تاریخ سائنس کے مضامین اور اخلاقی پند و نصائح۔ کہانیوں، نظموں، مسموں اور تصویروں کا ایک دلچسپ مجموعہ جماعت میں جن مضامین سے لڑکے جی چڑاتے ہیں۔ پیام تعلیم میں خوشی سے پڑھتے ہیں۔

پیام تعلیم
سالانہ امتحان میں کامیاب کر دیتا ہے
تعلیمی ضرورت بھی پوری ہو گئی
کیونکہ

پیام تعلیم میں وہ تمام باتیں ہوتی ہیں جن کی اسکول کے رٹکوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ اس اخبار کی یہ خوبی ہے کہ ہر سال تعلیم نے اسکولوں کیلئے سرکاری طور پر خرید لیا ہے اور طلبہ کو اُردو کے عام گزہ لٹریچر سے بچانے کے لئے واحد اخبار تجویز کیا ہے۔ ہر ماہ میں دو بار شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ

مینجر پیام تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ
دہلی

ALERT
CORDIAL RIO



THE WOMAN'S TONIC

اٹراکٹو ویمنز ٹونک
ڈاکٹر اس کو حیاتی صحت کے لئے بہترین دوا قرار دیتے ہیں
ہر گھنٹہ اس کا رہنا نہایت مفوری ہے
ماں بی بی مہین کے واسطے بہترین دوائی

Rio Chemical Co;
79, BARROW STREET
NEW YORK (U.S.A)

ہندو شعرا

خواجہ شرت لکھنوی کی جدید تالیف چار سو پچاس گزشتہ و
موجودہ ہندو شعرا کے حالات میں ترو و کش تاہل دید چیدہ

اشعار - قیمت ۱۰ روپے
تذکرہ آب بقا گذشتہ موجودہ شعرا کے حالات - ۱۰ روپے
شاعری کا مکمل سٹ چار جلدوں میں - ۱۰ روپے
نغات اردو مکمل سٹ - ۱۰ روپے
سال اردو ہندی اور اردو کی حقیقت الفاظ کا فرق - ۱۰ روپے
اصلاح زبان اردو - سزوکات کی تشریح - ۱۰ روپے
ترجمان پارس اردو سے فارسی بنانے کی آسان ترکیب - ۱۰ روپے
زبان دانی - اردو کے مستند قواعد - ۱۰ روپے
امبول اردو - صرف و نحو کے مختصر قواعد - ۱۰ روپے

۱۲ ملشتہ
میں جو شرت بکٹ پو - احاطہ خانہ مالک لکھنؤ

انقلاب زندہ باو انتخاب لاجواب

زندگی میں کس سوئی اور آرام اچھا نام اور اچھے کام نہ ہوئے تو زندگی ہی ناکام ہے لیکن جب آپ کی صحت ہی اچھی نہیں اور جسم میں طاقت ہی نہیں تو ان کا حاصل کرنا غیر ممکن ہے۔ اگر آپ اپنی حالت میں انقلاب چاہتے ہیں تو اس کے لئے مقویات سرتاج عالم آتش نگرہ گولیاں کا انتخاب لاجواب ہو گا۔ یہ گولیاں آپ کی جلد شکایتوں - قبض - بے ہضمی - خون اور مٹی کی خرابی - کمزوری - جریان - احتلام - سرعت انزال - دل و دماغ کی کمزوری - قوت ہاضمہ اور قوت حافظہ کی کمی اور جلد شکایتوں کو دور کر کے پورا آرام پہنچانے کے آسودگی عطا کر کے اچھے اور اہم کام کے انجام دینے کی ہمت عطا کر کے نامور نادی قیمت فیڈیم ۳۲ گولیاں ہر دہائیوں کے علاوہ حصول ڈاک - اسی طرح ہمارا علاوہ راجی کرنا ہے - تمام یہ مونی نقص دور کر کے اعلیٰ درجہ کی مردی عطا کرنے میں یوری فوج حاصل کر چکا ہے - قیمت فیڈیم ۳۲ گولیاں یا پھر وہی صر صحت تندرستی کی پھر راہ راست کی رہبر اور سب عمدہ مضامین سے مزین کتاب کام شاستر بالکل مفت طلب فرمائیے۔

وید شاستری، جام نگر - کاٹھیاواڑ

ایجنٹ - عبدالکریم اینڈ سنز - سٹن روڈ - کان پور

زمانہ یک یحسبی الی الحسب قابل بدست ایس

اصح چانکیہ

یعنی نامور سند چانکیہ کے مشہور و معروف و فنی کا ترجمہ از جناب پڈت ہمت راد صاحب مددگار خزانہ سرکار عامہ گورنمنٹ نظام دام اتیالہ قیمت ۶

گل کردہ

لسان الملک حضرت عزیز اللہ کا مجموعہ کلام جس کا ہر صفحہ ایک جہن زار اور ہر شعر ایک خوش رنگ بھول ہے قیمت ۴

لسان العیب

شرح دیوان حافظ موقوف بہ شرح عمری ملک مشہور اہل قلم حضرت کی رائے ہے کہ یہ شرح کیا فی کے درجہ تک بھونگی ہے قیمت جلد اولی ۸

کاسل کلام

شرح دیوان غلام محفل سوا جمعہ ہی تمام آریاب سخن اس پر لافانی ہے کہ اس موضوع پر اس سے زیادہ مکمل درجہ کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی قیمت تین روپیہ سے

قومی تحریک سالہ زمانہ

جس میں، قابل دیدن مضامین نظم و نثر اور نیک و سادہ تصانیف اور کہا تا کا گندھی اور لالہ لاجپت رائے ڈاکٹر سپر و مینز نا پڑو۔ ڈاکٹر اتیال کے خاص پیمائش اور بہت سے قابل دیدن مضامین نظم و نثر شائع ہوتے ہیں قیمت ۲

اثرستان

ملک مشہور نیک سرزاد جعفر علی خان اثر گندھی کا دیوان جس کا ہر مصرعہ برتا شہر اور ہر شعر تہذیب نشتر ہے قیمت ۴

کلیں موت

دہ لڑکیوں کی قدیم و شہساز حال کا مقابلہ ایک یوین اسکول اور دوسری کو گنڈا دھال میں داخل کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کیا وہ دیالہ کی لڑکی یعنی شوشیل حالت میں بہتر ہے قیمت ۸

روکھی رانی

جس میں حسن و عشق کی بے تحی داستان اور راز و نیاز کا دلچسپ معرکہ اور تریا ہٹ کی دلکش مثال موجود ہے قیمت چھ آنہ ۲

پریم سبتی

یعنی اردو کے مشہور شاعر نگار منشی پریم چند بی اے کے ہر قصوں کا مجموعہ زبان کی لطافت اور بیان کی صفائی قابل دید ہے حصہ اول ۱۲ حصہ دوم ۱۲

دنیا سے راز

از ابو الفاضل راز بان دیواری قدیم وجدید کی دلکش نظموں کا مجموعہ ہے نظم بلحاظ موضوع مکمل نتیجہ حسن ہے تصویر مصنف قیمت صرف ۴

یادگار قومی

جس میں ملک کے مشہور ترین انشائیہ دانوں کے ۵۰ مضامین اور چار عکسی تصاویر ہیں کاغذ لکھائی جمائی صاف ہے قیمت ایک روپیہ ۴

ترجمہ امانت منظوم

بال کاٹھ کا اصلی حصہ ہے جو اور چوپایان ہندی ترجمہ اردو اشعار میں مترجمہ پیر شاہ تصور قیمت ۴

سیر المصطفین

اردو انشائیہ دلازی کی مکمل تاریخ از جناب مولوی محمد عیسیٰ صاحب بی اے شعر البیاض شادون کا جامع تذکرہ قیمت ۴

طریق دہلی

یہ کتاب ہر شخص کے قابل خرید ہے دولت کی یاد سب کو ہے لیکن دولت کمانے کے طریقوں سے لوگ واقف ہیں اس کتاب میں دولت حاصل کرنے کے طریقے نہایت خوبی سے ملتے ہیں قیمت ۸

اردو مضمون نویسی

مصنوع لکھنے کیمتعلق بابو ہامکپڑا دی آپریسی کتاب عمدہ کتاب ہے قیمت ۸

حیات بھوہ

جس میں مصنف نے ہر کان کی حالت زار کا سچا و فوری بیان اور کی جانچا ہے مصیبتوں کا دلدار سین پیش کیا ہے قیمت ۵

زمانہ یک یحسبی الی الحسب قابل بدست ایس

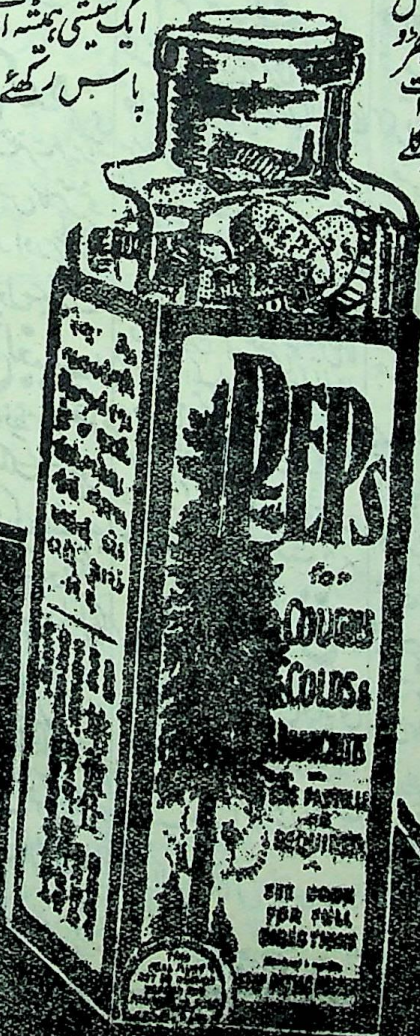
Peps پیپس

سانس کیساتھ استعمال ہونیوالی حیرت انگیز دوا

کھانسی سردی بھندہ طحلق کی سورش برانکٹیز وغیرہ کیواسطے

کھانسی سردی اور برانکٹیز کیواسطے یہ حیرت انگیز پیپس کے ٹکیوں کی دوا جن سے ایسے کیسائی
فحارات نکلتے ہیں جو سانس کے ساتھ براہ راست سانس کیساتھ پھیپھڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔
یک بہت ہی اہم ایجاد ہے۔

ایک شیشی ہمیشہ اپنے
پاس رکھے



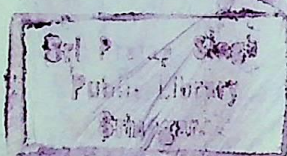
جیسے ہی مفید پیپس منہ میں گھلتی ہیں تو ان سے پھیپھڑوں
کے حق میں مفید صنوبر کے درختوں کی ہوا کا جو ہر تجارت
کی شکل میں نکلتی ہیں۔ پیپس حلق کی نازک جھیلوں اور گلے
کے اندر پھیپھڑوں تک سانس لینے والی نیلیوں پر
ایک فوری تسکین دہ صحت بخش اور جراثیم کش
اثر ڈالتی ہیں۔ پیپس خطرناک جراثیم کو مار ڈالتی ہیں
وہ سینہ کو تسکین اور طاقت دیتی ہیں اور ہر قسم کی
کھانسی۔ بھندہ یا خطرناک سردی کو پورے طور
پر فوری تدارک کرتی ہیں۔

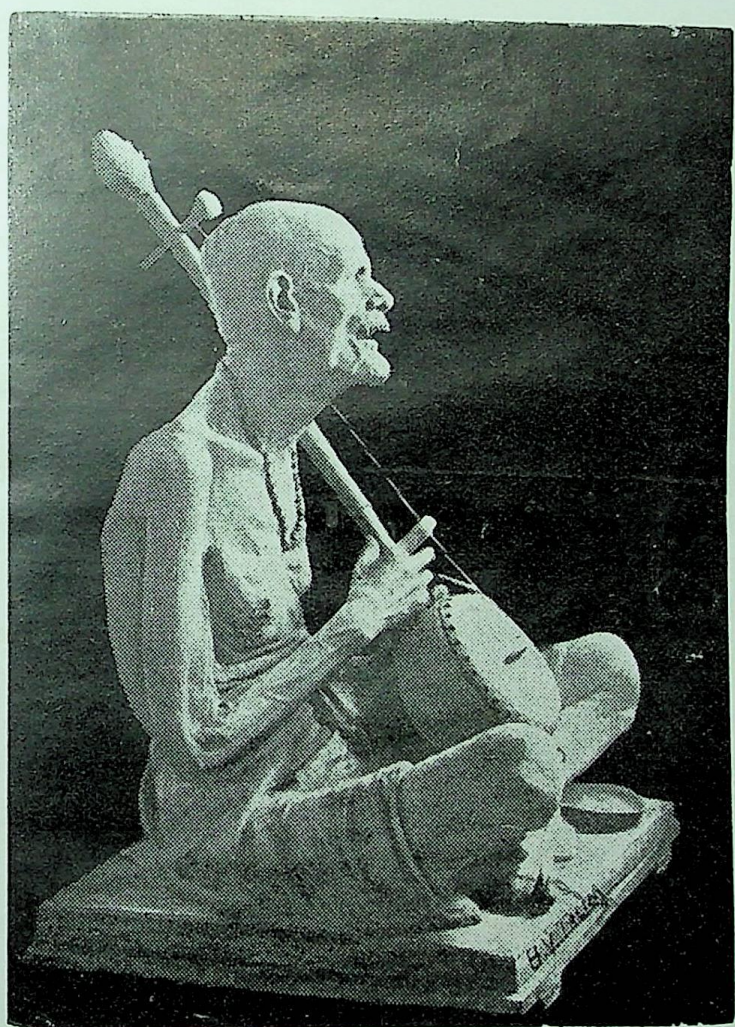
پیپس کی ہر ٹکیہ پر نفرتی غلاف ہوتا ہے

تمام انگریزی دوا فروش پیپس فروخت کرتے ہیں

قیمت فی شیشی ایک روپیہ (عمر)

ایم جی ٹی۔ سرز اسٹریٹسٹرٹ اینڈ
بائیکا کی مکلفہ





سورداس

زمانہ

نمبر ۲

فروری ۱۹۳۲ء

جلد ۵

ماثر العرب

از مولانا محمد عبدالرزاق صاحب کانپوری مصنف البرکۃ وغیرہ

جزیرۃ العرب اسلام کا گوارہ اور مسلمانوں کا مرکز ارضی ہے، اور جو قوم اس ملک میں آباد ہے وہ اقوام عالم میں ایک عظیم الشان درجہ رکھتی ہے اور اس کی تاریخی عظمت صدیوں سے مسلم ہے۔
تاریخی تقسیم عربوں کی تاریخ و حصوں پر تقسیم ہے، ایک قبل اسلام جس کو اصطلاحاً "عہد جاہلیت" کہتے ہیں اور دوسرا دور "عہد اسلام" کا ہے۔

واقعات کے لحاظ سے یہ دونوں دور نہایت شاندار ہیں۔ دور اول کی نسبت عموماً یہ خیال ہے کہ یہ عربوں کا عہد ظلمت تھا، اس زمانہ میں ان کی زندگی وحشیانہ تھی اور وہ دن رات خانہ جنگیوں اور ڈکیٹیوں میں مصروف رہتے تھے اور ان میں کوئی اخلاقی و تمدنی جوہر نہ تھے مگر اس خیال کی تاریخ سے تردید ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں بھی ان میں شرفیادہ اوصاف تھے جن پر وہ فخر کیا کرتے تھے یہاں یہ اور بات ہے کہ جب عربوں میں اسلام کا ظہور ہوا تو ان کے بعض محاسن ذمائم قرار پائے اور اسلامی شریعت نے ان کو ناجائز قرار دیا۔ چنانچہ اس مختصر مضمون میں ہم عربوں کے وہ مآثر لکھتے ہیں جن کا تعلق عہد جاہلیت سے ہے۔

ا۔ حریت آزادی یا خود مختاری اور اپنی عزت آپ کرنا، یہ عربوں کی ایک طبعی صفت ہے، ہر عرب یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں مجھ سے زیادہ کوئی آزاد اور حریت پسند نہیں ہے۔ قدیم عربوں میں یہ خیال اس درجہ راسخ تھا کہ ہر شخص اپنے آپ کو بادشاہ وقت جانتا تھا چنانچہ واقعات سے قطع نظر کر کے اس خیال کی تائید متعدد الفاظ

اور امثال عرب سے بھی ہوتی ہے

علامہ روزنی شارح سبہ معلقہ کی رائے ہے کہ لفظ حر (یعنی آزاد) کے ساتھ متعدد اضافتیں ہیں جو عربوں کی خالص حریت پر دلالت کرتی ہیں مثلاً:-

۱- ارض حرّہ وہ زمین جس پر مالگزاری تشخیص نہ ہو۔

۲- طین حرّہ وہ خالص مٹی جس میں ریت کی آمیزش نہ ہو

۳- احرار البقول اعلیٰ اتم کی ترکاریاں (بقول جمع بقل یعنی سبزی و ترکاری)

ایام العرب (عربوں کی عظیم الشان خانہ جنگیوں) کے سیکڑوں واقعات اسی حریت کی بدولت یادگار ہیں اسی فطری جوہر نے ہر عرب کو سپاہی بنادیا تھا، اسی جذبے نے فراغت مصر، سلاطین اشوریہ، خسر و آل عجم، اور قیصر روم سے عربوں کو لڑایا اور ان کو کبھی اس ملک پر قابض نہ ہونے دیا، اور اگر قبضہ ہوا تو وہ بھی عارضی اور ملک کے کسی خاص حصہ پر۔

۲- بدویت | عرب چونکہ آزادی پسند تھے اس لیے وہ شہروں کے اند قید ہو کر رہنا پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ ہمیشہ جنگلوں (بادیہ) کی کھلی ہوئی فضا میں ڈیروں، خیموں کے اند رہتے تھے، اور سکونت بادیہ کے لحاظ سے بدوی (جنگلی) یا اعراب کہلاتے تھے۔ اور اسی بنا پر وہ حضریوں (حضرت، شہری زندگی اور حضری، شہر کا باشندہ) کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اپنی بدویت (جنگلی پن) اور جاہلیت پر فخر کرتے تھے۔

۳- شہسواری | بہادر اقوام کے لئے شہسوار ہونا لازم ہے، عرب عمد طفلی ہی سے اپنے بچوں کو سواری کی تعلیم دیتے تھے اور جوانی میں سواری کی مشق کو میووب سمجھتے تھے، چنانچہ اسی شوق کی وجہ سے عربوں میں گھوڑ دوڑ ۱۵ شام و نسلین پر فراغت مصر نے شام، ق م سے ۶۶ قبل مسیح تک چلے گئے۔ تاریخ مصر میں اگستس، جولیس، ریمس سوم اور ریمس چہام (انھارھوال اور میوال خاندان) کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

(۲) اشور، یعنی شاہان بابل (کلدان) کے حملے بلا دین، شام اور مصر پر ۵۶۲ ق م سے ۵۶۲ ق م قبل مسیح تک ہوئے۔ شاہان اشور کا خیال تھا کہ جزیرہ العرب میں حدیثات بکثرت ہیں۔ ان حملہ آوروں میں تغلات بلاسرثانی، سرخون ثانی، سنجاریب، اسرحدون، اشور بینی پال، جو نذر (نخت نصر) کے حالات تاریخ میں پڑھنا چاہیے۔

(۳) خسر و آل عجم، قورش (دیکھو) نے ۵۳۵ ق م میں بابل فتح کر کے بعد عرب پر حملہ کیا، اور دوسرا حملہ براہ بحرین سالور ذوالالکائن ۵۵۰ ق م میں کیا۔

(۴) قیصر روم، رومی صدیوں سے عرب کو فتح کرنا چاہتے تھے چنانچہ قیصر گسٹس نے ۱۰۶ ق م میں والی مصر ایوس گالوس Aelius-gallus کی قیادت میں شاہان انباط کے دار الحکومت بطرا (پترا) پر حملہ کیا۔ یہ توراہ کا قدیم شہر آدمیہ ہے۔ جو وادی نموی میں مابین تدمر و بابل کے درمیان واقع تھا، غزوہ مصر میں بھرا عمر میں ہے۔

۵- لہذا کن المصداۃ العجبتہ + فائی دجل بادیہ توانا۔ (ترجمہ) جبکہ شہر میں رہنا پسند ہو وہ رہے، مگر تم تو دیاتی ہیں اور تو ہم کو کس نظر سے دیکھتا ہے۔

جاری ہوئی۔

دور کے لئے گھوڑوں کے جمع کرنے کا نام حلیہ اور گھوڑ دوڑ کا نام رہان ہے۔ یہ رہن سے مشتق ہے۔ کیونکہ سوار، بازی لیجانے میں اپنی ذات کو گویا رہن کر دیتا ہے۔ اور جس زمانہ میں دوڑ ہوتی ہے اسکو ایام الرہان کہتے ہیں۔ یہ عربوں کا دسپ شغل تھا۔ اور اس مردانہ کھیل کو انھوں نے درجہ کمال تک پہنچایا تھا۔ گھوڑ دوڑ میں خوب جوا ہوتا تھا اور دل کھول کر بازی لگائی جاتی تھی، اور ذرا سی بے اعتدالی پر میدان کا زار گرم ہو جاتا تھا جس کی مثال حرب داحس اور عجمہ ہے۔

مولانا حاکمی نے اپنی مسدس میں لکھا ہے :-

کہیں تھا مولیشی چرانے پہ جھبگڑا کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھبگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھبگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھبگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں

یونہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

اس کی تفصیل یہ ہے کہ داحس (نر) اور عجمہ (امادہ) دو مشہور گھوڑے تھے۔ داحس کا مالک قیس بن زہیر عسبی اور عجمہ کا مالک حذیفہ بن بدر فراری تھا۔ ایک دن دوڑ میں داحس بہت تیز جا رہا تھا اور قریب تھا کہ بازی جیت جائے، لیکن فریق مخالف کے ایک سوار نے آگے بڑھ کر اُس کو بدکا دیا اور عجمہ بازی جیت گئی اس پر دونوں قبیلوں میں جنگ شروع ہوئی۔ جو ۵۶ھ سے ۵۳ھ تک جاری رہی، اور اس خانہ جنگی کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب یہ قبیلے اسلام لائے۔ چنانچہ عربوں میں یہ جنگ ضرب المثل ہے۔

عرب ایک ساتھ دس گھوڑے بڑھانے تھے اور رفتار کے لحاظ سے اُن کے ترتیب و اربام یہ تھے

ان ناموں سے زبان عرب کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کس قدر مادے ہیں۔

۱۔ سابق و محلی ۲۔ مصلیٰ ۳۔ مسلیٰ ۴۔ تالی ۵۔ عاطف ۶۔ مزاح ۷۔ مزل ۸۔ خطی ۹۔ بطیم

۱۰۔ سکیٹ، فسل، قاشور

سابق (نمبر) جب میدان جیت کر آتا تھا تو اُس کے منہ پر شفقت اور محبت سے ہاتھ پھیرنا لازم تھا جریر کا مشہور شعر ہے

اذا شئتوا ان تمسحوا وجهه سابق

جولاً فندوا فی الرہان عنایا

۷ فلا کانت العنبر اولاً کان داحس + ولا کان یوماً حل فیہ (دھان) + (ترجمہ) نہ تو عجمہ راہی اور نہ داحس

اور نہ وہ دن رہا جس میں گھوڑ دوڑ ہوئی تھی۔

دوڑ سے پہلے ایک رستی تانی جاتی تھی اور سب گھوڑے صف باندھ کر کھڑے ہوتے تھے اور اسی جگہ سے میدان میں چھوڑے جاتے تھے۔ اس رستی کا نام مقوس اور مقبض تھا اور دوڑ کے راستے میں ایک لکڑی نصب کر دی جاتی تھی جو سوار سب سے آگے نکل جاتا وہ اسکو اٹھا لیتا تھا اور یہ حیثیت کی دلیل تھی۔

سب سے بڑی دوڑ بارہ میل کی ہوتی تھی اور گھوڑوں کی چال عمر کے حساب سے مقرر تھی۔ بڑی دوڑ میں صرف پانچ سال یا اس سے زیادہ عمر کے گھوڑے دوڑائے جاتے تھے۔ اہل یورپ نے یہ کھیل اندلس (اسپین) کے عربوں سے سیکھا تھا اور اسلام نے بھی گھوڑ دوڑ کو جائز رکھا البتہ بازی لگانا ممنوع کر دیا۔ دور حاضرہ میں اب یہ مستقل فن ہو گیا ہے۔

اغانی وغیرہ میں نامی شسواروں کے حالات تفصیل سے درج ہیں، ہم صرف ناموں پر اکتفا کرتے ہیں ربیع بن مکدم، عنتربہ بن شداد، عامر بن مالک، ملقب بہ بلاعب لاسنہ، زید الخیل، عامر بن الطفیل، عمرو بن معدیکرب، زید بن الصمہ، زید الفوارس، امیہ بن عثمان، عمرو بن کثوم ثعلبی، شنفری حارثی، ہاشم بن ربیع ان میں سے بعض عہد اسلام تک موجود تھے۔ عامر بن الطفیل بڑا مشاق شسوار تھا اور گھوڑے کی پشت پر روزشی عمل کرتا جس کی تکمیل اندلس کے عربوں نے کی۔ یہ ویسے ہی عمل تھا جو سرکس والے دکھاتے ہیں شسواری کے علاوہ پیادہ پا دوڑنے کی بھی مشق کرتے تھے اور گھوڑے سے زیادہ تیز جاتے تھے، بلکہ بعض اوقات گھوڑا پیچھے رہ جاتا تھا۔ یہ لوگ محاضرہ کہلاتے تھے۔ سلیم (حارث بن عمرو ثقی) شنفری ثابت بن جابر، عمرو بن براق، اشیر بن جابر اور ابو ہریرہ ثابت یہ پانچ شخص سرعت رفتار میں ضرب امثل تھے اور اکثر ملکہ جو ریاں بھی کرتے تھے، اور علی الصباح بڑے دھاوے کر کے گھر آ جاتے تھے، ان میں سلیم، زہیر، شاعر بھی تھے اور شنفری تو زبردست شاعر تھا، طغرائی نے اسی کے قصیدہ کے خواب میں لامیہ الحکم لکھا ہے عہد غلیہ میں ڈاک کے ہر کارے بھی مخالفین اہل ہند کے خطاب کے مستحق تھے، تانیتا بھیل مشہور ڈاکو بھی بڑھاپے میں تائبیل دوڑ کر دم لیتا تھا۔

۴۔ گھوڑوں کی پرورش | گھوڑوں کی نسل بڑھانا اور ان کی پرورش کرنا امارت میں داخل تھا۔ عربوں میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے گھوڑے کی سواری جاری ہوئی اور وہی سب سے پہلے عرب کے شسوار ہیں، حیوانات میں گھوڑے سے زیادہ خوبصورت اور حسین کوئی دوسرا جانور نہیں ہے۔ شرافت نفس اور علم ہمتی میں بھی وہ سب سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ عرب کے گھوڑے بھی سب سے افضل ہوتے ہیں کیونکہ اس کی آب و ہوا گھوڑے کے حق میں آجیات کا اثر رکھتی ہے۔ عربی گھوڑا قد و قامت میں بلند نہیں ہوتا مگر تیزی، چالاکی اور

۱۔ ضابطہ الطرب و فضل آنندی مطبوعہ بیروت
۲۔ انتخاب از تمدن عرب موسیو لیبیان

شباب رومی میں اس کا جواب نہیں ہے۔ یہ بھی اپنی آزادی کے غرور میں چور ہوتا ہے۔ عربی گھوڑے کی صفت یہ ہے کہ تیز مٹکیاں، بھولے ہوئے ننھنے، اونچی گردن، تپلی کمر، چھوٹا سر، پشت کسی قدیمی، دم نیچے کو ابھری ہوئی، پانوں تیلے، نازک مزاج، غریب، تربیت پذیر، جاندار، کم خوراک، اور مہذب یہ اوصاف دوسروں میں مفقود ہیں۔

عرب میں ہنوز یہ دستور ہے کہ جب کوئی خاندانی گھوڑی بچہ جنمتی ہے تو اسکی پیدائش کی تیاری، مال کا نام اور خاندان ایک پرچہ پر لکھ کر مغزین قبیلہ کی گواہی لکھائی جاتی ہے، اور یہ شجرہ ایک نلکی میں رکھ کر بچہ کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے۔ عربوں کو گھوڑے کی محبت مختلف اسباب سے ہے، لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مصیبت کے وقت وہ اسکی جان بچاتا ہے اس لئے دشمن کی زبان سے بھی نکل جاتا ہے کہ پہلے اپنے گھوڑے کے پانوں دھو پھر پانی پی۔

اوصاف کے لحاظ سے عرب اپنے گھوڑوں کے نام رکھتے تھے، مثلاً:-

۱۔ لغامہ (شتر مرغ)

۲۔ عقاب (گدھ، تیز نظر)

۳۔ جرادہ العیار (ٹڈی کی طرح تیز رفتار)

۴۔ ذات الرماح (لانے پانوں والا جیسے تیر ہوتا ہے)

۵۔ ذوالخمار (یعنی چادر کی طرح گلدار)

اجدع بن مالک کے پاس ایک مشہور گھوڑی تھی جسکا نام سبکاب تھا، فرمانروائے وقت نے اسکو طلب کیا، لیکن اجدع نے اس کے دینے سے صاف انکار کر دیا، اور یہ شعر پڑھے۔

ابیت اللعن ان سبکاب علق نفیس لا یعار ولا یباع

لے بادشاہ خدا کرے کہ تو بڑے کاموں سے بچا رہے۔ میری گھوڑی سبکاب بڑی قیمتی اور نفیس ہے۔

اس لئے وہ مسترد دی جاسکتی ہے اور نہ فروخت ہو سکتی ہے۔

مفداۃ مکرمة علینا تجاع لها العیال ولا تجاع

اس پر ہماری جانیں قربان ہیں، یہ اس قدر عزیز ہے کہ اس کے مقابلہ میں بال بچے جو کچھ رکھے جاسکتے ہیں مگر وہ نہیں۔

بعض عرب اپنے گھوڑوں کو اونٹنیوں کا سب دودھ پلا دیتے تھے اور اہل و عیال بھوکے رہ جاتے تھے جیسا کہ درد (ایک گھوڑی کا نام ہے) کا قصہ مشہور ہے، اسکا مالک بھی اونٹنی کا سب دودھ پلا دیا کرتا تھا

جب اُس کی بی بی نے شکایت کی تو اس کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

ذلمو علی ان اعجز الورد یقوتہ وما نستوی والورد ساعۃ تقزع

میری بی بی مجھے ملامت کرتی ہے کہ میں ادنیٰ کا سب دودھ درد کو پلا دیتا ہوں حالانکہ وہ لڑائی کے وقت درد کی برابری نہیں کر سکتی ہے۔

منذر شاہ حمیرہ نے حمل بن زید سے نسل کشی کے لئے اس کا گھوڑا طلب کیا حمل نے انکار کر دیا، جب شاہ نے زیادہ مجبور کیا تو گھوڑے کو آختہ کر دیا۔ یہ واقعہ ہے کہ عرب اپنے گھوڑوں کو اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے عرب میں گھوڑوں کی مختلف نسلیں ہیں لیکن سب سے زیادہ دو مشہور ہیں، ایک کدیشیہ جو عموماً تام عرب میں ہیں، دوسری کھیلانیہ یہ اعلیٰ جنس ہے، ان کی مائیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصطلیل میں تھیں، جن کی نسل کو آج تک عربوں نے باقی رکھا ہے

گھوڑے کی تعریف میں ہزاروں اشعار ہیں لیکن ہم صرف امر اور انقیس کا ایک شعر لکھتے ہیں:-

بکّر و کفّر مقبیل مدبر معاً کجلمود حفر خطہ السیل من علی

جب حملہ کرنا چاہو تو وہ بڑا حملہ آور ہے اور جب پیچھے ہٹنا چاہو تو تیزی سے ہٹتا ہے، اور تیزی سے آگے بڑھنے والا ہے، وہ بلندی سے اس طرح اترتا ہے جس طرح سیلاب سے پتھر ڈھلک آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ گھوڑے میں یہ تمام صفت موجود ہیں، جس وقت جو کام لینا چاہو وہ کر سکتا ہے یہ وہ شعر ہے جس کا یورپ کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ادنیٰ کی طرح عرب کا گھوڑا بھی کم خوراک اور صابر ہوتا ہے دس دن تک وہ روزانہ بیس گھنٹہ چل سکتا ہے، اور کئی دن تک بے آب و دانہ سواری دیتا ہے، ٹوٹ کے موقع پر دشمن کو اپنے سمنوں سے زخمی بھی کر دیتا ہے (اسکی تعلیم دی جاتی تھی) عرب کے تاریخی گھوڑوں کے کارنامے ایام العرب میں موجود ہیں۔

شکاریں جب گھوڑا ہرن پر غالب آتا اور ہرن زخم کر لیا جاتا تو سوار جو شہسرت میں ہرن کا خون گھوڑے کے سینہ پر ملتا تھا، اس کو عربی میں خضاب النحر کہتے ہیں۔

گھوڑوں کے رنگ | رنگ کے لحاظ سے عربی گھوڑوں کے حسب ذیل اقسام ہیں:-

۱۔ اشقر۔ مائل بہ سرخی، خصوصاً ایال اور دم سرخ ہو، اسی کو سرنگ کہتے ہیں، عربوں میں یہ رنگ منحوس سمجھا جاتا ہے کیونکہ شقراء شیطان بن لاطم کے گھوڑے کا نام تھا، جب وہ میدان جنگ میں مع سوار کے مارا گیا تو یہ رنگ

منحس قرار پایا۔ اور یہ مثل ہوئی کہ "أشقر من الشقراء" یعنی شقراء سے زیادہ منحوس۔

۲۔ احمر۔ (نزد رنگ) اس کا دوسرا نام شرعنا ہے۔

- ۳۔ اخضر۔ (سبز) جس کو سبزہ کہتے ہیں
- ۴۔ ادم وغیبی۔ (مشکی) جب سیاہی زیادہ غالب ہو۔
- ۵۔ ابرش۔ مذکورہ بالا رنگوں کے علاوہ۔
- ۶۔ مدنز۔ دینار سے ماخوذ ہے جس پر اشرفی جیسے سیاہ و سفید گل بوٹے ہوں۔
- ۷۔ اشب۔ سیاہی میں کسی قدر سفیدی ہو۔
- ۸۔ کمیت۔ جب سُرخ میں کسی قدر سیاہی ہو (خصوصاً ایال اور دم سیاہ ہو)
- ۹۔ ورد۔ اشقر اور کمیت سے ملتا ہوا جس کو فارسی میں گلگون کہتے ہیں (عربی میں گلاب کے پھول کو ورد کہتے ہیں)

- ۱۰۔ سمند۔ زردی میں سیاہی ہو۔
 - ۱۱۔ سوسنی۔ زردی میں سفیدی ہو۔
 - ۱۲۔ اجوی۔ سبزی میں سیاہی ہو۔
 - ۱۳۔ ابلیق۔ ددرنگ سیاہ و سفید
- اوصاف اگھوڑے کے بال چھوے اور باریک ہوں، دُم گھنی ہو، (سبوغ الذنب) دونوں آنکھیں مستوی (برابر) ہوں، کان اور گردن لابی ہو، سُم چھوٹے ہوں، چترہ نرم ہو، یہ اوصاف شرافت کی دلیل ہیں ان کے علاوہ دوسری صفات حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ عسب۔ جس کی دم زمین پر گرتی ہو (طویل الذنب)
- ۲۔ مجنب۔ سامنے کے ایک پائوں میں خفیف سی جگی ہو، یہ بڑی مصفت ہے۔
- ۳۔ صافن۔ جو تین پانوں پر زور دیکر کھڑا ہو اور چوتھے پاؤ کا ایک سُم زمین سے ٹکا ہو۔
- ۴۔ مبرقعہ۔ جس کا تمام مونہ سفید ہو اور اطراف چشم سیاہ ہوں۔
- ۵۔ ارخم۔ سر سفید ہو، باقی تمام جسم سیاہ ہو۔
- ۶۔ محل۔ پانوں میں سفید ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ یہ سفیدی سُموں سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے ہو۔
- ۷۔ مجیب۔ سامنے کے پانوں پر سفیدی ہو۔
- ۸۔ یعوب۔ لانا اور تیر رفتار۔
- ۹۔ طولات۔ قد و قامت کے اونچے۔

۱۰۔ الاعوجیات۔ ایک قبیہ میں ڈاکہ بڑا عرب کو ایک بچہ بہت عزیز تھا جب وہ فرار ہوا تو اس نے اس بچہ کو اونٹ کی پشت پر باندھ کر ڈال دیا، منزل پر پہنچ کر کھولا تو اسکی پشت میں کبھی آگئی تھی اس لئے اس کا نام اعوج (خمیدہ پشت) قرار پایا، اور یہ کبھی اسکی نسل میں باقی رہی اور اس نسل کے تمام گھوڑے اعوجیات کہلائے۔

عہد اسلام میں جہاد اور غزوات کی وجہ سے گھوڑا بہت عزیز تھا، اور اس کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ خدائے قرآن میں اسکی قسم کھائی تھی۔ اور احادیث نبوی بھی متعدد ہیں۔ گھوڑوں کی طرح اونٹوں کا پالنا اور ان کی تعداد کا بڑھانا بھی فخر کی بات تھی چنانچہ لغت عرب میں اونٹ کے لئے دو ہزار لفظ ہیں، اور ایک ظریف کا قول ہے کہ اگر تم سے کسی لفظ کے معنی دریافت کئے جائیں اور تم نہ جانتے ہو تو بلا تکلف کہہ دو کہ یہ لفظ اونٹ کے معنی میں ہے۔ یہ مضمون بھی طوالت میں اونٹ کے قد و قامت سے کم نہیں ہے لہذا تفصیل کی ضرورت نہیں فصائد سببہ معلقہ میں طرفہ وغیرہ کے اشعار ملاحظہ ہوں جس میں اونٹ اور اونٹنیوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ہم صرف ایک شعر لکھتے ہیں جو کسی عاشق فزاح شاعر کا ہے:-

واحبھا و تحبہا و تحبنا قاتھا بعیری

اور میں اُسے چاہتا ہوں اور وہ مجھے چاہتی ہے اور اُسکی اونٹنی میرے اونٹ کو پیار کرتی ہے

اس جسمانی ساخت پر اونٹنی کی عشق بازی اور بقول شخصے اونٹ کا یہ شتر غمزہ بھی حیرت انگیز ہے۔

۵۔ قتل و غارت | شجاعت و بہادری کی بنیاد پر قتل و غارت کا بھی پیشہ میں شمار تھا اور قدیم عرب اسکو حلال کی کمائی سمجھتے تھے، حتیٰ کہ بعض اوقات اپنے عزیزوں کو لوٹنا اور قتل کر دینا بھی عیب میں داخل سمجھتے تھے اور یہ وصف ان میں عہد عاد (تاریخی دور سے قبل) سے تھا، چنانچہ کسی شاعر کا قول ہے:-

۱۔ من عهد عاد کان معرو فالنا أسر الملوک و قتلھا و قتلھا

قدیم ترین زمانہ سے شاہوں کو قید و قتل کرنا اور ان سے لڑنا ہماری عادت ہے۔

۲۔ واحیاناً علی بکر اخینا اذا مال الحمید الا احانا

اور ہم قتل و غارت کے ایسے خورگاہیں کہ اگر مشق غارت گری کے لئے ہم کو کوئی اور نہیں ملتا تو لبسا اوتنا ہم قبیلہ بکر کو لوٹ لیتے ہیں جو ہمارے ہی بھائی ہیں۔

حماہ میں ایسے پُر فخر اشعار بکثرت ہیں۔ لوٹ کے مال میں رہنروں کو کمتر اونٹ اور اکثر بکریاں ملتی تھیں اور عربی میں بکری کو غنم کہتے ہیں چنانچہ اسی لفظ سے غنیمت نکلا ہے جس کے معنی ہیں لوٹ کا مال

۶۔ اسیران جنگ کی شہر آبرو عرب جب اپنے دشمن کو گرفتار کرتے تھے تو نوکر قتل کر دیتے تھے یا ناک اور کان

کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے، اور کبھی صرف دانت توڑ ڈالتے یا پشیمانی کے بال تراش کر رکھ لیتے یا غلام بنا کر بیچ ڈالتے تھے۔ اگر کوئی بڑا آدمی گرفتار ہوتا تو انہارا احسان کے لئے رہا بھی کر دیتے تھے اور ان امور پر فخر کرتے تھے۔ اشعار ذیل ملاحظہ ہوں:-

۱۔ وفلکنا غلّ امرع القیس عنہ بعد ما طال حبسہ والعناء

جب امرع القیس کی قید کی میاد اور غلیف بڑھ گئی تو ہم نے اس کی پڑیاں کاٹ دیں۔

۲۔ فابو بالخاب و بالبا یا وابنا بالملوک مصفدینا

(سب معلقہ)

عوام تو مال غنیمت اور تیدیوں کو لیکر پلٹے مگر ہم بادشاہوں کو تھکڑیاں پہنا کر لائے۔

اور جس قدر عورتیں گرفتار ہو کر آئی تھیں اُن کو نو پڑیاں بنا لیتے تھے۔

۳۔ قصاص و دیت قتل و غارت کی عادت نے عربوں کو سفاک بنا دیا تھا، اس لئے وہ اہتمام کے بڑے

شائق تھے۔ دادا کے خون کا بدلہ لینا پوتے پر فرض تھا، اور یہ ایسی پیاس تھی جو صرف خون سے بجتی تھی۔ قصاص کے بعد غارتی جھگڑوں کا تصفیہ ہو جاتا تھا، اور کبھی قصاص کے بعد بھی نئے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور بڑوں لڑائیاں جاری رہتی تھیں جس طرح کلیب کے قتل کے بعد قبیلہ بکر و تغلب میں پینتالیس سال تک جنگ ہوتی رہی۔ بنیاد اس لڑائی کی یہ تھی کہ سعد بن شمس کی اونٹنی ایک دن کلیب کی چراگاہ میں چر رہی تھی یہ امر کلیب کو ناگوار معلوم ہوا اور اُس نے اونٹنی کے تھنوں میں تیر مارا اونٹنی زخمی ہو کر بلبلائی ہوئی سعد کے گھر پہنچی جب سعد کی پڑوسن لبسوس نے اونٹنی کی یہ حالت دیکھی تو وہ بے اختیار چلائی اور چند اشعار برجستہ پڑھے جس کے سنتے ہی لوگ کلیب کے قتل پر آمادہ ہو گئے اور دوسرے ہی دن کلیب قتل ہو گیا چنانچہ اس سبب سے قبیلہ بکر و تغلب میں یہ لڑائی شروع ہوئی اور ۹۷ھ سے ۱۰۳ھ تک جاری ہی جس میں ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ ایام العرب میں یہ لڑائی حرب لبسوس کے نام سے مشہور ہے۔ خوابہ حالی سعد میں لکھتے ہیں:-

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی

صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی

قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی

تھی اک آگ ہر سوعب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ

کرشمہ اک اُن کی ہالت کا تھا وہ

قصاص کے عوض دیت (خون بہا) لینا باعث ننگ و عار تھا، چنانچہ شعرائے جاہلیت کا یہ ایک معرکہ الکارا مضمون ہے، مثلاً:-

لکن ابی قوم اصیب اخوہم رضا العار فاختر او علی اللین الدماء

ہم نے اس قوم کے پاس جن کا بھائی مارا گیا تھا خوں بانیجا لیکن انھوں نے عار کے پسند سے انکار کیا

اور دیت کے اونٹوں پر قصاص کو ترجیح دی۔

اس شعر میں لین (دودھ) سے اونٹ مراد ہیں، عربوں میں اللین اللین کے لغوی معنی بھی دیت مراد ہوتی تھی۔

اس صفت میں مردوں سے زیادہ عورتیں سخت تھیں۔ چنانچہ ایک عورت کا بھائی قتل ہوا جب اس کو معلوم ہوا کہ مقتول کا ایک بھائی (عمرو) دیت لیکر صلح پر آمادہ ہے تو اس نے اپنے بیٹے کو قصاص پر مجبور کیا، کتنی ہے:-

۱۔ ورح عنک عمرو، ان عمرو وامسالر وھل بطن عمرو، غیر شہر مطعم

عمرو کا ذکر نہ کرو، کیونکہ وہ تو صلح پر آمادہ ہے۔ عمرو کا پیٹ تو ایک بالشت کا ہے مگر پھر بھی نہیں بھرتا۔

۲۔ فان انتم لحتاروا وتدیتم فمشوا باذان النعام المصلح (حماض)

پس اگر تم خون کا بدلہ نہیں لیتے ہو، بلکہ خوں بہا لیتے ہو تو جاؤ اور گوش بریدہ شتر مرغ کی طرح ذلت و غوار میں جاؤ

یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں

۱۔ قتلنا بقتلنا من القوم عصبة کراماً ولحنا کل ہم حشف النخل

اپنے مقتول کے بدلے ہم نے قریب مخالف کے بہترین لوگ مار ڈالے، اور اُن کے عوص ہم نے ناقص کھجوریں

نہیں کھائیں۔ (نخل بہانیں لیا بلکہ قصاص لیا)

۲۔ فلا تاخذ واعقلا من القوم انی اری العار یبقی والمعاقل تذهب

دنیت کرنا ہے کہ اگر وہ مجھے مار ڈالیں تو دیت نہ لینا کیونکہ عار باقی رہتا ہے اور دیت کا مال صرف

ہو جاتا ہے۔

یہ بھی دستور تھا کہ جب تک قصاص نہ لے لیتے شراب بنیا، نہانا، عطر لگانا، اور عیش و عشرت کے کام حرام تھے، نابط خرا اپنے بھانجہ کے مرثیہ میں کہتا ہے:-

حَلَّتِ الحمرُ وکانت حراما وبلاء می ما املت تحلی (ہمارے بابر لڑا)

جب ہنر بل سے میں نے انتقام لے لیا تو شراب جو مجھ پر حرام تھی وہ حلال ہو گئی اور مدت دراز کے بعد وہ حلال

ہو کر میرے پاس آئی ہے۔

یہ بھی دستور تھا کہ اگر قاتل کا پتہ نہ چلتا تو جس قبیلہ پر شبہ ہوتا اُس کے پاس مغرور اصحاب فرداً فرداً

اپنی بے گناہی پر متم کھاتے تھے اور اسی پر فیصلہ ہو جاتا تھا۔ سرداروں کی دیت میں اکیسواونٹ لے جاتے تھے۔ قصاص اور دیت کے معاملہ میں ان کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ آسمان کی طرف ایک تیر چلاتے تھے، اگر وہ تیر خون آلود ہو کر گرے تو غالباً کسی پرندہ کے خون سے رنگین ہو جاتا ہوگا تو پھر قود (قاتل کا قتل) کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔ اور اگر تیر بے داغ ہوتا تو اس کو اپنی داڑھی سے صاف کر کے دیت پر صلح کر لیتے تھے، اور یہ صلح کی علامت تھی اور اس عمل کو عقیقہ کہتے تھے اور یہ تیر سہم الاعتذار کہلاتا تھا۔ کسی شاعر کا قول ہے:-

عقوا لہم نحر قسا لواما لحو یا لیتنی فی القوم اذا مسحو للہی

نہ سے عقیقہ کرتے تھے، پھر کہتے تھے کہ ”د صلح کر لیں، کاش! میں قوم میں اس وقت ہوتا جبکہ داڑھیوں سے تیر کو صاف کرتے تھے۔“

جب تک مقتول کا خون بلا بدل رہتا اور صلح نہ ہو جاتی اس وقت تک مقتول کے گھوڑے کی پشانی اور دم کے بال امتیاز کے طور پر کترے رہتے تھے۔ اگر قاتل گناہم ہوتا اور قتل کا الزام کسی شخص پر لگایا جاتا تو یہ شخص لوہے کے گرم ٹکڑہ کو زبان سے چاٹتا، اگر زبان نہ جلتی تو جرم سے بری کر دیا جاتا اور مدعی اس کو ایک اونٹ نذر کر تا (یہ غلط الزام کا جرم ماننا تھا) بعض اوقات اہل کرم اپنی فیاضی سے دیت کو واپس کر دیتے تھے، اس سے خاندان کی شہرت ہوتی تھی۔

اگر کسی مغز قبیلہ کا غلام قتل ہوتا تو اس کے عوض آزاد کو قتل کرتے تھے، اور عورت کے بدلہ میں مرد کو اور ایک مرد کے عوض دو مرد قتل کئے جاتے تھے لیکن اسلام نے ان کے اس فخر کو ٹا کر مساوات قائم کی اور حکم دیا کہ ”الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ“ یعنی آزاد کے عوض صرف آزاد اور غلام کے بدلے صرف غلام ہی قتل کیا جائیگا۔ اور قصاص و دیت کے قواعد مقرر کر دیے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

۸۔ دشمنی اور محبت | عہد جاہلیت میں جس طرح عرب دوستی اور محبت میں راسخ الخیال تھے، اسی

قدر دشمنی میں بھی سخت تھے۔ اور صدیوں تک عداوت نہیں جاتی تھی۔ ہر فرد دشمن سے بدلہ لینے میں دلیر تھا اور قصور کا معاف کرنا معیوب تھا۔ شعرا جب کسی بات پر ناراض ہو جاتے تھے تو اپنے ہی قبیلہ کی بہو لکھ ڈالتے تھے۔ یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ قبیلہ بنی ذیل میں ایک شخص کے تیس اونٹ بنی لقیط ہانکے گئے، اس نے اپنے قبیلہ والوں سے مدد مانگی لیکن کسی نے اعانت نہ کی، مجبور ہو کر اس نے بنی مازن سے فریاد کی تو انھوں نے بجائے تیس اونٹوں کے سوا اونٹ بنی لقیط کے گرفتار

کر کے دیے اس موقع پر وہ اپنے قبیلہ کی بیویں کہتا ہے :-

لو كنت من مازن لمر نستليم ابلى بنو اللقيط من ذهل بن شيباننا

اگر میں مازن سے ہوتا تو ذہل بن شیبان اپنی بنو لقیط کے ڈاکو میرے اونٹ لوٹ کر نہ لے جاتے۔

اور باوجود شقاوت کے دوستی کا جذبہ بھی زبردست تھا، سفر میں کسی دوست کی قبر پر پہنچتے تھے تو وہاں بیٹھ کر شراب ضرور پیتے تھے تاکہ مرحوم کی یاد تازہ ہو جائے اور شراب کا ایک پیالہ اس کی قبر پر ڈالتے تھے۔

اصب علی قبر بکما من مدامتہ فان لا یتناکلاھا تر و حشا مکما

میں تم دونوں کی قبروں پر شراب کنہ چھڑکتا ہوں پس اگر تم اس کو قبول نہیں کرتے ہو تو اس سے تمہاری قبر کی ٹٹی سیراب ہوتی ہے۔

۹۔ صبح خمیزی | ہر غروب صبح اُٹھنے کا عادی تھا، کیونکہ لوٹ مار کے لئے بڑے بڑے گھروں سے نکل جاتے تھے اور دن چڑھے تک سونے کو بہ فانی خیال کرتے تھے، اسی طرح عصر کے وقت بھی نہیں سوتے تھے۔ ایک شاعر کہتا ہے :-

الا ان تومات الضحیٰ تورث الفی عموماً ونومات العصر جنون

ہوشیار ہو جاؤ کہ صبح کا سونا باعثِ غم اور عصر کے وقت سونا موجبِ جنون ہے

امرؤ القیس کا قول ہے۔

وقد اغتدی والطیر فی وکنا تھا بمنجرج قید الا وابد هیکل (سبیلۃ)

میں صبح کو گھر سے اس وقت نکلتا ہوں جبکہ پرندے اپنے گھر لٹول میں محروم ہوتی ہیں۔ اس زبردست گھوڑے پر سوار ہو کر جس کے بال جھوٹے ہیں اور وہ رشتی جانور دل کے لئے منزلہ بڑی کے ہے۔

(یعنی کوئی جانور بھاگ کر اس سے بچ نہیں سکتا ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ عرب اس قدر سوتے تھے جس سے صحت قائم رہے اور زیادہ سونے کو بُرا جانتے تھے اور زیادہ سونے والے کی نیند کو تو متعبود سے تشبیہ دیتے تھے۔ عبود ایک غلام تھا جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ سات برس تک سوتا رہا۔

سات برس تک سوتے رہنا تو مبالغہ ہے، ممکن ہے کہ یہ غلام سات مہینے مسلسل سویا ہو۔ حکیم عبدالحی مرحوم بھوپالی نے مجھ سے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا تھا کہ ذاب زہد الحسن خاں (فرزند ذاب صدیق حسن خاں) انکی شادی میں ایک بار دہلی گئے دن تک نہیں سویا تھا، جب کام سے فارغ ہو گیا تو وہ سو رہا اور آٹھ دن کے بعد اُٹھا۔ طبیعوں نے مشورہ دیا تھا کہ یہ بیدار نہ کیا جائے، جب وہ خود بخود اُٹھا تو بالکل مندرست تھا۔

۱۰۔ صحرا نوردی | اتن ودق جنگول کوٹے کرنا، سوار و پیادے بڑی دلیری کا کام سمجھتے تھے اور صحرا نوردی بھی مناخر میں شمار کی جاتی تھی۔ اسکی تصدیق شعراء کے کلام سے ہوتی ہے:-

ایبیت بمغزا الوحش حتی الیفۃ
ولیسیم لا یجی لہا الدھر مرثعا (نابط ثرا)
دمشی جانوروں کے غول میں تنہا رہتا ہوں، یہاں تک کہ وہ مجھ سے مانوس ہو گئے ہیں اور صبح کو انھیں چرائی پر جانے سے نہیں روکتا ہوں۔

۲۔ دوا د کجوف العیر قفیر قطعۃ
بہ الذیب یعی کا الخلیع المعیل (امراء قیس)
اکثر دیران وادیاں اچھیں کہ مین کی وادی العیر ہے (میں نے طے کی ہیں، جس کے اندر بھوکا بھیڑیا مثل ہارسے ہوئے کثیر العیال جواری کے جیتنا پھرتا تھا۔

اور اس حالت میں بھی نہایت ہوشیار رہتے تھے، برائے نام سوتے تھے اور ایک کنکری کی آواز پر جاگ پڑتے تھے۔

۱۔ فاذا انبذت لہ الحصاة لایتہ
ینزلو قعتھا طمورا لا خیل (ابو کبیر بن ہلی)

اے مخاطب! جب تو اس کی طرف کنکری پھینکے تو وہ اس کے گرنے سے قبل نگرے کی طرح جست کرتا ہے

۱۱۔ شکار | عرب کا ملک زرخیز نہیں ہے کیونکہ نہ اس میں دریا ہیں نہ بڑی نہریں ہیں، اور قتل بارش کی وجہ سے زراعت بھی کم ہوتی ہے، اسی لئے شکار کا مشغلہ ضروری ہے۔ اُمراء عرب اپنے مصائب کے ہمراہ جنگل میں جا کر ڈیرے ڈالتے تھے، بزم مشاعرہ بھی منعقد ہوتی تھی اور رقص و سرود کے جلسے بھی ہوتے تھے۔ شکاری جانوروں میں بھیڑیلے اور چیتے کا شکار کرنا بھاری کی علامت تھی۔ طرفہ کہتا ہے۔

وکوی اذا نادى المصنات محبداً
کیسید الغضا نبھتہ المنورہ

دشمنوں میں مصور ہو کر مجھ کوئی بکارتا ہے تو میں اس کی طرف اپنے تیز دو گھوڑے پر اس طرح سے

پلٹ کر آتا ہوں جیسے درخت غضا کا بھیڑیا، جس کو میں نے اس وقت لٹکا دیا جبکہ وہ پانی پیئے جاتا ہو

نیزے اور تیر سے شکار کیا کرتے تھے۔ اور شکار کے متعلق سیکڑوں اصطلاحات ہیں، الفاظ ذیل ملاحظہ ہو۔
۱۔ سلخ۔ وہ جانور جو شکاری کے (ايس) ہاتھ کی طرف بائیں جانب آئے، یہ مبارک شگون تھا۔

۲۔ بلج۔ سانح کے خلاف۔

۳۔ ناط و نطیح۔ جو شکار سامنے سے آئے۔

۴۔ قعیہ۔ جو پشت کی طرف سے آئے۔

۵۔ ققرہ۔ پارچہ (شکاری کے بیٹھنے کی محفوظ جگہ)

۴۔ حفرة - زمین دوز پارچہ۔ پیشیر کے واسطے مخصوص تھا۔

۵۔ تلید - شکار کے لئے زمین پر لیٹ کر چلنا۔

۸۔ اخلاق - شکار سے ناکام واپس آنا۔

حلال اور حرام جانوروں میں کوئی تفریق نہ تھی، باسٹنائے حرم کعبہ ہر وادی اور جنگل میں شکار کھیلے تھے۔ ناکا علم ادب میں بھی اشارات موجود ہیں۔

تو اے کبوتر بام حرم چو میدانی پتیدن دل مرغان رستمہ بر پارا
عرب میں چیتے کا شکار سب سے پہلے کلیب بن وائل نے کیا۔ شکار میں گھوڑوں کے ساتھ گتے بھی
دوڑائے جاتے تھے اور ان کو شکار کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیبید بن ربیعہ کہتا ہے:-

حتى اذا لبس الرماة وارسلوا غصفاً دواجن قافلاً اعصامها
جب تیر انداز اس گائے کے شکار سے ناامید ہو گئے تو انھوں نے اس پر شکاری گتے دوڑائے جن کے
کان لکھے ہوئے تھے اور کرتلی تھی۔

۱۲۔ قمار بازی | اخلاقاً جو افعال مذموم ہیں دولتمندی میں وہی مستحسن ہو جاتے ہیں جیسے میخواری اور
قمار بازی۔ چنانچہ جاہلیت میں بھی یہ دونوں شغل باعث فخر تھے، کیونکہ مفلس نہ شراب پی سکتا ہے نہ جوا
کھیل سکتا ہے۔ عرب کی شاعری ان امور کی طرف اشارہ کرتی ہے:-

تحابی بها الكفائننا ونهيننا ونشوب في اثمانها وتقامر
ہم اپنے ہم پلہ اصحاب اور مہانوں کے لئے اونٹوں کی بخشش کرتے ہیں (دفع کرتے ہیں) اور ان کی قیمت
سے شراب پیتے اور جوا کھیلے ہیں۔

عرب کے مختلف مقامات میں قمار بازی کے بھڑ قائم تھے جہاں مشہور جواری جمع ہو کر کھیلنے لگتے، اور کھیل کے
پانسوں کو ازلام (بے پر کے تیر) اور مخالف (شے خطرناک) کہتے تھے۔ پانسے شمار میں وشل تھے، ترتیب وار
ان کے نام یہ ہیں:-

نذ، توأم، رقیب، نائس، طلس، مسبل، معالی، فسح، منیع، وغد۔

ایک نمبر سے سات تک حصے مقرر تھے جو ایک سے شروع ہو کر سات پر ختم ہو جاتے تھے، اور بقیہ تین کے حصے
مقرر نہ تھے۔ ہر پانسہ پر اس کا نام لکھا ہوتا تھا، اور ایک تھیلی میں رکھے جاتے تھے اور اس کا ایک امین ہونا
تھا جو کھیل کے وقت پانسے دیتا تھا۔

قمار بازی وسیع پیمانہ پر ہوتی تھی اور کھیل کے متعدد طریقے تھے جس کی تفصیل بیکار ہے۔ لقمان بن

اور ابن مقبل عرب کے تاریخی جواری تھے۔ جوئے کے پالسنوں سے فال بھی کھولتے تھے۔ اس وقت ان کا نام ازلام استخارہ تھا۔ فال کے لئے صرف تین تیر مخصوص تھے۔ دو پر یہ عبارت ہوتی تھی امرنی ربی (میرے خدا نے مجھ کو حکم دیا) و فحانی ربی (میرے خدا نے مجھ کو منع کیا) تیسرا تیر سادہ تھا۔ فال کے وقت تیر ایک تھیلی میں ڈال دیے جاتے تھے، اور جو تیر نکلتا (امریانی) اس کے مطابق کام کرتے تھے اور جب سادہ تیر نکلتا تو دوبارہ فال نکالی جاتی۔ خانہ کعبہ میں جہاں سب سے بڑا دیوتا ہبل (بت) رکھا ہوا تھا اسی جگہ بٹھکر فال کھولتے تھے۔

۱۳۔ مے نوشی | شراب گو یا عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی اور امرار کے لئے مے نوشی مایہ فرحتی، خود پیتے تھے اور عورتوں کو بھی پینے پر مجبور کرتے تھے۔ شراب کی سیکڑوں قسمیں تھیں اور ایک ہزار نام ہیں چنانچہ شعرائے جاہلیت کے کلام میں تقریباً ۱۲۵ شرابوں کے نام آئے ہیں۔ انگور، کشمش، جھوہارے، سرکہ، چاول، جو، شہد اور گیہوں سے بکثرت شراب تیار کی جاتی تھی اور شراب میں شہد ملا کر پیا کرتے تھے۔

فنا زعنی انه حاجتہ بعد وھن مزجت لھم جھاعسلًا ودرحاً
اس نے کچھ وقفہ سے جام شراب پر چھین بھپٹ کی اور میں نے ان کے لئے شراب میں شہد ملا دیا تھا۔
امیروں کی بزم طرب میں ساتی کی خدمت کینتر میں انجام دیتی تھیں اور اُس وقت وہ رنگین لباس میں لباس ہوتی تھیں۔ یہ فرزیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ندا مای بیضی کا انجور و قینقہ تروح الینابین بُرد و جُسد

میرے ہم نشین ستاروں کی طرح روشن چہرہ ہیں اور ایک گانوالی چھو کری دھاریدار اور زعفرانی لباس پہنکر سرشام ہمارے پاس حاضر ہوتی ہے۔

۲۔ وان تبلعن فی حلقته القوم تلفنی وان تقنصنی فی الحوانیت لھطد (سب سے ملے)

اگر تو مجھے شرفا میں تلاش کر لگیا تو ماں پائیگا اور اگر تو مجھے کلواروں کی دکان پر شکار کرنا چاہے گا تو شکار کرے گا۔

شراب کی دوکانوں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے، اور یہی امتیاز کسبیوں کو بھی حاصل تھا چنانچہ ان کا لقب صاحب الرايات تھا، اور شراب خانے غایتہ کہلاتے تھے۔

۱۔ اسد اللہ خاں میرزا غالب دہلوی شراب میں گلاب ملا یا کرتے تھے۔ حقیقتہً نے ایک غزل میں یہی اشارہ کیا ہے۔
”آمنجت بر بادہ صانی گلاب را“
مکمل و غزل شہرستانی تذکرہ صواب الرايات۔

قد ابت سائرہا وغایتہ تاجر
وافیت اذ رعت وعز مدامھا البیر بن
ایسی راتوں میں میں اپنے اجباب کا تھہ گورہ اور کلواروں کی دوکان پر پہنچا جبکہ بعد ابلند تھا اور
کثرت خریداری سے شراب کا نرخ گراں ہو گیا تھا۔

اس عہد کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ کعبہ کے کلید بردار ابو غنیثان نے ایک مشک شراب پر کچیاں بیچ ڈالی
تھیں، اور تمام عمر کے لئے اس حق سے محروم ہو گیا تھا۔ (عہد جاہلیت میں بھی کعبہ مقدس عبادت خانہ تھا
لیکن طریق عبادت میں فرق تھا۔) شعراء جاہلیت کے کلام میں شراب کی طرح میں ہزاروں اشعار ہیں
اور ان کے جذبات جدا گانہ ہیں۔

عہد رسالت میں شراب حرام ہو چکی تھی، لیکن عہد فاروقی (خلافت دوم) تک لوگ چوری چھپے
سے شراب پیا کرتے تھے۔ کادواقعہ ہے کہ قادیسیہ میں ایرانیوں سے جنگ ہو رہی ہے، اور مسلمانوں
کا نامور سردار ابو محجن ثقفی یہ ترانہ گارہا ہے۔ چنانچہ اسی جرم میں گرفتار ہوتا ہے اور پانوں میں پڑاں ڈال
دی جاتی ہیں، جذبات ملاحظہ ہوں

اذا مت فاد فنی الی اصل کرمتہ تروی عظامی بعد موتی اعرو قھا
جب میرا دم نکل جائے تو مجھے انکوروں کے نیچے دفن کرنا، تاکہ انکور کی بڑیں میری ہڈیوں کو موت کے بعد
ترو تازہ کرتی رہیں۔

۲۔ ولا تد فنی بالفلا فنانتی اخاف اذا ماتت ان لا اذوقھا
مجھے کسی جنگل میں دفن نہ کرنا کیونکہ اس حالت میں مجھے خوف ہے کہ میں عرق انکور سے محروم رہوں گا۔
عہد اسلام میں یزید بن معاویہ اور ابو نواس شراب کی مداحی میں ضرب المثل ہیں، اور فارسی
علم ادب میں رضی دانش کا یہ شعر لاجواب ہے۔

تا کہ لا سیراب دار لے ابر نیساں در ہسار
قطرہ تائے تواند شد چرا گو ہر شود
ان کے مقابلہ میں ہندوستان کے ایک رند شرابی کی محویت بھی قابل دید ہے۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے رہنے دو ابھی سا غر و مینا مرے آگے
شراب نوشی کے لوازمات میں کلنج کی صراحیاں اور پیالے موجود تھے۔ غمترہ کہتا ہے:-

برجاجیہ صفراء ذات اسرّۃ
قُرْنَت بازھو فی الشمال مُفدّم

کلنج کی زرد دھاریار پالی میں میں نے شراب پی، یہ میرے دائیں ہاتھ میں تھی اور میرے بائیں ہاتھ میں

ملہ تجارب الائم مکو یہ مطلوبہ دیوب۔

سفید چھال گلی تھی جس کے مرنے پر کڑا پڑا ہوا تھا۔

ہر وقت کی شراب نوشی کے لئے جداگانہ الفاظ ہیں، مثلاً صبح (صبح کی شراب) غنوق (شام کی شراب) اور قیل (دوپہر کی شراب) اسی طرح اس انگور کی جینی کی کینتیں بھی متعدد ہیں، مثلاً ام عنا، ام زنبق، ام بیل، ام الجناش، ام الدھر، بنت العناب (دشت رز) اخت المرقہ۔ خلفائے عباسیہ کے دور میں ہمید (کھجور کی ٹاڑی) جاری تھی جس کی حلت کا علماء نے فتویٰ دیدیا تھا، اس کے پینے سے ہلکا سا سرور ہو جاتا تھا۔

۱۴۔ وفاداری و صفت امانت اگر یہ مقولہ سچا ہے کہ ”وفاداری لشکل استواری عین ایماں ہے“ تو عرب اقوام عالم میں سب سے زیادہ اس کے مصداق تھے۔ چھوٹے درجہ کے آدمی بڑے درجہ والوں سے وفاداری کا عہد کیا کرتے ہیں لیکن عربوں کی وفاداری اپنے سے کمزور اور برابر والوں سے ہوتی تھی۔ اعراب اپنے ہمسایہ قبائل سے جو معاہدہ کرتے تھے اس کا ایفا لازم تھا، اور وعدہ کا پورا نہ کرنا ایک قومی جرم تھا۔

سموال بن عاد یہ یعنی ایک عربی النسل یہودی تھا جو تیباء کے قلعہ ابلق میں رہا کرتا تھا، چنانچہ امرؤ القیس (مشہور شاعر) شاہ کندہ جب منذر شاہ حیرہ سے شکست کھا کر قصر روم کے پاس جا رہا تھا تو اس نے اپنے خاندان کی مشہور تاریخی زربیں سوال کے پاس رکھ دیں اور کہا کہ روم سے واپسی کے بعد ان کو لے لوں گا، لیکن اتفاق سے امرؤ القیس کا روم میں انتقال ہو گیا۔ جب حارث بن ابی شمر شاہ غسان کو امرؤ القیس کی موت کا حال معلوم ہوا تو اس نے سوال سے زربیں طلب کیں، سوال نے شاہ سے کہلا بھیجا کہ زربیں امانت ہیں وہ واپس نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس جواب پر شاہ نے حارث بن ظالم کی قیادت میں قلعہ ابلق پر فوج کشی کر دی۔ غریب سوال ایک فرمانروا کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لہذا قلعہ بند ہو گیا۔ اتفاق سے سوال کا بیٹا شکار کو گیا ہوا تھا جب شام کو وہ واپس آیا تو حارث نے اس کو گرفتار کر لیا اور سوال سے کہلا بھیجا کہ زربیں دیدو ورنہ تمہارے بیٹے کو قتل کر دوں گا، سوال نے جواب دیا کہ زربیں امرؤ القیس کے ورثہ کے سوا کسی کو نہیں دی جائیں گی اور میرے بیٹے کے حق میں تم کو اختیار ہے چنانچہ حارث نے اس نوجوان کو قتل کر دیا اور محاصرہ چھوڑ کر چلا گیا، اس واقعہ پر سوال نے یہ اشعار لکھے

وفیت باذرع الکندی اتی اذا ما ذموا قوام و فیت

کندی کے زرموں کے معاملہ میں میں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ میں وہ ہوں کہ جب کوئی قوم میرے ذمہ کوئی خدمت سپرد کرتی ہے تو میں ایفاء کے عہد کرتا ہوں۔

واوصی عادیاً یوماً بان لا تصدم یا سموال ما بینت

ایک دن میرے باپ عادیہ نے مجھے وصیت کی کہ اسے سموال جو عمارت میں نے قائم کی ہے اسکو منہم نہ کرنا سموال کے علاوہ عرب میں عوف بن علفم اور اس کی بیٹی جماعہ اور آم جمیل (از خاندان ابو ہریرہ) ابو عبل طائی حرث بن عباد وغیرہ ایفائے عہد میں مشہور ہیں۔

۱۵۔ مہمان نوازی | عرب مہمان نوازی میں ضرب المثل ہیں، ایک غریب عرب بھی اپنے ہمصر سے بڑھ جلنے کی کوشش کرتا تھا۔ دو ہمتہ اندھیری راتوں میں ٹیلوں اور پہاڑیوں پر آگ جلاتے تھے کہ بھولے بھٹکے مسافر اس روشنی پر آئیں اور نیزبان کے خوانِ نعمت سے سیر ہوں، اس بنا پر آگ کا ایک نام نار القریٰ (مہمانی کی آگ) بھی ہے سموال یہودی غریب کہتا ہے۔

وما اخمدت ناراً لنا دون طارِق ولا ذمنا فی المازلین نتریل
آیناے مہمان سے قبل کبھی ہماری آگ نہیں بجھائی گئی اور مہمانوں میں سے کبھی کسی نے کھوکھڑا نہیں کیا عربوں میں جو یہ رسم تھی کہ گھر سے نکل کر راستہ میں آگ جلاتے تھے۔ یہ بھی اسی فیاضی کی یادگار اور مبارک فال تھی کہ سفر سے جلد آنا نصیب ہو بعض سردار اس قدر فیاض تھے کہ غلاموں کے آگ جلانے سے جب کوئی مہمان آجاتا تو اس خوشی میں غلام کو آزاد کر دیتے تھے۔
حاکم طائی کا قول ہے۔

او قد افان اللیل، لیسل قرراً عسی یری نارک من یمراً

ان حبیب ضیفاً فانت حر

او غلام! آگ جلا، کیونکہ جاڑے کی رات ہے، شاید کہ تیری آگ کو راستہ چلنے والے دیکھ سکیں۔ اس فدیہ سے کسی مہمان کے بلانے میں اگر تو کامیاب ہو گیا تو آزاد ہے۔

اگر انتہائی سردی ہوتی اور آگ نہ سلگتی تو یہ فیاض عرب کتوں کو خیموں سے باندھ دیا کرتے تھے وہ جاڑے سے مجبور ہو کر چیختے تھے جن کی آواز پر مسافر آجاتے تھے۔ اسی بنا پر ادب عربی میں کہنے کو داعی الضمیر (مسافر کو بلانے والا) بھی کہتے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ مسافر بھی کتوں کی آواز شکرِ قلبی آواز میں کتوں کی بولیاں بولتے تھے۔ اس بھیانک آواز سے کہتے اور زیادہ شور مچاتے تھے اور مسافر خیمہ تک آسانی سے پہنچ جاتے تھے چنانچہ لغت عربی میں استباح کے بھی معنی ہیں کسی جاہلی شاعر کا قول ہے

ومستبح بات الصدی لیتستھہ الی کل صودت فھونی الرومل جانغ

اے صدیق! کتوں کے بولنا کیونکہ مسافر نے رات بسر کی۔ اور کتوں کی ہر آواز نے اسکو حیران کر دیا تھا

اور وہ میرے قیام گاہ کی جانب مائل تھا۔

ایک عرب اپنی بی بی کو مخاطب کر کے کہتا ہے

یا زینۃ الدار قومی! غیور صاغرة ضعی الیث رحال القوم والقربا

لے میرے گھر کی مالکہ! اٹھ اس حال میں کہ تو میرے مہمانوں کی عزت کرنیوالی ہے اور ان کے کچارے اور اسلحہ حفاظت سے رکھ۔

کھانے کے وقت مہمان سے گپ شپ کرنے کا بھی دستور تھا کہ وہ اطمینان سے کھانا کھائے مہمان سے پہلے میزبان خواب گاہ کے ڈیرے میں نہیں جاتا تھا۔ اور مہمان کے سامنے مصائب کا تذکرہ کرنا بھی معیوب تھا، مہمان کے سامان اسلحہ اور جوتہ کی حفاظت میزبان پر فرض تھی۔ مہانداری میں اعزاب (بڑی) حضریوں (شہری) سے زیادہ فیاض تھے۔ جب کوئی مسافر ان کے ڈیرے میں جا نکلتا تو اس کو لوٹتے نہیں تھے بلکہ بڑے احترام سے اس کا خیر مقدم کرتے تھے۔ ایک وقت بھی اگر مہمان نے کھانا کھالیا تو پھر وہ میزبان کی حمایت میں آ جاتا تھا

۱۴۔ فیاضی | سخاوت اور فیاضی بڑی صفت تھی اور بخیل ہونا عیب تھا

فخخ مکاء المزون مافی دضابنا کھامر ولا فینا بعد بخیل

آب باران کی طرح ہم آمیزش سے پاک ہیں اور ہماری نسل میں کوئی کندہ بن اور بخیل نہیں ہے۔

امراء عرب میں حاتم طائی کے افسانے آج تک مشہور ہیں، حاتم کی بچپن سے یہ عادت تھی کہ وہ کبھی تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ حاتم کے باپ کو یہ معمولی فیاضی بھی ناگوار تھی اس لئے ایک لونڈی اور ایک گھوڑا دیکر حکم دیا کہ چراگاہ میں اونٹ چرایا کرے اور وہیں رہے۔ حاتم جنگل میں بھی مہمان تلاش کر لیتا تھا۔ ایک دن تین سوار نظر آئے اتفاق سے یہ تینوں عرب کے مشہور شاعر تھے اور شاہ لقمان (حیرہ) کے دربار میں جا رہے تھے۔ حاتم ان کو اپنے خیمہ میں لایا۔ اور رات کے کھانے کے لئے تین اونٹ فوج کر ڈالے۔ ایک مہمان نے کہا کہ ہم سب کے لئے ایک جھوٹی اونٹنی کافی تھی۔ حاتم نے کہا کہ یہ تو میں بھی جانتا تھا لیکن آپ کے لباس اور چہرہ دل سے ظاہر ہے کہ آپ اعلیٰ طبقہ کے اصحاب ہیں، اس لئے تین اونٹ فوج کئے گئے تاکہ آپ کو بھی یہ دعوت یاد رہے۔

مہمانوں نے اپنے مغز میزبان کا شکریہ ادا کیا اور تمام رات حاتم کے خیمہ میں آرام کیا، چونکہ یہ تینوں شاعر تھے انھوں نے حاتم کی مدح میں قصائد پڑھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حاتم کی شاعری نے مدح کی تھی، جب مہمان رخصت ہونے لگے تو حاتم نے ہر ایک کو ننانوے اونٹ انعام میں دیے اور چراگاہ

اوتوں سے خالی ہو گئی، یہ حاتم کی پہلی فیاضی تھی، اور یہ مہمان نابلغہ ذبیانی، بشیر بن ابی حازم اور عبداللہ بن مشہور شاعر تھے۔ اس فیاضی کے بعد حاتم گھر آیا۔ لونڈی نے اس کے باپ سے یہ قصہ بیان کیا تو اس نے سر پر لیا اور حاتم سے کہا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ حاتم بولا، بابا جان! میں نے خاندان کی عزت کے لئے یہ کام کیا ہے جو قمری کے طوق کی طرح ہیشہ یادگار رہیگا، اور یہ شاعر آپ کی تعریف کے ہر جگہ گیت گاتے رہیں گے۔

اس جرم پر حاتم کے باپ نے اس کو گھر سے نکال دیا، جب حاتم معاش سے مجبور ہوا تو رہنری اختیار کی اور کچھ ہی دنوں میں امیر بن گیا۔ جس قدر مال غنیمت میں آتا وہ سب ڈال دیا کرتا تھا جب حاتم کی بی بی ماویہ کو اس کی فیاضیوں سے تکلیف ہوئی تو اس نے قطع تعلق کر لیا۔ حاتم کی سب سے بڑی فیاضی یہ ہے کہ قحط کے موقع پر اس نے اپنی سواری کا قیمتی گھوڑا ذبح کر کے مہانوں کو کھلادیا، حالانکہ یہ گھوڑا اسکی معاش کا ذریعہ تھا۔ اونٹ کا دینا سب سے بڑی فیاضی تھی۔ چنانچہ بنی امیہ کے ابتدائی زمانہ میں انعامات میں بجائے نقدی کے اونٹ ہی دیے جاتے تھے۔ اور ان کے کوہان پر شتر مرغ کے پر لگا دیتے تھے، یہ اس امر کی دلیل تھی کہ اب اونٹوں پر سے شاہی قبضہ اٹھ گیا اور وہ غیر کے ملک ہو گئے۔

حاتم کی مح میں سیکڑوں اشعار ہیں۔

یَعِيشُ النَّدَى مَا عَاشَ حَاتِمٌ طَى
وَأَن مَاتَ قَامَتْ لِلنَّسَاءِ مَاتِ

حاتم کے دم سے سخاوت زندہ ہے اور جب وہ مر جائیگا تو سخاوت پر حاتم کئے جائیں گے۔

عربوں کا دستور تھا کہ عیب ایسے فیاضوں کی قبر سے گزرتے تو استراٹا مان کی قبر پر اونٹ کی قربانی کرتے تھے جاہلیت کے مہمان نواز فیاض تین شخص ضرب المثل ہیں، حاتم طائی، کعب بن مامہ اور ہرم بن سنان۔
۱۷۔ اعانت مظلوم | اہل عرب پڑوسیوں کی حمایت اور مظلوموں کی اعانت کو بھی فرض سمجھتے تھے طرفہ نے اس مضمون کو خوب ادا کیا ہے۔

إِذَا الْقَوْمُ قَالَوْا مَن فَنِي خَلْتُ إِنِّي غَنِيْتُ فَلَمْ أَكْسَلْ وَلَمْ أَبْتَدِ

جب قوم یہ لغو لگائے کہ کون ہواں مرد ہے (جو دشمنوں سے بچا ہے) تو میں خیال کرتا ہوں کہ قوم کا روئے

سخن ہماری جانب ہے اس وقت نہیں کاہلی کرتا ہوں اور نہ انکی مصیبت و درگزر نہیں حیران ہوتا ہوں۔

جن قبائل میں مخالف راہمی اعانت کا قول و قرار ہوتا انکی مدد کرنا حلیف پر فرض تھی۔

۱۸۔ رقص و سرود | عرب میں چاندنی راتوں میں یاران جمع ہو کر قصے کہانیاں سنا کرتے تھے اور کہیں

ناج گاکر لطف صحبت کو بڑھاتی تھیں اور شراب کا دور بھی چلتا تھا۔ یہ فخریہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

أَفْذَلْتُ مَا ذَلَّتْ وَلَيْدَةٌ مَجْلِسٍ
تُرَى دَهْشًا أَذْيَالِ سَحَابٍ مُّثَدِّ (مزد)

وہ اونٹنی ایسے نازدادار سے چلی جیسے رقاصہ چھو کر ہی بکالت رقص مجلس میں اپنے آقا کے سامنے بلبی سفید چادر کے دامن اٹھا کر چلتی ہے۔

اُس عہد کی چادر کو زمانہ حال کی پیشواز بھنا چاہیے۔

۱۵۱۰۲ سخن قلنا اسمعینا انبیرت لفسا علی رسلہا مطر و فقه لمر تشدد

جب ہم نے اس سے گائے کی فرمایش کی تو وہ ایسی نزاکت اور شرمیلی اداسے آئی کہ گویا اس کی آنکھ میں کچھ پڑ گیا ہے اور اس کے حرکات رقص میں کڑنگی نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شرمیلی ادواؤں سے ہنسی گاتی ہے بڑنگی نہیں ہے

۱۵۱۰۳ اصححت فی صوٹھا خلعت صوٹھا تجاوب اطاری علی ربيع رد

جب وہ لنگری بھرتی ہے تو اُس کی آواز نرم اور غمناک ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چنداں نہیں

ہیں جو اپنے سرے ہوئے بچ پرورد ہی ہیں (جو فضل بہار میں پیدا ہوا تھا)

اونٹنی کا نوحہ کیسا ہی دلکش ہو، ہندی مذاق کے خلاف ہے، لیکن عرب جاہلیت کی شاعری میں یہ خوبی ہے کہ شاعر اُن چیزوں سے تشبیہ دیتا ہے جو اُس کے سامنے موجود ہوں اور خیالی تشبیہات سے گریز کرتا ہو

۱۹- واد البسات یاد خمر کشی |غت عرب میں ولد کے زندہ دفن کرنے کو واد کہتے ہیں بعض قبائل عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی اور وہ ایسا کیوں کرتے تھے اس کے متعدد اسباب ہیں:-

(۱) بیٹوں کی محبت |عرب ایک جنگجو قوم تھی اس لئے خاندان میں بیٹوں کی کثرت باعث فخر تھی اور ان کے حق میں یہ بھی دعا کرتے تھے کہ وہ شاعر ہوں، کیونکہ شاعری کی بدولت قبیلہ اور خاندان کو بقاء و دوام کی زندگی نصیب ہوتی تھی۔

(۲) قحط سالی |عرب میں اکثر قحط پڑا کرتے تھے اس لئے غریب آدمی کی نظر میں لڑکیوں کی کوئی قیمت نہ تھی، علاوہ بریں روزمرہ کی دنگ دستی سے بھی مجبور ہو کر وہ لڑکیوں کو زندہ رکھنا نہیں چاہتے تھے جس کا اشارہ قرآن کی بھی ایک آیت میں موجود ہے۔

(۳) جنگ و جہال |سیدان کا رنار میں عورتیں گرفتار ہو جاتی تھیں اور لونڈیاں بنائی جاتی تھیں، جو خاندان کی دائمی ذلت کا باعث ہوتی تھیں، یہ خیال بھی دختر کشی کا موید تھا۔ اور بعض جاہل خسر اور سالہ بٹنے سے شرماتے تھے۔ بہر حال بعض قبائل عرب میں دس فیصدی لڑکیاں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔ اس رسم کا موجد قیس بن عاصم تھے، اس نے دس سے زائد بیٹیاں

دفن کیں، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب قبیلہ بنی تمیم نے نعمان بن منذر شاہ حیرہ کو خراج دینے سے انکار کیا تو شاہی عامل قبیلہ کی عورتوں اور بچوں کو کپڑے لے گئے، اور جب قیدیوں کی دایسی ہوئی تو تیس کی ایک مٹی نے گھر آنے سے انکار کر دیا، اور جو قید کر کے لے گیا تھا اس کے پاس رہ گئی۔ اس پر قیس نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ کسی لڑکی کو زندہ نہیں رکھے گا۔ زبرقان نے بھی سات بیٹیاں دفن کیں لیکن بعض رحم دل دختر کشی کے مخالف بھی تھے چنانچہ فرزدق شاعر کا داد اصمصہ بن ناجیہ ایک لڑکی کے فدیہ میں ایک اونٹ اور دو اونٹنیاں دیکر جان بچاتا تھا۔ اور اس انسانی بہرہ رسی کے صلہ میں اسکو حجی المودت کا خطاب دیا گیا تھا۔ نبی کریم کے دادا عبد المطلب بھی اس رسم کے مخالف تھے، کیونکہ مکہ میں بھی لڑکیاں زندہ دفن ہو کر تھیں۔ چنانچہ جب عرب میں اسلام پھیلا اور یہ آیت نازل ہوئی **وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ** (اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائیگا کہ کس گناہ میں قتل کی گئی تھی) تو تمام عرب سے دختر کشی کی رسم منقرض ہو گئی۔ تفسیر زمخشری اور رازی میں آیت مذکور کی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض چھ سالہ لڑکیاں بھی دفن ہوئی ہیں، اور کبھی یہ لڑکیاں بہاڑ کی چوٹی سے گرادی جاتی تھیں، کبھی پانی میں غرق ہوتی تھیں اور بعض اوقات فوج کرڈالی جاتی تھیں۔

ہندوستان کے ٹھاکروں میں بھی یہ رسم جاری تھی، اور قریب ہی زمانہ میں قانون کے ماتحت بند ہوئی ہے۔ یونان دروم میں بھی حکماء نے دختر کشی کو معیوب نہیں سمجھا، اور اگر انسانی مردم شناسی کی کمی منظور ہو تو ان کے نزدیک اسقاطِ حمل جائز تھا۔

۲۰۔ **خطابت و شاعری** | مجمع عام میں تقریر کرنا، اور جستہ شعر کرنا یہ دونوں وصف تمام اوصاف پر غالب تھے۔ دور تمدن میں علوم منطقہ کے تحت میں جو علوم ایجاد ہوئے میں ان میں خطابت بڑے فخر کی چیز ہے۔ لیکن عرب جاہلیت منطق سے واقف نہ تھے باوجود اس کے فن خطابت میں ان کا بڑا یونانیوں سے بڑھ کر تھا۔ عہد جاہلیت کا سب سے نامور خطیب (کچرا) قیس بن ساعدہ تھا جس نے سب سے پہلے بلند مقام پر کھڑے ہو کر اور ہاتھ میں تلوار لیکر خطبہ دیا اور آج بعد کا استعمال کیا جس کے بعد سحبان واکل کا درجہ ہے۔ اس کے حافظہ کا یہ عالم تھا کہ دوران تقریر میں جو لفظ ایک مرتبہ کہہ جاتا تھا پھر اس کا اعادہ نہیں کرتا تھا، اسی بنا پر عربی میں یہ مثل ہے کہ **"اخطب من سحبان"** یعنی سحبان سے زیادہ خطیب۔ مردوں کے علاوہ عرب میں عورتیں بھی بڑی فصیح البیان گزری ہیں جس کی تفصیلی تاریخ اور ادب کی کتابوں میں ہے۔

شاعری | جاہلیت میں بلا مبالغہ ہر شخص جستہ شعر کہنے پر قادر تھا، اور محض اس غرور کی وجہ سے اپنے

مقابلہ میں وہ ساری دنیا کو عجم (یعنی گونگا) کہتے تھے۔ اس عہد تک وہ علم عروض و قافیہ سے محض ناواقف تھے۔ اور یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے کہ عہد اسلام میں جب علم عروض کی بنیاد پڑی تو شعرائے جاہلیت کے کلام سے مشہور بحریں اخذ کی گئیں۔ عرب میں سب سے اول قبیلہ قیس میں شاعری کا آغاز ہوا۔ عرب کی شاعری چار طبقات پر تقسیم ہے۔

۱۔ جاہلی۔ اس طبقہ میں وہ تمام شاعر داخل ہیں جو اسلام سے پہلے ہوئے اور اسلام سے قبل فوت ہو گئے۔ اور وہ شاعر بھی جاہلی کہلاتے ہیں جو عہد اسلام تک زندہ رہے لیکن انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔

۲۔ مخضرمی۔ یہ وہ شاعر ہیں جو عہد اسلام میں تھے اور جنھوں نے اسلام کو قبول کیا، چنانچہ دولت اُمیہ اور عباسیہ میں جو شاعر تھے وہ مخضرم الدولتین کہلاتے تھے۔ جس اونٹنی کا آدھا کان کٹا ہو وہ مخضرمہ کہلاتی تھی چنانچہ اسی سے یہ اصطلاح قائم ہوئی۔

۳۔ مولدین۔ دوسری صدی ہجری کے خاتمہ تک جس قدر شعر ہوئے وہ مولدین کہلاتے تھے۔ ۴۔ متجددین۔ تیسری صدی ہجری (مطابق نویں صدی عیسوی) کے آغاز سے جس قدر نئے شاعر پیدا ہوئے وہ سب متجددین ہیں۔

شعرا کے مولدین سے اخیر زمانہ تک جس قدر شاعر ہوئے یہ وہ ہیں جن میں شعر گوئی کا اصلی جوہر نہ تھا بلکہ آلہ ضاعت یعنی عروض و قافیہ و بیان و بلاغت کی مدد سے شعر کہتے تھے، لہذا شعرائے جاہلیت سے یہ کم درجہ پر تھے (کیونکہ وہ مادر زاد شاعر تھے)

عہد خلافت عباسیہ میں جب کلام شعرا کی تدوین ہوئی تو طبقہ اول، دوم اور سوم کے شعرا کا کلام سات حصوں پر تقسیم کیا گیا اور ہر صنف کلام کا ایک جداگانہ مجموعہ مرتب کیا گیا جو حسن بن علی ناموس کو موسوم کیا۔

۱۔ محلات ۲۔ مجہرات ۳۔ منقیات ۴۔ مذہبیات ۵۔ مراثی

۶۔ مثنویات ۷۔ لمحات

ان کے علاوہ مختلف شعرا کے دیوان جداگانہ ترتیب دیے گئے ہیں جن کا بڑا حصہ یورپ، مصر، بیروت اور قسطنطنیہ میں طبع ہو چکا ہے۔ ہر مجموعہ میں کثیر تعداد شاعروں کی ہے جس کی تفصیل کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

سور داس

(از پندت ہردے نرائن پانڈے ہردیش)

ہندی کے زندہ جاوید شاعر سور داس دلی کے قریب سیسی نامی گاؤں میں ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے تھے، وہ ذات کے برہمن تھے اور کم سنی ہی سے اُنھوں نے ہندو راجن کو اپنا مسکن بنالیا تھا، اس زمانہ میں وہاں بلیجہ آچار یہ مشہور ہندو فلاسفر موجود اور سور داس انھیں کے شاگرد ہو گئے۔ بلیجہ آچار یہ بھگوان کرشن کے پرستار تھے چنانچہ سور داس جی کو بھی کرشن جی کی بھگتی ہو گئی، اور یہی ان کی شاعری کا موضوع ہے۔ کمال فن کے اعتبار سے اُن کی شاعری ہندی لٹریچر میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ شاعر نے ہندی میں سور داس کو خدایہ سخن کا درجہ حاصل ہے۔ ہندی ادب کی جس شاہراہ پر وہ گامزن ہوئے اسکی پیروی کرنا آج بھی ہندی زبان کے تمام شعرا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ سور داس جی کو آکھنول سے معذور تھے مگر اُن کا دل انوار الہی سے منور ہو چکا تھا، جس کی بدولت آدمی لظاہر کو چشم ہونے کے باوجود کچھ دیکھ سکتا ہے۔ ۱۹۶۲ء میں اسی برس کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

سور داس جی کی تصانیف میں سور ساگر، ساہت لہری، سور سا اولی، نل دینتی اور بیا بھو بہت مشہور ہیں۔ ان میں سور ساگر بہت ضخیم ہے جس میں ایک لاکھ چھپس ہزار اشار ہیں۔ سور داس کو شاعری کے علاوہ علم موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا چنانچہ کوئی راگ راگنی ایسی نہیں ہے جو سور ساگر میں موجود نہ ہو۔ اس کی نظموں میں جادو کا سا اثر ہے۔ دربار اکبری کے نورتن اور ہندوستان کے سب سے بڑے گوئیے تان سین نے ان کے پدوں (نظموں) کے متعلق ایک بار کہا تھا کہ

دو۰ کھیوں سُر کو سر لگمو-کھیوں سُر کی پیر

کھیوں سُر کو پد لگمو تان من پوننن سَریر ۱۱

اس دوہے میں لفظ سور تین معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ سور بمعنی بہادر اور ایک قسم کا درد شکم، اور سور داس۔ دوہے کا مطلب یہ ہے کہ سور داس کہتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے جو انسان اتنا بیتاب ہو رہا ہے کیا کسی سور کا تیرا سکے جگر کے پار ہو گیا ہے یا اس کے سول کا درد تو نہیں اُٹھا ہے۔ اگر ان دونوں میں

سے کوئی بات نہیں ہے تو ضرور اس نے سورداس کی نظم سنی ہوگی جس کے اثر کی وجہ سے وہ اتنا بیتاب ہو رہا ہے۔ "تن من دھنت سیر" کے الفاظ میں جو لطافت اور دلآویزی ہے اس کا ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ان کی شاعری میں غضب کا سوز و گداز ہے۔ ان کی تمام نظمیں جذبہ درد سے جو شاعری کی روح ہے لبریز ہیں۔ حسن و عشق کے مختلف پہلوؤں اور ان کی باریکیوں پر جتنے پہلوؤں سے انھوں نے نظر کی ہے، اتنی کسی دوسرے شاعر نے شاید ہی کی ہو۔ ان کے کلام میں جذبات نگاری اور وسعت تخیل کے ساتھ ہی ساتھ قدرت، ظرافت اور شوخی بیان کی خوبیاں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ کہیں کہیں صن و شقی کی چاشنی کے ساتھ ظرافت و شوخی کا چٹخارہ بھی موجود ہے جو ایسا بہلا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعریف ہی نہیں ہو سکتی۔ سورداس کی شاعری کیا ہے مصوری ہے۔ انھوں نے مناظر قدرت اور جذبات انسانی کی تصویریں کھینچ دی ہیں۔ اس لیے ان کی شاعری میں مصوری کا لطفت آتا ہے۔ زبان میں وہ فصاحت و بلاغت اور سلاست ہے۔ گویا ایک نوز کا دریا ہے کہ آہستہ آہستہ بہہ رہا ہے۔ ان کے کلام میں غیر فصیح الفاظ تلاش کرنے پر بھی نہیں ملتے۔ بندش کی چستی، الفاظ کی دلآویز ترکیب، عبارت آرائی، اور زبان کی سلاست اور شیرینی ان کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ درحقیقت اس وقت تک برج بھاشا کا ان سے زیادہ شیریں زبان اور فصیح بیان شاعر پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی شاعری کے چند نمونے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جن سے اردو وال سنن شناس بھی ان کے کمال فن کی داد دے سکیں گے۔

یہ سمجھی جانتے ہیں کہ آنکھیں بڑی نعمت میں اور دنیا نے حسن میں تو ان کا درجہ بہت ہی بلند ہے
ہر ایک زبان کے شعر نے آنکھوں کی تعریف میں اپنا زور قلم دکھایا ہے۔ سورداس جی نے بھی اس پر طبع آزمائی کی ہے چنانچہ اس موضوع پر ان کی ایک نظم بہت مشہور ہے جو درج ذیل ہے:-

पद - उपमा एकन नैन गही ।

कवि जन कहत रचलि आस सुधि कर नाहिं कही ॥

कहि चकोर बिधु मुख बिन जीवत, मंवर नही उडि जाता

हरि मुख कमल-कोषते बिरुरे-ठाले कत ठहरात ॥

खंजन पंख पसारि उड़त नहिं कहां पिय दिगं नहि जात ।

जो मृगतौ कत सचन श्याम बन बिच कोहे न दुश्जात

ब्रज लोचन बिनु लोचन कैसे - प्रति छन ऐसे बादत ।

सूरदास मीनता कछू इक जल भरि संग न छाड़त ॥

(ترجمہ) آنکھوں کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ شاعروں نے جن چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے اس میں عقل اور فرد سے کام نہیں لیا، انھوں نے آنکھوں کو چکور کہا مگر یہ تشبیہ غلط ہے کیونکہ اگر آنکھیں چکور ہوتیں تو محبوب کے ماہتاب جیسے چہرہ کو دیکھنے بغیر زندہ ہی نہ رہ سکتیں حالانکہ یہ اس کے بغیر بھی زندہ ہیں۔ اور بھونے سے ان کو تشبیہ دی جائے تب بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ وہ بھی روئے گل کے دیکھے بغیر چین نہیں پاتا، اگر یہ بھوننا ہوتیں تو روئے گل کے گرد ضرور گھومتیں۔ یہ کہن بھی نہیں ہیں ورنہ ادھر ادھر ضرور پھدکتیں اور اڑا کر اپنے محبوب کے پاس جا پہنچتیں۔ یہ آہ بھی نہیں ہیں ورنہ فراق دلربا میں نہرا میں دشت نوردی کرتیں اور چوگرٹیاں بھرتیں۔ مندرجہ بالا مثالوں میں سے ایک بھی ان کے لئے موزوں نہیں۔ ہاں ان کے متعلق صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ پھلیا ہیں جو اپنے محبوب کے عشق میں ہر وقت پر آب رہتی ہیں۔ جس طرح پھلی پانی سے علاحدہ نہیں رہ سکتی اسی طرح آنکھیں بھی کسی وقت پانی سے جدا نہیں رہتیں، پانی ہی پر ان کی زندگی کا دار و مدار ورنہ آتش بحرال سے جلا کر فرو خاک سیاہ ہو گئی ہوتیں۔

بیان میں غضب کا سوز و گداز ہے۔ کلام میں درد اور بانگین دونوں شیر و شکر کے مانند گھلے ہوئے ہیں و معنی خیل قابل داد ہے۔ کسی انگریز شاعر کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ (Imagination is Joy) تخیل مسرت ہے۔

بحرال نصیب عاشق کو قدرتی مناظر کا حسن دل خوش ہونے کے بجائے تکلیف دہ ہوتا ہے چنانچہ سورداں نے بھی چاندنی رات میں فرقت نصیب عاشق کی حالت کس خوبی سے بیان کی ہے، فرماتے ہیں:-

पद - पिया विनु सांपिनि कारी रात ।

कबहुं नामिनी होति जुनैया - उसि उलटी है जात

(ترجمہ) محبوب کے بغیر رات کالی ناگن ہو رہی ہے، کالی ناگن کی پیٹی سفید ہوتی ہے اور اس کا یہ دستور

ہوتا ہے کہ کاٹنے کے بعد وہ الٹ جایا کرتی ہے چنانچہ اُلٹنے پر اس کی سفید پیٹی نمودار ہوتی ہے۔

اسی طرح چاندنی رات میں جب چاندنی بادلوں کے اندھیرے میں ڈھک جاتی ہے تو عاشق کو وہ کالی ناگن کی طرح ڈٹنے لگتی ہے، پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاندنی اپنا روئے تاباں بادلوں کے گھونگھٹ میں سے باہر نکالتی ہے۔ عاشق سمجھتا ہے کہ ناگن ڈس کر الٹ گئی ہے اور اس کی پیٹی کی سفیدی نمودار ہو رہی ہے۔

تشبیہ اور وجہ تشبیہ دونوں نہایت لاجواب ہیں

عاشق کو ہر وقت معشوق ہی کا تصور رہتا ہے، اس وجہ سے اسے اپنے محبوب کی جہانی محسوس نہیں

ہوتی شاعروں نے اس خیال کو مختلف طریقوں پر بیان کیا ہے۔ مثلاً:-

(مومن) تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
(مصطفیٰ) بھیج دیتا ہے خیال اپنا عرض لپٹے سام اس قدر یار کو غم ہے میری تہائی کا
(میرسن) دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
(لا اظم) تصور سے تھا سہل دل تو لکھیں ہے ہی لیتے کیا تم آؤ یا نہ آؤ کام اپنا ہو ہی جاتا ہے
اسی طرح سوردا س نے بھی اس خیال کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

دوہا - باہن کھڑا جات ہو نیبیل جانیکے موہن ۔

ہیرے سوں جب جاڈھو سب لے بدھو گو توہن ॥
(مطلب) لے میرے محبوب تو خواہ مجھ سے ہاتھ چھوڑ کر بھاگ جائے لیکن اگر میرے دل سے بھاگ کر
کیس اور جاسکے تو میں تجھے بہادر سمجھوں۔ اگر تجھے بہت ہو تو اس کی کوشش کر کے دیکھ لے۔

آنگھول پر سوردا س جی کا ایک اور خیال ہے:-
پد - میرے نینا بیرھا کی وےلی بڈی

سیوحت نیر نین کے سجنی مूल پتال गई ۔

بیکسیتی لتا سوما ی آراپنے دھایا سدھن مڈی ॥

سب کسے نیرباروں سجنی سب تن پسریر ھڈی ॥

یعنی میری آنکھوں نے ہجر کی ایک بیل لگائی ہے، یہ خود مالی کا کام کرتی ہیں، اور دن رات آنسوؤں
سے شاداب رکھتی ہیں۔ اس بیل کی جڑیں بہت گہرائی تک نیچے پھیلتی جاتی ہیں۔ اپنی عادت کے بموجب
بیل چاروں طرف چھالنی ہے اور اب مجھے ہر طرف سے ڈھک لیا ہے۔

برسات کی اندھیری راتوں میں ساری دنیا چین سے سو رہی ہے، مگر عاشق کی آنکھوں میں
نیند کہاں! آدھی رات کے سناٹے میں پیہما بول اٹھائی کہاں پی کہاں! اس آواز کو سنتے ہی
عاشق کے زخمی دل کے ٹانکے ٹوٹ گئے اور زخم ہرا ہو گیا۔ اس پر سوردا س جی کیا کہتے ہیں ذرا اُن ہی
کی زبان سے سنئے:-

پد:- بہت دن جیو پپہا پھارے ۔

باسر رین ناو لے ولت-بھو بیرھ جور کورے ۔

آپ دھوین پر دھوین جانن جیو چاتک نام تھارے ॥

دیکھو سبے بیچارے دھو جیو بھورن کو دھو نھارے ۔

जाहि लगे सोई पै जानै प्रेम बान अनियारो ॥

सूरदास प्रभु स्वाति बूंद लगी तज्यो सिन्धु करि खारो ॥

(مطلب) پیارے پیسے تو دنیا میں بہت دن تک زندہ رہے لیونکہ تو شب و روز اپنے پیارے کا نام لیا کرتا ہے (پی کی کہاں پی کی کہاں کہتا ہے) تیرا جسم آتش بھر سے جل کر سیاہ ہو گیا ہے (پیسے کا رنگ کالا ہوتا ہے) تو اپنے غلام و دوسروں کے لئے بھی غمگین رہتا ہے اسی لئے تیرا نام چٹاک یعنی دوسروں کا شریک بن گیا ہے۔ اس دنیا میں درد و فرقت سے بڑھ کر دوسری مصیبت نہیں ہے۔ اس درد کی تلخی کو وہی محسوس کر سکتا ہے جس کے سینہ میں کبھی عشق کا تیر پا رہا ہو۔ پیسے تو نے سوانت کے بادلوں کے دو بوند پانی کے لئے سمندر کے پانی سے بھی فائدہ نہ اٹھایا۔
بادلوں کو گر جتے ہوئے دیکھ کر سورداس جی کہتے ہیں:-

पद:- बरये बदरा बरसन आये ।

अपनी अवधि जानि नद नन्दन गरजि गगन धन छाये ।

सुनियत है सुरलोक बसत है सेवक सदा पराये ॥

चातक कुलकी घोर जायिकै जहं तहं से उठि चाये ॥

पद:- किथौं घन गरजत नहिं उन देसन ।

किथौं वहि देस मोर चातक पिक बधिकन बधे बिससन

किथौं वहि देस बाल नहिं झूलत गावत गीत सहे सनि ॥

(ترجمہ) دیکھئے برسات شروع ہو گئی ہے اپنے محبوب موردل اور سپہوول کو آرام دینے کے لئے بادل بھی آگئے۔ مگر افسوس میرے محبوب نے میری خبر نہ لی۔ یہ بادل بچارے دوسرے کے لڑکھیں اور دوسرے ملک یعنی آسمان پر رہتے ہیں مگر تلکین برداشت کر کے کسی نہ کسی طرح موقعہ پر آ ہی گئے۔ کیا میرے محبوب کے دیار میں بادل نہیں گرجتے، کوئلیں نہیں گوتیں، مہاوون کی مچھم بھو ہاریں نہیں پڑتیں، کیا وہاں شکاریوں نے بھی موردل اور کوئلوں کو ہلاک کر دیا۔ کیا اس دلیہ کی حوروش نازنین جھولے کی رسیوں کو اپنے زم زم گورے گورے ہاتھوں سے پکڑ کر خوشی سے اچھلتی ہوئی میٹھی میٹھی آواز میں سادہ نہیں گاتیں۔

۱۰ غالب نے بھی کہا ہے:-

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرم کنش کو
یہ غلط کہاں سے ہوتی جو تیر کے بار ہوتا۔

انگریزی شاعر ورڈس ورٹھ کی طرح سورداس بھی نیچر کے عاشق صادق ہیں اور نیچر ہی کے ساتھ
 بچہ و راحت کا احساس و اظہار کرتے ہیں۔ اگر ان کا دل درد و غم سے بھرا ہوا ہے تو وہ اپنے ساتھ بادلوں
 کو بھی روتا ہوا پاتے ہیں۔ بجلی کی کڑک میں ان کو اپنے دل درد مند میں بھی ٹپس معلوم ہوتی ہے۔ موروں
 کی آواز ان کو اپنے محبوب کی صدا سنائی دیتی ہے۔ غرض نیچر میں جس طرف بھی ان کا دھیان جاتا
 ہے ان کو اپنی دلی کیفیت و واردات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ شاعر دراصل ایک مصوّر ہے جو انسانی
 زندگی کے ان پوشیدہ رازوں کی تصویر کھینچتا ہے جن پر عوام الناس کی نظر نہیں جاتی۔ ورڈس ورٹھ
 کا قول ہے کہ نظم کی خوبی یہ ہے کہ اس میں انسانی جذبات کی صحیح تصویر کھینچی جائے۔ یہ بات سورداس
 کی شاعری پر بھی چسپاں ہوتی ہے۔

انہی میں محبت کے متعلق سورداس کی ایک مشہور نظم درج کر کے اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

पदः- प्रीति करि काहू सुख न लह्यो ।

प्रीति पतंग करी दीपक सों आये प्राण दह्यो ॥

अलिसुत प्रीति करी जलसुतसों सम्पति हाथ गह्यो ॥

सारंग प्रीति करी जो नादसों सन मुख बान सह्यो ।

सूरदास पिय बिन दुख दूखो नैनन नीर बह्यो ॥

(ترجمہ) اس دنیا میں محبت کر کے کسی نے آرام نہیں پایا۔ پروانے شمع سے محبت کی، نتیجہ یہ ہوا کہ
 راہِ انت میں جل کر خاک ہو گیا۔ بھونرے نے کنول کے پھول سے محبت کی، جب رات کو کنول کی
 کلی بند ہو گئی تو اُس نے سوچا کہ شب وصال کے لطف کو ہاتھ سے کیوں جانے دوں اُسی میں
 بند پڑا رہا، صبح کے وقت ایک ہاتھی تالاب میں پانی پیئے آیا اور کنول کے پھول اور پتوں کے
 ساتھ ہی اُس بھونرے کو بھی کھا گیا، بھونرے کی محبت کا انجام یہ ہوا۔ اور ہرن شکاری کی
 بین سے محبت کرتا ہے اسی بین کے ذریعہ جس پر ہرن قربان ہے شکاری اُسے قید کرتا ہے
 یعنی ہرن کو بھی محبت میں جان کھونی پڑتی ہے۔ ان باتوں سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ دنیا میں
 عشق و محبت کا دم بھرنے والوں کو کبھی آرام نہیں نصیب ہوتا۔

دھرماتما مالوی جی

(از اقبال ورماسرہنگامی)

بزرگ قوم پنڈت مدن موہن صاحب مالوی کے نام نامی کے ساتھ جو لقب نبی عنوان ہے وہ موجودہ زمانہ کے عظیم ترین شخص ہاتما گاندھی کی جانب سے عطا ہوا ہے اور واقعی پنڈت جی کی نیکی و نیک نفسی صلح جوئی و اولوالعزمی، علم وستی و حق پرستی کو مد نظر رکھتے ہوئے اُن کے لئے اس سے بہتر لقب ہو نہیں سکتا ہے۔ دھرم میں بہت بڑی جامعیت ہے، اور کسی شخص کا دھرماتما ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی ذات مجموعہ صفات میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کی بدولت انسان دیوتا کملانے کا اہل ہو سکتا ہے۔ پنڈت جی کے والد پنڈت برجاتھ صاحب قدیم وضع کے پنڈت تھے اور سنسکرت کے عالم و فاضل ہونے کے علاوہ مذہبی و اعظم بھی تھے۔ چنانچہ سرمد بھاگوت اور پرانوں کی کھائیں س انداز اور صفائی کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ سبھی لوگ اُن کی قابلیت سے یکساں مستفید ہوتے تھے۔

مالوی جی ۲۵- دسمبر ۱۸۶۱ء کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے، اوائل عمر میں وہ عام دستور کے مطابق پاٹھشالاؤں میں پڑھتے رہے۔ رفتہ رفتہ انگریزی تعلیم کی نوبت آئی، یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے میونسٹرل کالج میں داخل ہوئے اور ۱۸۸۱ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی، جس کے بعد اُنھوں نے گورنمنٹ ہائی اسکول الہ آباد میں لیمدہ اسسٹنٹ ماسٹری ملازمت اختیار کر لی، مگر ۱۸۸۷ء میں راجہ رامپال سنگھ مرحوم والی ریاست کالا کانکرہ مالک اخبار ہندوستان کے اصرار سے اُنھوں نے دوسرے وہیہ ماہوار مشاہیر پر اخبار ہند کوڑکی اڈٹیری منظور کر لی۔ پنڈت جی کی قابلیت اور قومی خدمت کی لگن نے اُس شعبہ میں بھی ایسا رنگ دکھایا۔ دو سال کے بعد آپ ہندوستان کی اڈٹیری سے کنارہ کش ہو کر انڈین یونین نامی انگریزی اخبار کے اڈٹیر ہو گئے جو بالآخر اڈٹریٹ (لکھنؤ) سے ملحق ہو گیا تھا۔ آپ نے پبلک خدمات کے تعلق سے اخبار کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے ”ابھودے“ نامی ہندی ہفتہ وار کا اجرا کیا جو بہنوز جاری ہے ۱۹۱۹ء میں آپ نے صوبہ کے مشہور و معروف روزنامہ لیڈر کے اجرا کے لئے بھی انتہائی کوشش کی، اس معزز اخبار نے اب تک جو اہم ملکی خدمات انجام دی ہیں

اور جنگی بدولت وہ رعایا دسرکار ہر دو کی نگاہوں میں مقبول ہو چکا ہے اُن کا اعتراف نہ کرنا کفرانِ نعمت ہوگا۔ پنڈت جی نے اپنے اخباری مشاغل کو بھاری رکھتے ہوئے بھی ۱۹۱۷ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کر لیا اور ۱۹۱۷ء سے ہائی کورٹ الہ آباد میں وکالت کرنے لگے۔ مگر پنڈت جی کو نہ اس پیشہ میں کسی غیر معمولی فروغ کے حاصل کرنے کی تمنا تھی اور نہ انھوں نے کوئی غیر معمولی فروغ حاصل کیا، اُن کا فطرتی رجحان رفاہ عام کے کاموں کی جانب تھا اس لئے اُن کا قدم پھر اسی راستہ پر آجاتا تھا جو اسی منزل مقصود کی طرف لجاؤں گا۔ تعلیمی ترقیوں کے متعلق سوچتے ہوئے پنڈت جی نے اُس وقت کو محسوس کیا جو طلباء کو الہ آباد میں قیام کے متعلق ہوتی تھی، چنانچہ اُسے رفق کرنے کی غرض سے انھوں نے سرسند رال آجھانی سے ملکر بڑی تندہی سے ہندو بورڈنگ ہاؤس قائم کیا اور انھوں نے چندہ کی فراہمی کے لئے اپنے صرفے سے دور دراز کے سفر کی رحمت گوارا کی۔ مگر پنڈت جی کے تعلیمی کارناموں میں سب سے بڑی تیز بنارس ہندو یونیورسٹی ہے جس پر انھوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ دار دیا ہے۔ اس عظیم الشان تعلیم گاہ کی قائمی کے لئے پنڈت جی نے برسوں تک جس سرگرمی اور مستعدی سے کام کیا وہ واقعی انھیں کا حصہ تھی، اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آپ کو اس جانفشانی کا جو ثمرہ ملا وہ آپ کے علمی غضب العین کے سراپا حسب حال اور علو ہمتی و اولوالعزمی کے ہر طرح سے شایان ہے۔

پنڈت جی کو تقریریں وہ ملکہ حاصل ہے کہ باید و شاید، اُن کی جلد و بیانی سامعین کے دلوں کو مستحضر کرتی ہے، فنِ تقریر میں بنگال کے مشہور مقرر سر سریندر ناتھ نہر جی مرحوم کے بعد مالوی جی ہی کا نمبر ہے۔ مالوی جی کو انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ ابتدا ہی سے گہری عقیدت تھی، وہ اس کے دوسرے ہی اجلاس میں جو ۱۹۰۷ء میں بمقام ملکہ منعقد ہوا تھا ڈیلیگیٹ کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے، وہیں انھوں نے اپنی پہلی تقریر فرمائی تھی جس کی مسٹر ہیوم مرحوم نے اپنی کانگریس کی رپورٹ میں بڑی تعریف کی ہے۔ دوسرے سال مدراس کانگریس کے موقع پر انھوں نے جو تقریر کی وہ بھی مقبول عام ہوئی، مسٹر ہیوم، مسٹر نارٹن، سر مادھو راؤ وغیرہ نے اسکی داد دی تیسرے سال مالوی جی کی کوشش سے کانگریس کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں ہوا ان سرگرمیوں اور کارگزاریوں ہی کی وجہ سے پنڈت جی کا شمار مقتدر کارکنان کانگریس میں ہونے لگا اور اُن کی شہرت کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، شدہ شدہ ۱۹۱۷ء میں آپ صوبائی کانفرنس واقع لکھنؤ کی صدارت کے لئے منتخب کئے گئے اور اُس کے دوسرے ہی سال آپ کو لاہور کانگریس کی صدارت کا اعزاز عطا ہوا ۱۹۱۷ء میں وہ دوبارہ وہلی کانگریس کے صدر منتخب ہوئے جس میں اول مرتبہ تقریباً سات سو کانگریس ڈیلیگیٹوں نے بھی شرکت کی۔ پنڈت جی نے اپنی صدارتی تقریریں ہندو مسلم اتحاد کی بھی تلقین کی تھی۔ اس کے متعلق

آپ کی بے تعصبی اور فراخ دلی کا اظہار اُس خط سے ہوتا ہے جو آپ نے ستمبر ۱۹۲۲ء میں مولانا طیف کے سلسلے میں مہاتما گاندھی کو لکھا تھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ:-

”عقل مند لوگ صرف اُسی شخص کو بھلا کہتے ہیں جو برائی کرنے والوں کے ساتھ بھلائی کرتا ہے، صرف وہی لوگ نیک ہیں جو اپنے ساتھ بری کرنے والوں سے بھی نیکی کرتے ہیں، ایسی نیک ارواح سے دنیا کی عزت ہوتی ہے جو ان کے وجود کی بدولت بہتر بن جاتی ہے۔“

جب ستمبر ۱۹۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے قدیم رویہ سے منحرف ہو کر سرکار سے ترک موالات کی ٹھانی تو مالوی جی نے اس سے اپنے اختلاف رائے کا اظہار کیا مگر تحریک سودیشی سے پنڈت جی کو اُس زمانہ سے پریم ہے جب اُس کے نام سے ملک میں بہت کم لوگ واقف تھے چنانچہ آپ ہی کی کوشش سے ”دیشی تجارت کمپنی“ کے نام سے الہ آباد میں ایک کمپنی ستمبر ۱۹۲۱ء میں قائم ہوئی۔ بہر حال پنڈت جی اُس وقت کانگریس سے علاحدہ رہتے ہوئے بھی ملک و قوم کی جانب سے بے پرواہ نہیں رہے اور بیروان کانگریس کے نشانہ پر ملامت ہونے کے باوجود وہ اپنی صلح جویانہ روش کے مطابق مصالحتی کوششوں میں مصروف رہے یہاں کہ ستمبر ۱۹۲۱-۲۲ء میں کانگریسی تحریک کے وسعت پذیر ہونے پر انھوں نے اس امر کی بار بار کوشش کی کہ کانگریس اور سرکاری کسی طرح مغایرت ہو جائے مگر جب چوری چوراکے افسوسناک حادثہ کے بعد تحریک نان کوآپریشن از خود بند کر دی گئی تو پھر کسی مغایرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہی اور ملک میں امن و سکون کا تسلط ہو گیا۔

پنڈت جی کی ہمہ گیر طبیعت کسی ایسے کام سے بے تعلق ہو کر نہیں رہ سکتی ہے جس کا کرنا آپ کے نزدیک ملکی مہبود کا باعث ہو چنانچہ آپ نے کونسل اور اسمبلی کے کاموں سے بھی خاص دلچسپی لی جہاں انھوں نے سالہا سال تک مسلسل کام کیا۔ وہ ستمبر ۱۹۲۲ء میں آئرن بیل پنڈت بشیم ناتھ صاحب کی جگہ ممبر منتخب ہو کر لیجسلیٹو کونسل میں داخل ہوئے تھے اور بالآخر ۲-اپریل ۱۹۳۳ء کو ”ٹیرنبل“ کی مخالفت میں لیجسلیٹو اسمبلی کی ممبری سے مستعفی ہو گئے۔ اُسی بل کی مخالفت میں انھوں نے سودیشی کی اشاعت شروع کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کانگریس کی تحریک ملک میں پھیزور کپڑے ہی تھی اور سرکاری تشدد کا دور بھی شروع ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اسی تشدد کی مخالفت میں کانگریس کی مجلس عاملہ کے ممبر ہوئے اور ۲-اگست ۱۹۳۳ء کو ممبئی کے ایک کانگریسی جلسہ میں شامل ہو کر گزارنا ہو گئے، اُس وقت آپ بر عدالت سے سو روپیہ جرمانہ ہوا اس رقم کو کسی نامعلوم شخص نے ۲۸-اگست کو ادا کر دیا اور پنڈت جی راہ ہو گئے مگر ۲۸-اگست کو ممبئی میں مجلس عاملہ کے دیگر ممبروں کے ساتھ وہ پھر گزارنا ہو گئے اور انھیں چھ ماہ قید رخص کی سزا ہوئی۔ ۱۹-جنوری ۱۹۳۳ء کو وزیراعظم

برطانیہ کا مشہور و معروف سرکاری اعلان ہو جانے پر جب مجلس عامہ کے جلسہ میران رہا ہوئے تو آپ کی رہائی بھی عمل میں آئی۔

اس کے بعد ۵ مارچ ۱۸۵۷ء کا مشہور تاریخی سمجھوتہ ہونا، کانگریسی قیدیوں کا رہائی پانا، کانگریس کا دوسری گول میز کانفرنس میں مدعو کیا جانا وغیرہ جملہ واقعات ابھی بالکل تازہ ہیں اور یہاں پر ان کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ مختصر یہ کہ ۲۹- اگست ۱۸۵۷ء کو پنڈت مالوی جی بھی مہاتما گاندھی کے ساتھ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے راجپوتانہ نامی جہاز پر بمبئی سے لندن کے لئے روانہ ہو گئے۔ کانفرنس مذکور میں شامل ہو کر آپ نے اپنی موثر تقاریر کے ذریعہ اپنے ملک کا حق بنیابت ادا کیا۔ اب آپ ۱۳ جنوری ۱۸۵۷ء کو بمبئی واپس آ گئے ہیں اور آج کل ملک کے بڑے بڑے لیبرل لیڈروں کے ساتھ موجودہ سیاسی صورت حال پر غور کر رہے ہیں۔

پنڈت جی کے مزاج میں فقر و غنا کا انتہائی دخل ہے۔ مذہب کی پرستش کو تو ان کی فطرت انوی کمندینا بچانہ ہو گا۔ موصوف ہی نے ۱۲۷۷ء میں سناتن دھرم مہاسبھا الہ آباد کی بنیاد ڈالی تھی مگر پنڈت جی سناتن دھرمی اور قدامت پرست ہوتے ہوئے بھی اصلاح و ترقی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، اس کا نتیجہ ان کے حال کے سفر لوہ پ سے ملتا ہے ”چھوت چھات“ کے متعلق بھی آپ کے خیالات میں تغیر عظیم ہو گیا ہے، فی الجملہ ہم ان کی مذہب پرستی کو حق پرستی سے موسوم کر سکتے ہیں۔ ہمارا یہ خیال عین یقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے جب ہم آپ کے اس پیغام پر غور کرتے ہیں جسے مدوح نے ابھی گذشتہ سفر لوہ پ میں ”کوئنبیا گراموفون کمپنی“ کے رکارڈوں کے ذریعہ دنیا کو دیا ہے۔ پیغام مذکور کے دوران میں آپ فرماتے ہیں:-

”..... کثیر التعداد انسان ایشور کے بارہ میں باتیں کرتے ہیں، اس کے پاک نام کا مدد کرتے ہیں، اور

اس کی ہستی پر اعتقاد رکھتے ہیں، مگر چند ہی لوگوں میں یہ اعتقاد کام کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ واقعی ایشور کا

وجود ہے، اس سے بھی کم لوگوں کو اس کے وجود کا تصور ہوتا ہے۔ انسانی تمذیب کو زیادہ بلند درجہ پر

پہنچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان تمام معلومات کو یکجا کرنے کی بین الاقوامی حیثیت سے کوشش کی جائے

جنہیں مذہبی عالموں، فلاسفوں اور سائنس دانوں نے حاصل کیا ہے اور ایشور کے وجود کے متعلق کوتاہ

سے کوتاہ فہم والوں کو بھی سمجھایا جائے۔ ایشور کے وجود اور اس کے انسانوں کے ساتھ والے تعلق کو تمام

وکمال ہر مرد و زن کے ذہن نشین کر دیا جائے اور ساتھ ہی ان کو مذہب کے وہ بنیادی اصول بتلائے

جائیں جن پر انسانی اخلاق کا دار و مدار ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

..... تمامی خلقت میں ایک ہی ذی روح طاقت ہے جو ہر کہیں ہر شکل میں پائے جانے والے جاندار میں

موجود رہتی ہے، یہ معلوم کرنے پر نہ صرف انسانوں ہی کے مابین مساواتی تعلق قائم ہو جاتا ہے بلکہ انسانوں اور جلد دیگر جانداروں کے مابین بھی۔ اسی قسم کے سلسلہ خیالات سے دوبندادی اصول اخذ کئے گئے ہیں: ۱۔ چونکہ ایک ہی ایشور سبھی جانداروں میں موجود ہے اسلئے مجھے دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرنا چاہیئے جسے میں دوسروں کی جانب سے اپنے متعلق ہونا پسند نہیں کرتا، اور مجھے وہی کرنا چاہیئے جسے میں چاہتا ہوں کہ دوسرے میرے ساتھ کریں۔ ہزاروں برس پہلے ہندوستان کے ریشیوں نے ادا مرنوا ہی کی صورتوں میں ان ہر دو اصولوں کا اعلان کیا تھا جنہیں مذہب و اخلاق کا خلاصہ کہنا چاہیئے.....“

پنڈت جی کی مذہب فہمی اور وسیع انجمنی کی اس سے روشن تر مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟
ابھی ۲۵۔ دسمبر ۳۱ء کو پنڈت مالوی جی کی عمر کا ستر و اٹھ سال پورا ہوا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم اس فنانی القوم بزرگ کو عرصہ تک سلامت باکرامت رکھے اور قوم کو اُس کی سالگرہ منانے کے متعدد موقعے عطا کرے۔ آمین۔

آداب معاشرت

خوش خلقی، تحمل اور انکسار انسانیت کا زیور ہیں اس لئے اُن کو کبھی مست چھوڑو۔
جس طرح حد سے زیادہ دشتی و سختی بُری ہے اسی طرح حد سے زیادہ نرم مزاجی بھی اچھی نہیں۔
مجلس میں بغیر پوچھے اپنی رائے نہ دو، خواہ مخواہ دخل نہ دیا کرو۔ اگر کوئی شخص بات کر رہا ہو تو درمیان میں مت بولو
مجلس میں لمبی بات نہ کرو جس سے لوگ اکتاہٹیں اور ایسی بات نہ کرو جس سے اہل غفل کو دلچسپی نہ ہو۔
اگر کسی سے ملنے جاؤ تو اس کے وقت کا خیال رکھو۔ اگر وہ زیادہ مصروف ہو تو مطلب کی بات جلدی ختم کر کے چلے آؤ۔
کسی کے گھر جاؤ تو اس کے سامان لباس اور دیگر اشیاء پر نکتہ چینی مت کرو۔
کسی کے عیب کو مجمع میں ظاہر کر کے اسکو خیر مندہ مت کرو۔
مہمان کو کھانے پینے کی چیز دیتے وقت اسکی قیمت یا لاگت کا ذکر مت کرو۔
کسی سے کوئی چیز مانگ کر لاؤ تو عین وعدے پر یا اُس سے کچھ پہلے ہی واپس کرو۔
وعدہ بہت کم لیا کرو لیکن جو وعدہ کرو اُسے ضرور پورا کرو۔
کسی سے ملنے جاؤ تو اس کے مذہبی عقائد یا رسم و رواج پر نکتہ چینی مت کرو۔

چین اور دیگر ممالک کے گداگر

(از سید اہلر حیدر سہما رنپوری)

دنیا کے کسی حصے میں اس قدر گداگر دیکھنے میں نہیں آتے جتنے چین میں ہیں۔ ملک چین میں ایک طرح پر گداگروں کی حکومت ہے اور وہ سب کے سب ایک گداگر بادشاہ کے زیر حکومت رہتے ہیں۔ ہر ایک علاقہ میں ایک حاکم ہوتا ہے جس کا فیصلہ سب معاملات میں آخری سمجھا جاتا ہے۔ ان اعلیٰ افسروں کی اجازت کے بغیر کوئی غیر شخص ان کی جماعت میں داخل نہیں کیا جاتا۔ ان بھکاریوں کا انتظام ایسا اعلیٰ ہے کہ ہر شخص عام طور پر ان کے سوال کو پورا کرتا ہے۔ اور کبھی کبچہ دینے سے انکار نہیں کرتا۔ اگر کبھی کوئی شخص ایسا کرے تو اس علاقہ کے سارے فقیروں کو اس امر کی اطلاع کر دی جاتی ہے جو اسے ہر ممکن طریقہ سے تکلیف دیتے اور اُس کے کام میں خلل انداز ہوتے ہیں اور بالآخر وہ شخص مجبوراً بہت جلد اپنی ضد سے باز آ جاتا اور فقیروں کے سوال کو رد کرنا ترک کر دیتا ہے

چین میں ان فقیروں کا اس قدر زور ہے کہ اکثر دوکانداران کے متواتر تقاضوں سے بچنے کے لئے یہ انتظام کرتے ہیں کہ اس علاقہ کے گداگروں کے حاکم کو کوئی مقررہ رقم ماہوار دیکر اتنے عرصہ کے لئے ان سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ رقم گراہیہ دوکان کے گراہیہ کے لحاظ سے قائم کی جاتی ہے اور اس طرح ہر دوکاندار اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس قدر رقم ماہوار ادا کر کے فقیروں سے پیچھا چھوڑنا مفید ہے یا اس میں کسی قسم کا خسارہ ہوتا ہے۔ رقم مقررہ کی ادائیگی پر دوکاندار کو ایک یا دو داشت مل جاتی ہے جس کی رو سے گداگروں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ آئندہ میعاد مقررہ تک اُسے دق نہ کریں۔ دوکاندار اس کو عام طور پر باہر دروازہ پر چسپاں کر دیتے ہیں جس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ گداگر باہر ہی سے اُسے دیکھ کر آگے چلا جاتا ہے اور سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی جن دوکانداروں کے پاس یہ قیمتی یا دو داشت موجود ہو وہ ہمیشہ اسکی احتیاط رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ کم ہو جائے تو ہیشمار گداگر اُس سے تنگ کرنا شروع کر دینگے اور قیمت دوکاندار کا یہ کہنا کہ وہ مقررہ رقم ادا کر چکا ہے کچھ مفید نہ ہوگا۔ اس صورت میں بیچارے دوکاندار کو اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ گداگر حاکم کے پاس اس قسم کی رسید کے لئے درخواست کرے مگر

اسکا حافظہ ایسا تیز نہیں ہوتا کہ گزشتہ ادائیگی کو یاد رکھے، پس دکاندار اگر ان موزیوں سے نجات حاصل کرنا چاہے تو اسے مجبوراً دوبارہ رقم ادا کر کے دوسری رسید حاصل کرنا پڑتی ہے۔

خوش قسمتی سے چین میں خیرات کی رقم کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ اگرچہ ہر شخص کو ایک دن میں کسی مرتبہ خیرات دینی پڑتی ہے مگر اس کا اندازہ عام طور پر ایک کیش مقرر ہے اور چونکہ ایک سو کیش ساڑھے تین آنہ کے برابر ہوتا ہے اس لئے خیرات پر کچھ زیادہ رقم صرف نہیں ہوتی

چونکہ چین میں ہر چیز سستی ہے اس لئے بہت ہی تھوڑی رقم میں لوگوں کا گذر ہو جاتا ہے مثلاً بکین میں ایک شخص نصف کیش صرف کر کے رات بسر کر سکتا ہے۔

یہاں ایک کمپنی نے ایک انسٹی ٹیوشن قائم کر رکھا ہے جس کا نام "کی مس خان" یا مرغی کے پروں کا مکان ہے اس مکان میں ایک وسیع احاطہ ہے جس کے فرش پر پرد کی ایک تہہ بچھی ہوئی ہے۔ رات کے وقت گداگر اس میں داخل ہونے شروع ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک فقیر ملازم کو دروازے پر نصف کیش دیدیتا ہے اور اندر جا کر پروں پر لیٹ جاتا ہے جس وقت کافی آدمی اندر داخل ہو چکے ہیں تو ملازم دروازہ بند کر کے زور سے گھنٹہ بجاتا ہے اور پھر ایک طرف سے چرخی کو گھمانا شروع کرتا ہے، یکا یک ایک بہت بڑا کبیل ان گداگروں پر آگرتا ہے۔ اس کبیل میں متعدد سوراخ بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہر گداگر ایک سوراخ تلاش کر کے اس میں سے اپنا سر باہر نکال لیتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باہر والا ملازم غلطی سے اس قدر آدمی اندر داخل کر لیتا ہے جن کی تعداد کبیل کے سوراخوں سے زیادہ ہوتی ہے مگر یہ بات بہت جلد معلوم ہو جاتی ہے، کیونکہ سوراخوں کی کشمکش ختم ہو جانے کے بعد اگر اس بہت کی چنچیں سنائی دیتی ہیں جس کا سوراخ نہ ملنے کی وجہ سے دم گھٹا جاتا ہو تو ملازم مذکور اس مشکل کو بڑی آسانی سے رفع کر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ کبیل کے نزدیک پہنچ کر اس گداگر کو جو اس کے قریب ہوٹاگوں سے پکڑ کر کبیل کے نیچے سے کھینچ لیتا ہے اور اسے احاطہ سے باہر نکال کر اس کا نصف کیش اس کے پیچھے بازار میں پھینک دیتا ہے اس کے بعد وہ ایک لمبے بانس کے ذریعہ سے ہر شخص کو اس کے سوراخ کا پتہ بتاتا ہے اور اس طرح پر یہ مشکل رفع ہو جاتی ہے۔

صبح کے وقت پھر گھنٹہ بجاتا ہے، جس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ گداگر اپنے اپنے سر سوراخوں میں سے نکال لیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ان میں سے بعض کبیل کے ساتھ چھت تک اٹھ جائیں۔ اس کے بعد ان سب کو باہر نکال دیا جاتا ہے۔ چینی اس آرام گاہ کو بہت پسند کرتے ہیں اور شاذ و نادر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کبیل کے نیچے اترنے کے بعد اس میں کوئی سوراخ خالی رہ جائے۔

اطالیہ میں بھی گداگروں کی کثرت ہے، جس کی بعض وجوہ غالباً لوگوں کی کاہلی، افلاس اور شہر میں دو تہہ تنہا اجنبیوں کا بکثرت، وارد ہونا ہے۔ اٹلی میں گداگردوں کو پارسانی کا جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑا عرصہ ہوا وہاں بہت سے اس قسم کے مذہبی فرتنے موجود تھے جو صرف سخی لوگوں کی خیرات پر بسر اوقات کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آجکل یہ فرتنے موجود نہیں ہیں تاہم ان کا اثر کچھ نہ کچھ باقی ہے۔

ہسپانیہ کے گداگر اپنی بد صورتی کے ذریعہ راہروں کے دلوں میں رحم کا خیال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ملک میں بہت سے کارخانے اچھے پھلے آدمیوں کو لنگڑا لولہ بنانے کے لئے قائم ہیں۔ ان کارخانوں میں حد درجہ کے فرومایہ لوگ بچوں کے اعضا، کو موڑتے اور ان کو طرح طرح کی ٹھیلیں پہناتے ہیں، اور جب وہ اس طرح بد نما ہو جاتے ہیں تو انھیں بازاروں میں لئے پھرتے ہیں اور لوگ ان پر ترس کھا کر نیرات دیدیتے ہیں۔ جھوٹے جھوٹے لنگڑے بچوں کو لکڑی کی گاڑیوں میں بٹھا کر باہر بھیجا جاتا ہے، ان کے مالک ان بچوں کی سخت نگرانی کرتے ہیں، اور اگر کافی روپیہ نہ کماسکیں تو انھیں بھوکا مارتے اور بہت سی ٹھیلیں دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ یقین نہیں کر سکتے کہ مذہب ملکوں میں بھی ایسی شیطانی حرکات ہوتی ہیں مگر یہ واقعہ ہے اور بہت سے لوگوں نے اس کی تصدیق کی ہے۔

برازیل کے گداگر غالباً ساری دنیا میں زیادہ بے شرم ہوتے ہیں، وہ کافی آمدنی پیدا کر لیتے ہیں اور اس بات کو چھپانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ یہاں کسی فقیہ کو خبر یا گھوڑے پر سوار دیکھنا معمولی بات ہے۔ ایک سیاح بیان کرتا ہے کہ ایک دن ایک شخص نے جو ایک بانس سے ٹکڑے ہوئے ننگورے میں لیٹا ہوا تھا (اس بانس کو دو جیشی اٹھائے ہوئے تھے) مجھ سے سوال کیا۔ ایک ایسے شخص کو جو ننگورے میں لیٹ کر ادھر ادھر جانے کی توفیق رکھتا تھا خیرات مانگتے دیکھ کر مجھے سخت غصہ آیا اور میں نے اُسے ملاست کرنی شروع کی، مگر اُس نے بڑی نخوت سے میری طرف دیکھ کر جواب دیا ”جناب میں آپ سے روپیہ مانگتا ہوں، بصیحت نہیں مانگتا۔“

پیرس میں گداگروں کی کثرت زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ فرانس کے مختلف دیہاتی علاقوں میں بھیک مانگنا ممنوع ہے، اور اس لئے وہ لوگ جو قابل الوجود ہیں اور کام کرنے سے گھبراتے ہیں وہ اس خیال سے دارالخلافت میں آ جاتے ہیں کہ وہاں ضرور کوئی نہ کوئی آمدنی کا ذریعہ مل جائیگا۔ پیرس میں ایک دفتر ہے جہاں سے گداگر لوگ کچھ فیس ادا کر کے ان لوگوں کا نام اور یہ معام کر سکتے ہیں جو عام طور پر خیرات دیتے ہوں۔ اس دفتر کا مالک مختلف ذریعوں سے اس واقفیت کو حاصل کرتا رہتا ہے اور پھر

اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گداگروں کو اس شخص سے حاصل کی ہوئی واہنیت پر بھروسہ رہتا ہے اور وہ چند سخی شخصوں کا نام اور پتہ معلوم کرنے کے لئے آٹھ دس روپے دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

آسٹریا کے بھکاری ساری دنیا میں اپنی شائستگی کے لئے مشہور ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں اس قسم کی مناسب تعلیم دی جاتی ہے۔ چنانچہ آسٹریا اور ہنگری کے بڑے بڑے شہروں میں ایک آدھ آدمی ایسا ہوتا ہے جو گداگروں کو اس قسم کے دل میں چھپتے ہوئے فقرے سکھا دیتا ہے جن سے وہ راہروں سے معقول خیرات حاصل کر سکتے ہیں۔ مختلف شخصوں سے مختلف طریقوں پر امداد طلب کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور وہ اس نصیحت پر عمل کر کے معقول فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

ہندوستان کے بعض صوبوں میں بھیک مانگنا ایک پیشہ ہے، اور پنجاب میں بعض ذاتیں ایسی ہیں جو بھیک مانگ کر زندگی بسر کرنا باعث افتخار سمجھتی ہیں۔ یہاں بعض فقیر اور سادھو ایسے بھی ہیں جو جبراً خیرات مانگتے ہیں اور جب تک ان کا سوال پورا نہ کیا جائے طرح طرح کے ڈھونگ رچاتے ہیں۔ اس قسم کے فقیر بازاری زبان میں ”مڑ پھرے“ کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اکثریشیہ ورفقیر ایسے بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو مصنوعی طور پر لنگڑے، لونے یا اندھے بن کر اپنا مطلب نکالتے ہیں اور ایفون کھانا یا چرس مینا ان کا چسپ مشغلہ ہوتا ہے۔

(ماخوذ)

بڑی جتتری ۱۹۳۲ء یہ دہی جتتری ہے جس کو مولوی محمد رحمت اللہ رحمہ اللہ مالک نامی پریس کانپور نے جاری کیا تھا اور ہر سال نہایت اہتمام سے

شائع کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد چند سال تک انتظامی پریس کانپور کی جانب سے شائع ہوئی اور اب مولوی عبداللہ صاحب نے فرخ آباد سے اسکو شائع کیا ہے

اس جتتری میں ضروری تاریخوں اور سنوں کے علاوہ بعض دوسری کارآمد باتیں بھی جمع ہیں۔ مثلاً ایران کی تاریخ، قانونی تجارتی ہدایات وغیرہ۔ لکھائی چھپائی صاف، ٹائپل رنگین اور خوبصورت۔ مولوی عبدلہ صاحب منیر بڑی جتتری فرخ آباد سے طلب کیجئے۔

کتاب خانے اور ان کی حفاظت

کتاب خانہ

(اڈورائے بہادر چندر شریو نرائن سسٹیم، ایڈوکیٹ لاہور)

دنیا میں بڑے بڑے کتب خانے موجود ہیں، برٹش میوزیم کی لائبریری میں بتیس لاکھ کتابیں ہیں، اگر وہ الماریاں جن میں کتابیں رکھی ہوئی ہیں ایک قطار میں لگائی جائیں تو بارہ میل لمبائی ہوگی، ان کی صفائی اور راستگی میں پورے تین برس لگتے ہیں۔ اس کتب خانے کی بنیاد سر ہنس سلون ایک سائینس دان نے اٹھارہویں صدی میں رکھی تھی، شاہانہ وقت بھی اپنے ذاتی کتب خانے اس کی نذر کرتے رہے ہیں اور آج کل قریب تین ہزار سالے اور اجنادیل کی ہر سال جلدیں بندھوائی جاتی ہیں۔ علاوہ برٹش میوزیم لائبریری کے آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں لاکھوں کتابیں ہیں۔ انکو یہ خاص حق حاصل ہے کہ ان کو نئے کاپی رائٹ ایکٹ جو کتاب چھپے اس کی ایک ایک جلد ان کو مفت ملتی ہے۔

جرمن کے مختلف سرکاری کتب خانوں میں کتابوں کی تعداد چار کروڑ کے قریب ہے، یہی حال اٹلی کا ہے، اٹلی میں علاوہ سرکاری لائبریریوں کے میلان میں ایک مشہور معروف الیبروزین کتب خانہ ہے جو سرکاری انتظام کے ماتحت نہیں۔ اس کی بنیاد کارڈینل بورومیو نے سن ۱۶۰۱ء میں رکھی تھی۔ اس کے علاوہ پوپ کی لائبریری بھی بہت بڑی ہے جس میں نایاب قلمی اور چھپے ہوئے نسخے بشمار ہیں۔

فرانس کی لائبریریوں میں بہ لحاظ ذخیرہ معلومات نیشنل لائبریری دنیا کے سب کتب خانوں سے فضیلت رکھتی ہے۔ شاہ فرانس جان نے اس کو قائم کیا تھا جس کو بلیک پرنس (انگریز قوم) نے گرفتار کیا تھا۔ صدیوں تک یہی لائبریری رائل لائبریری رہی۔ انقلاب عظیم کے بعد چیدہ چیدہ کتابیں جمہوری حکومت نے علیحدہ کر لیں جنہیں بہت سے قلمی نسخے بھی تھے

مندرجہ بالا کتب خانوں کے علاوہ ایک نئی لائبریری امریکہ میں قائم ہو رہی ہے جو غالباً دنیا بھر میں سب سے بڑی ہوگی۔ ایک امریکن امیر کیمبر نے اتنے ڈالر کو لمبیا یونیورسٹی کو دیئے ہیں جن سے ایک عظیم الشان عمارت بنوائی جائیگی جس میں چالیس لاکھ جلدیں رکھی جائیں گی۔ کو لمبیا یونیورسٹی بمقابلہ ہارورڈ اور ییل نامی یونیورسٹیوں کے نئی اور زیادہ عام پسند ہے یہ شہر نیویارک کے قریب واقع ہے۔ گویا کیمبرج یونیورسٹی

سے جو پندرہویں صدی سے کتابیں جمع کر رہی ہے کو لمبیا یونیورسٹی میں چوگنی کتابیں ہونگی۔ لطف یہ ہے کہ امریکہ میں پہلے ہی کتابوں کی کیا کمی تھی، آزادی کے عہد سے پہلے ہی بیشمار کتابیں اس قوم کے پاس تھیں جب کانگریس کی تنظیم ہوئی تو اُس کی تحویل میں بیئیس^{۱۵} لاکھ کتابیں تھیں۔

ہمارے ملک ہندوستان کے مختلف حصوں کی آب و ہوا مختلف ہے، ہندوستان کے بعض حصے اور رہنماؤں کے صحرانوں پر ہندوستان میں برساتی برودت اور نمی اتنی ہوتی ہے کہ معمولی کاغذ کی کتابوں کو کیڑہ کھا جاتا ہے، اور ق آپس میں بڑھ جاتے ہیں، کشمیری کاغذ بھی اس برودت کی پورش کو نہیں روک سکتا۔ ہندوؤں کے زمانہ کی کتابوں کے قلمی نسخے بھی بچ پڑ گئے جاتے تھے اور روشنائی ایسے اجڑا سے بنائی جاتی تھی جو دیر پا ہوتی تھی۔ اسلامی زمانہ میں بھوج پتر کا رواج کم ہو گیا اور اُس کے بجائے کاغذ کا استعمال شروع ہو گیا جو نمی سے محفوظ نہیں رہ سکتا اسی لئے جو قلمی نسخے دریافت ہوئے وہ کرم خوردہ نکلے۔ جہاں ریگستان زیادہ ہو یا بارش برائے نام ہوتی ہے مثلاً وسط ایشیا کے بعض مقامات اور مصر کا ملک جہاں بارش برائے نام ہوتی ہے پیپارس (Papyrus) پر لکھی ہوئی کتابوں کو نقصان نہیں پہنچتا۔ ہندوستان میں انگریزی زمانہ میں کتابوں کا شمار بڑھتا جاتا ہے، چنانچہ کاجول، یونیورسٹیوں، پبلک لائبریریوں اور نجی کے کتب خانوں میں کتابوں کی کثرت ہو رہی ہے لیکن جب تک احتیاط سے ان کی خبر گیری نہ کی جائے ان کے خراب ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اب غالباً وہ غارت گریاہ کن لوگ دنیا میں موجود نہیں جن سے کتب خانوں کی بربادی کا اندیشہ ہو۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ یورپ اور ہندوستان میں ایسا کاغذ بنایا جائے جو نمی سے اثر پذیر نہ ہو اور کیڑوں کی خوراک نہ بن سکے، کاغذ میں واقع برودت قوت پیدا کرنی چاہیے اور ایسے کیمیائی اجزاء کاغذ کی ساخت میں شامل کئے جائیں جو کیڑوں کو نزدیک نہ آئے دیں۔ علاوہ بریں روشنائی بھی ایسی بنانی چاہیے جو دیر پا ہو۔ شہنشاہ جہانگیر نے کشمیر میں ایسی روشنائی دیکھی تھی جو پانی سے پھیلتی نہ تھی، یہ ترکیب اب کسی کو یاد نہیں رہی اس کا فن ساخت مفقود ہو گیا۔ غالباً بھوج پتر کی زرد روشنائی کی ترکیب بھی اب کسی کو معلوم نہیں۔ کتابوں کی افراط اور قلمی تحریروں کی کثرت اس امر کی متقاضی ہے کہ کوئی تجویز ایسی نکالی جائے جس سے مدت مدید تک کتب خانے محفوظ ہو جائیں، سنا گیا ہے کہ اس طرح ماہرین علم کیمیا توجہ کر رہے ہیں اور کتابوں کے تحفظ کی تجویزیں سوچ رہے ہیں، لیکن ہمارے خیال میں چونکہ روشنائی اور کاغذ ایسے نہیں بنائے جائیں گے جو خود بخود اپنی حفاظت کر سکیں اس وقت تک محض بھاڑنے اور صاف کرنے سے کام نہیں چل سکتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کشمیری کاغذ کی ساخت میں سنگھیا ملا یا جاتا تھا مگر یہ معلوم نہیں کہ اس کی اصلیت کیا ہے۔ ایسی میں جس سے جلد سازی ہوتی تھی تو تیار ملا یا جاتا تھا جواب

بھی ملایا جاتا ہے لیکن یہ کافی کرم کش نہیں، جن لوگوں کے نجی کتب خانے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر ایک سال بھی کتابوں کو دھوپ میں نہ رکھا جائے اور گرد و غبار صاف نہ کیا جائے تو کتابوں کو پھپھوندی لگ جاتی ہے۔ دراصل اس ملک میں برسات کی نمی اس قدر ہے کہ فوٹو گراف تک کیٹروں کے حملے سے نہیں بچتے۔ ہمارے کالجوں کی لیبوریٹریز (محل) بجائے عامیانہ تجربات کے اگر اس اہم معاملہ کی جانب توجہ فرمائیں تو کیا عجب ہے کہ وہ اس ملک کی آب و ہوا کو مد نظر رکھ کر ایسی ترکیبیں معلوم کر لیں جن سے کتابوں کی حفاظت ہو سکے۔

ڈاکٹر آف ویٹرنری (انگریزی) کراؤن سائز ۹۸ صفحات۔ جلد قیمت ۸

لٹری کاپتہ، برسر بجے سی۔ بانک نمبر ۳۶۲-۱ چیت پور روڈ، کلکتہ

جیسا نام سے ظاہر ہے اس مختصر کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہندوستانیوں کو غذائیں کس قسم کی احتیاط رکھنی چاہئیں اور کون کون چیزیں مفید ہیں اور کن کن چیزوں میں کس قدر وٹامن (مائیہ حیات) ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بعض بیماریوں میں صرف پانی کے باقاعدہ استعمال سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ آخر میں فاقہ کے فوائد دکھائے ہیں۔ غرض صحت جسمانی قائم رکھنے کے لئے، غذا کے باقاعدہ استعمال پر زور دیا گیا ہے اور اس کے طریقے بھی سمجھائے ہیں۔

مولفہ پنڈت ہری ہر شاستری پروفیسر انچارج عثمانیہ یونیورسٹی کالج

حیدر آباد دکن۔ قیمت حصہ اول ۱۰ حصہ دوم ۸

اردو ہندی مالا

یہ کتاب اردو وال حضرات کو ہندی زبان آسانی کے ساتھ سیکھنے کی غرض سے مرتب کی گئی ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں ہندی کے حروف تہجی، ماترا (اعراب) وغیرہ سمجھائے گئے ہیں اور دوسرے حصہ میں مختصر مفید سبق دیے ہیں۔ دونوں حصوں میں ہندی الفاظ و عبارت کے مقابل اردو حروف میں وہی الفاظ اور مشکل الفاظ کے معنی بھی لکھ دیے ہیں۔ غرض ان دونوں حصوں کو بغیر پڑھ لینے کے بعد ایک اردو وال آسانی کے ساتھ ابتدائی ہندی سے واقف ہو سکتا ہے۔ مولف صاحب اعلیٰ ہندی سیکھنے کے لئے اس سلسلہ کی اور کتابیں بھی لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ ان کی کوشش کی پوری قدر کی جائیگی اور یہ تالیف مقبول عام ہوگی۔

تنقید کتب

کھیتی از پروفیسر محمد مجیب بی۔ اے، (آکسن) کراؤن سائز، ۱۰ صفحات، قیمت ۶
 طے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔

جناب محمد مجیب صاحب بی۔ اے۔ آکسن کا لکھا ہوا چار ایکٹ کا ایک مختصر ڈرامہ ہے، پلاٹ یہ ہے کہ بھگوان داس طس کے سامنے افتادہ زمین پر کچھ اہل اسلام نماز پڑھا کرتے تھے بعدہ اس زمین کو مالک مل نے خرید کر نماز کی مخالفت کر دی۔ اس پر عبد الغفور صاحب ایک خود ساختہ لیڈر نے جو قومی مفاد کی آڑ میں اپنے فائدہ کا بھی خیال رکھتے ہیں، اپنے ہمعوموں میں جوش پھیلانے کے لئے جہاد کا اعلان کر دیا جس سے چند جاہل مزور موثر ہو کر مارنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ لیکن کچھ سمجھدار لوگوں کی وجہ سے معاملہ رفت و گذشت ہو جاتا ہے اور انجام بخیر ہوتا ہے، ڈراما جتنا دلچسپ ہے اتنا ہی سبق آموز ہے۔ درحقیقت حال کے افسانوں یا ادب لطیف میں اتنے مختصر حجم کی اس سے بہتر کتاب مشکل سے ملے گی۔ آج کل جب ملکی فضا فرقہ وارانہ کشمکش سے مکدر ہو رہی ہے اور ہر شے بے نقاب رنگ غالب آ رہا ہے۔ ایسی سبق آموز اور اثر انداز کتابیں جتنی بھی لکھی جائیں کم ہیں۔ درحقیقت حال کے بالوس کن حالات میں ایسی کتابوں کی اشاعت تاریکی میں روشنی کی شعاع کے مترادف ہے۔ اس چھوٹے سے ڈرامے کی زبان نہایت سستہ اور سادہ ہے۔ اس کے جملہ افراد ناظرین کے رد و رواں غولی سے پیش کئے گئے ہیں جیسے کوئی سچا واقعہ سامنے پیش ہو رہا یا بیان کیا جا رہا ہو۔ درحقیقت قابل مصنف نے موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت کا بغور مطالعہ کر کے نہایت کامیابی سے اس کا خاکہ کھینچا ہے

گناہ کی دیوار از مسٹر اشتیاق حسین قریشی ایم۔ اے، کراؤن سائز، قیمت ۴
 طے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی۔

یہ مختصر ڈرامہ بھی جامعہ ملیہ پریس کا مطبوعہ ہے۔ جامعہ موصوف اُن چند اے لے گئے اداروں میں

سے ہے جو اردو زبان میں نہایت غبی و خوش اسلوبی سے صحیح خیالات کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ان چھوٹے چھوٹے ڈراموں کی سب سے بڑی غبی یہ ہے کہ آپ ان کو آدھ گھنٹے کی فرصت میں تمام و کمال پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان ڈراموں میں محض دلچسپی کی خاطر عامیانا عشق کی داستانیں بیان نہیں کی گئی ہیں بلکہ یہ ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھا لکھے گئے ہیں۔ تقریباً ہر ڈرامہ میں کسی نہ کسی معاشرتی نقص کی جانب پڑھنے والے کی توجہ راغب کی گئی ہے۔ گناہ کی دیوار میں قابل مصنف نے یہ دکھلایا ہے کہ گناہ خود بڑی چیز ہے لیکن انسان اگر کر پھر اٹھ سکتا ہے۔ نیز بعض اوقات انسان اپنے حالات کا شکار ہو جاتا ہے اور واقعات سے مجبور ہو کر گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو اگر سوسائٹی کی طرف سے موقعہ دیا جائے تو وہ پھر اُبھر سکتے ہیں، لیکن ہماری سوسائٹی عام طور پر اور خصوصاً عورتوں کے معاملہ میں اس قدر سخت گیر واقع ہوئی ہے کہ وہ اتفاقیہ غلطی پر بھی بد قسمت مگر اہوں پر اپنے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دیتی ہے۔ کتاب شروع سے آخر تک نہایت دلچسپ و نتیجہ خیز ہے اور اس کا دیباچہ نہایت مفید و قابل غور ہے۔ ڈرامے کا پلاٹ یہ ہے کہ ایک نوجوان اپنی حسین و خوبصورت بیوی سے صرف اس وجہ سے محبت نہیں کرتا کہ وہ اس کی فرمانبرداری و پرستش کرتی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کو ایک شوخ و شنگ رفیق زندگی ملے۔ اس نوجوان کا ایک عیار دوست ان حالات سے واقف ہونے کے بعد کسی حیلہ سے اس کی بیوی کو بھگا لیتا ہے اور بیوی میں ایک پیشہ ور عورت کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اس طرح یہ عورت جو عفت و عصمت کی دیوی تھی بے شرمی و بے حیائی کی زندگی پر مجبور کی جاتی ہے۔ آخر ایک ہندو قوم اس عورت کو اس مصیبت سے نکالتا ہے، اور اس کو بھگا کر لائے والا اپنے اس مذموم فعل کی سزا پاتا ہے۔ ان واقعات کا علم اس عورت کے شوہر کو ہوتا ہے اور وہ اس کے پاس آ کر اس کو ہمراہ لیجانا چاہتا ہے مگر عورت انکار کر دیتی ہے کہ اب میرے اور تمہارے درمیان گناہ کی دیوار حائل ہو گئی ہے۔

از سٹر اسٹیاق حسین قریشی۔ ایم۔ اے۔ کراؤن سائز۔ ۴۸ صفحات۔ قیمت ۶ ر

بمزاو طے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

ایک مختصر ڈراما ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ایک مالدار ضعیف العمر تاجر کی نوجوان بیوی کس طرح اسکو اپنی محبت کے فریب میں مبتلا رکھتی اور ایک غیر شفیق سے تعلق پیدا کر لیتی ہے مگر تاجر کا قدیم نمک خوار ملازم تمام واقعات سے اس کو آگاہ کرتا اور آخر میں اپنے حسن تدبیر سے اس کو اس خوبصورت بلا سے نجات دلاتا ہے

اس ڈرائے میں تاجر کے لازم کا کیرکٹر ہی اس کی جان ہے ڈراما دلچسپ و سبق آموز ہے۔

از مسٹر غلام عباس - ڈبل کراؤن سائز - ۱۵۰ صفحات، مجلد، قیمت ۷۰

ملنے کا پتہ: دارالاشاعت پنجاب - لاہور

احمر کے افسانے

احمر اسلاطین غرناط کا وہ مشہور و معروف قصر ہے جو آج کل بالکل تباہ و برباد ہو جانے کے باوجود اہل نظر و اہل دل حضرات کی توجہ کا مرکز ہے۔ انے عروج کے زمانہ میں تو یہ محل یقیناً فردوس بریں کے ہمایہ تھا اور اس کے متعلق اکثر مضامین اردو زبان میں لکھے جا چکے ہیں۔

امریکہ کا مشہور اہل قلم دانشگاہی ارونگ نے جب احمر کو دیکھا ہے تو اس کے نظارہ سے کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے اس کے متعلق متعدد افسانے لکھے جن میں الف لیله کی طرح طلسم و سحر کا اثر دکھایا۔ ارونگ کے ان افسانوں میں سے پانچ دلچسپ افسانے انتخاب کر کے مسٹر غلام عباس نے مناسب تفسیر و تبدیل کے بعد اردو میں لکھا ہے۔

یہ افسانے دلچسپ ہیں، زبان بالکل سادہ اور اکثر جگہ عامیاز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بوڑھی عورت بچوں کا دل بہلانے کے لئے کہانیاں کہہ رہی ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے زبان کا اندازہ ہو سکے گا۔

”جب میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔ وہ جگہ جہاں پہلے

چاروں طرف ریت کا سمندر موجیں مار رہا تھا اب وہاں ایک عالی شان شہر کھڑا ہے۔ میں عجیب

سارہ گیا، بار بار اپنی انگلیاں کاٹتا تھا کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ آخر میں نے اس شہر

کی سیر کرنے کی ٹھان لی اور اس کے عالی شان دروازے سے گزرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔“

”میں گزرتی، احمر اسے اوپ کے ایک ایسی عیب ہو جانے کے بعد اس کی کوئی خبر نہ آئی۔ لوگ

اس کے گیت اور لطیفوں کو یاد کر کر کے افسوس کیا کرتے۔ ان کا یہی خیال تھا کہ آخری وقت میں بچا

کو غریبی نے ایسا کچل ڈالا تھا کہ آخر غریب اپنا منہ کالا کر کے جدھر راہ ملی بھاگ نکلا۔“

افسانوں کے متعلق متعدد سادہ و رنگین بلاک کی تصویریں اور دستی تصویریں بھی دی گئی ہیں۔

مترجمہ اہلیہ مرزا محمد سعید ایم۔ اے۔ آئی۔ ای۔ ایس۔ کراؤن سائز۔ حجم ۳۲ صفحات

ملنے کا پتہ: دارالاشاعت پنجاب، لاہور

مجلد - قیمت ۷۰

حیشین

یہ سرسہری شارپ کے ایک افسانہ "دی اسائنر" کا اردو ترجمہ ہے جس کو قابل ترجمہ نے مصنف اور پبلشر کی اجازت سے صاف و سلیس زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اس افسانہ کے موضوع کے متعلق مولوی محمد عنایت اللہ (ناظم شعبہ تالیف تراجم، جامعہ عثمانیہ) مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اس موضوع پر ہماری قوم کے مشہور و معروف افسانہ نگار شمس مرحوم کے بھی دو ناول ایسے ہیں جن میں اس کہنہ مشوق ناولسٹ نے حقیقت میں اپنا کمال دکھایا ہے۔ ان کی شان بیان سے ابتر ہے۔ مگر سادگی اور نظری اثر میں یہ انگریزی قصہ ان سے بھی بڑھا ہوا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ شمس مرحوم کے "حسن بن صلیح" اور "فردوس بریں" کے بعد سرسہری شارپ کے اس ناول نے اردو نیکل اختیار کر کے ہمارے افسانوں کے دفتر میں ایک بیش قد اضافہ کیا ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس اس ناول کے موضوع کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ ترجمہ سادہ اور دلچسپ ہے۔ مولوی عنایت اللہ صاحب نے اس پر نظر ثانی کی ہے۔ جن حضرات نے مولانا شمس مرحوم کے مذکورہ بالا ناولوں کا مطالعہ کیا ہے ان کے لئے خصوصیت سے اس قصہ کو پڑھنا تفریح طبع کا موجب ہوگا۔ ناول پڑھنے کے عام شائقین بھی اس سے کافی طور پر محظوظ ہو سکتے ہیں، لکھائی چھپائی وغیرہ نہایت پسندیدہ ہے۔

از محمد عبدالغفار صاحب مدہولی، کراؤن سائز ۱۲۰ صفحات

میلاد البنی پر وحکٹ

لئے کا پتہ: جامعہ اسلامیہ دہلی۔ قیمت ۸ روپے

اس کتاب کے دیکھنے سے جامعہ کے ابتدائی مراتب کے طرز تعلیم پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ہمیں بڑی خوشی ہے کہ اس معاملہ میں جامعہ ملک کے دیگر مدارس سے بہت آگے ہے۔ تعلیم کا مقصد خود بخوبی کی قدرتی ذہانت کی نشوونما کرنا ہے نہ کہ کتابوں کا غلاف سی کر ان کے گرد لپیٹ دینا ہے۔ یوم میلاد البنی کے متعلق خود بخوبی اپنا پروگرام بناتے ہیں، عرب کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور حضرت محمد کی سوانح عمری پر نظم و نثر کے مضامین لکھتے ہیں۔

مرتبہ مولوی نظامی بدایونی، کراؤن سائز ۱۲۰ صفحات، قیمت ۸ روپے

انقلاب دہلی

لئے کا پتہ: نظامی پریس بدایوں

یہ ان نظموں کا مجموعہ ہے جو ۱۹۴۷ء کے انقلاب عظیم کے بعد مستند شعراء اردو نے دہلی کی تباہی و بربادی پر لکھی ہیں۔ اس زمانہ کے شعراء نے اس واقعہ کے متعلق اپنے اپنے جذبات دلی کا جو اظہار کیا

تھا، وہ اب تک منتشر حالت میں تھا۔ جناب نظامی بدایونی نے ان درد انگیز نظموں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ ترتیب حروف تہجی کے قاعدہ سے کی ہے، اور ہر شاعر کی نظم سے پہلے اس کا نام اور سال پیدائش وغیرہ بھی جاں تک معلوم ہو سکا لکھ دیا ہے۔ شروع میں خواجہ حسن نظامی دہلوی کا لکھا ہوا ایک مختصر مقدمہ ہے اور اس کے بعد مرتب صاحب کی مختصر تمہید منظومات کے آخر میں مرزا سودا کا وہ شعر آشوب اور دو اور نظمیں بھی شامل کر دی ہیں جو انھوں نے نادر شاہ کے حملہ کی تباہی کے بعد لکھی تھیں غرض وہ تمام نظمیں جو دہلی کی بربادی کے متعلق لکھی گئی تھیں قریب قریب سب اس مجموعہ میں موجود ہیں۔

مرتبہ ڈاکٹر اس مسعود الفخاطب بہ نواب مسعود جنگ بنادر، رائل سائز ۲۶۲ صفحات

خطوط سرسید

قیمت تین روپے، طبع کاپتہ، نظامی پریس بدایوں

سرسید مرحوم نے ملک و ملت کی بہبودی اور خصوصاً مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ان سے دنیا واقف ہے۔ یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو سرسید مرحوم نے اپنے احباب و دوستوں حضرات کو لکھے تھے۔ ان کی تعداد تقریباً دو سو پچاس ہے۔ سرسید مرحوم ایک مصلح قوم تھے ادیب و شاعر تھے۔ اس لحاظ سے ان کے خطوط میں کوئی ادبیانہ و شاعرانہ نکتہ تلاش کرنا بیسود ہوگا البتہ ان کے دل میں قومی خدمت کا جو جوش تھا وہ ہر ایک خط سے عیاں ہے۔ شروع میں سرسید مرحوم کی تصویر اور عکس تحریر کے علاوہ مولوی عبداللہ جان وکیل سہارنپور کا لکھا ہوا ایک مقدمہ بھی ہے جس میں سرسید مرحوم کے مختصر حالات، خدمات اور ان کی متعدد تصانیف پر تبصرہ کیا ہے۔ یہ مجموعہ اب دوسری بار طبع ہوا ہے جس سے اس کی قبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

از مولوی محمد خلیل الرحمن صاحب سابق میرا خلیل بجنور، کراؤن سائز ۲۶۶ صفحات مجلد

اردو گلستاں

قیمت تین روپے، طبع کاپتہ، دفتر اردو گلستاں، بجنور، یو۔ پی۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی کی گلستاں فارسی زبان کی وہ مشہور کتاب ہے جو سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی مفید مانی جاتی ہے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں فارسی زبان سے دلچسپی کم ہو گئی ہے اور اس طرح گلستاں کے پند و نصائح کا اثر محدود ہو گیا ہے لہذا صرف اردو داں حضرات کے مطالعہ کے لئے اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔ نثر کا ترجمہ نثر میں اور نظم کا نظم میں ہے، بعض حکایات یا ایسے فقرے جو طلبہ کے لئے مفید نہیں سمجھے گئے اس میں سے نکال دیے ہیں اور اب ترجمہ سے لیکر لوٹے ہیں۔ ہر شخص اس کی اخلاقی تعلیم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور یہی مترجم کی غرض ہے۔ ہجو امید ہے کہ سرشتہ تعلیم اس ترجمے کو اسکولوں کی انعامی کتاب میں شامل کرے گا۔

شاعر سے خطاب

(از نڈت برجموہن و تاتریہ کیفی دہلوی، بی۔ اے)

چاہتا ہے آج جی میرا کہ دل کو چسپ کر تیرے آگے ڈال دوں لے نکتہ پروردی بہر
دل میں جو ہے صاف کمدوں بے تکلف بے خطر کیونکہ میں سمجھا ہوں تجھ کو اہل دل صاحب نظر
ہے یہی تو قول تیرا بے بدل شاعر ہے تو

رمز حسن و عشق کا واقف ہے اور ماہر ہے تو
آئینہ تھا اور کوئی دیکھنے والا نہ تھا دل تھا دل میں خون تھا لیکن کوئی بھلا نہ تھا
لب تو تھے لب پر مگر آہوں کا پر کا لانا نہ تھا تھا قمر دنیا میں گرد اس کے مگر بالانا نہ تھا
تو نے بچنے حسن کو عشوہ ادا انداز و ناز

تو نے بختا عشق کو بے آگ جلنا اور نیاز
عرش فرسا تیری آہ آتشیں کا ہے دھواں کا پتا ہے تیرے نالوں کی دھمک آسمان
دو کی تیرے کھٹک سے زلزلے میں ہر جہاں عرش و کرسی تک ہے لرز سوس ہو تیری فغا
آگ دنیا بھر کی تو کہتا ہے تیرے دلیس ہے
سوز عشق جہاں ناری تیرے آب و گل میں ہے

آسمان کو اپنے نالوں سے ہلا دیتا ہے تو جو شش گریہ سے پہاڑوں کو بہا دیتا ہے تو
آؤ سوزاں سے زمانے کو جلا دیتا ہے تو دھجیاں دامانِ محشر کی اڑا دیتا ہے تو
ایک انجوبہ زمانے کی ہے یہ سستی تری
کیوں نہ، کشفِ راز دہر ہے مستی تری

میں ترے کیا کیا نہ احساں عالمِ ایجاد پر لاکھ ایماں صدقے تیرے کفر اور الحاد پر
تیری گردن سے جلا ہے خنجرِ جلا دہر خون جم جاتا ہے تیرا شیرِ فساد پر
ہے مداوت سے ترے معذور جالینوس تک

چپ ہے طاری سے تیری صاحبِ قلموں تک
 زندگانی ہے تیری بے موت مرنے کے لیے
 دل کے پُرزے پُرزے کرنے آہیں بھرنے کیلئے
 ماسوائے عشق ہرگز کچھ نہ کرنے کے لیے
 غوطہ زن گرداب میں ہے پار اُترنے کے لیے
 اپنی کشتی کو نہیں لانا کبھی ساحل کے پاس
 تیکے خود تیغ و کفن جاتا ہے تو قاتل کے پاس
 زخم پرانے بدن کے خود چھپرکتا ہے نمک
 تیری ایذا طلبیوں سے چرخ کو بھی ہے جھجک
 تیرے جرب اگر لگے تو اُس کو دیتا ہے تھپک
 تجھ سازِ حمت آشنا پیدا ہوا کب آج تک
 رقصِ سبل ہے تجھے رقصِ پری سے خوشگوار
 تو ہے جانیازی کے فن میں انتخابِ روزگار
 ہے جگر جو رنگ تیرا اور دل تیرا دو نیم
 کالے کوسوں فور تجھ سے ہو گئے امید و ہم
 ہے یہ تیرے دم قدم کا دہریں فیضِ عیم
 جو قلوبِ انبساط آگیں بھی ہوتے ہیں اہم
 دم میں ہنستے کو لادینا ترا عجز ہے
 درد مندی سے سخن کو تیرے سوز ساز ہے
 گوری تجھ سے ہمیشہ دُور یہ خانہ خراب
 تو لکڑی اٹھوں ہر رہتا ہے بدستِ شراب
 گلستانِ عمر کا تو نے پڑھا پنجم نہ باب
 پھر بھی تو تھکتا نہیں کرتے ہوئے ذکرِ شباب
 کیوں نہ جو حیرانِ عقل اس قوتِ احساس پر
 حیرت نامحسوس جذباتِ عمل شناس پر
 دل نہیں کھینچا کبھی تیرا دم اور دام نے
 بے حقیقت دولتِ دنیا ہے تیرے سامنے
 عمر بھر تجھ کو ستایا چرخِ دشمن کام نے
 دل ترا افسردہ رکھا گردشِ ایام نے
 جب نہ تب عیش و طرب کا نغمہ گاتا ہے تو
 نقش کو تصویر کے بھی وجہیں لاتا ہے تو
 اک غزل میں بارہا جیتا ہے اور مرتا ہے تو
 جیتے جی تو کیا خطابتِ مر کے بھی کرتا ہے تو
 معصیت کا رہ کے خود معصوم دم بھرتا ہے تو
 فتنے اُٹھتے ہیں جہاں شاعرِ اقدم دھرتا ہے تو
 جھوٹ کو سچ کر دکھانا ایک تیرا کھیل ہے
 ہو کے خاکی ناریوں سے ربط ہے اور میل ہے

بے حقیقت آپ کو سمجھا ہے یہ تیری ہے بھول
تو نہ ہے سادوں کا اندھا اور نہ ہے اپریل فول
روضہ رضواں کو شرمائیں ترسے کاغذ کے پھول
شاہِ عابد و ترکِ نخب تیرے آگے ہیں جھول

چاہے جب سرِ رسولِ مہمبلی پر جادو تیا ہے تو
اور رگستان میں کشتی چلا دیتا ہے تو
جاگتے جیتے دلوں کو آنکھ سانی کر دیا
غاذہ روئے بقا کو تو نے پانی کر دیا
تو نے اس ٹیشل زردانی کو فانی کر دیا
کام کی باتوں کو بس قصہ کہانی کر دیا
ان طسم آریوں سے وہ غضب ڈھائے گئے
جور ہے ابلیس سے مصوں وہ ہکائے گئے

چارہ گر، ناصح کہ شیخ و زاہد لعنت نصیب
سب تو نافر ہے، پھر کیا محنت کیسا رقیب
یہ تو یہ آجائے درماں کو اگر تیرے طبیب
تو وہ لٹے لے کہ پھٹکے پھر نہ وہ تیرے قریب
لے سٹری سودائی وہ تجھ سے اماں پائے کہاں
بس خدا لے بندھے، آئے تو اب جائے کہاں

روح فرسا ہے جہاں کو خامہ فرسائی تری
دشمنِ لشکینِ دل ہنگامہ آرائی تری
ہے سموم جاں گزایہ بادِ پیمائی تری
ہونے کو ننگِ شرافت ہے شناسائی تری
بیشتر اس کے کہ پہنچائے زمانہ تجھ کو رنج
تو سنبھل جا چھوڑ دے یہ بدعتیں اے نکلتے سنج

یہ نہیں میں نے کہا تخریبِ عالم تجھ سے ہے
عافیت کا قتل ہے اور نیکی کا ماتم تجھ سے ہے
یہ نہیں الزام جو دنیا میں ہے غم تجھ سے ہے
ناک میں خلقِ حمیدہ کا مگر دم تجھ سے ہے
تیری کلکِ فتنہ زاسے ہیں اہرمنِ سیکڑوں
ترکے ہیں رہ کے خوب لے لوٹ دامنِ سیکڑوں

سامیں پر ہے جو تیری یا وہ گوئی کا اثر
قائیں پر ہے جو یہ سحرِ آفرینی کا رگر
تیری بڑ جو کام کر جاتی ہے قلبِ سادہ پر
اے مگر تم خاک بھی تجھ کو نہیں اس کی خبر
بیٹھے بیٹھے تو نے ساحل پر ڈبو دیں کشتیاں
خود آفرہ کر فنا کر دیں ہزاروں ہستیاں

یہ ظلفانہ ستم تیرا غضب ہے بے پناہ
غمرہِ معصوم لے تیرے کئے لاکھوں تباہ

سحر بے پروا کی تیرے پر لگی جس پر نگاہ
مرتے دم تک پھر ملی اس کو رہائی کی نہ راہ
تو نے جیب جادو جگایا شمتیں تاک سو گئیں
تو میں افعال حسنہ کی معطل ہو گئیں

واہمہ ہے برق دم تیرا خیل تیز ہے
تیری سیڑھی بات بھی گویا قیامت خیز ہے
بلبل تصویر کو نعموں سے تیرے ریز ہے
تو عمل میں خاک، گویائی میں حشر انگیز ہے
بالقوی سب کچھ ہے تو بالفعل لیکن کچھ نہیں
تیرے آگے غیر ممکن اور ممکن کچھ نہیں

تیرے منظومات کو کہنا غلط ہے واہیات
تو جو چاہے کر دکھائے رات کو دن، دن کو رات
عالم تکوین سے باہر ہے تیری کائنات
ماند دنیا کے خیل سے ہیں تیرے عادیات
ہوئی ان ہونی ہے یکساں تجھ کو اے شعری شہار
تیرے آگے ہے معاذ اللہ معطل کردگار

تیرے ملفوظات میں یہ سب زبانی چٹکے
لہنشین تیرے قصوت ہوئی کیونکر مسئلے
معرفت کی یہ ترنگیں یہ خیالی ولولے
ہو گئے گمراہ جو اس تیرے مسلک پر چلے
ہاں مگر تلقین میں رندی کی تو استاد ہے
کیونکہ نسیاں اور خطا انسان کی بنیاد ہے

اک نگاہ غیر و غائر ڈال ان ابیات پر
فخر ہے جن کی بدولت تجھ کو اپنی ذات پر
تو کبھی تو غور کر اے سحر کار اس بات پر
کیا اثر ہوتا ہے ان کا قوم کے جذبات پر
شعر تیرا نفسیاتی زندگی کو زہر ہے
کشتی اخلاق کے حق میں فنا کی لہر ہے

چو کہ ہستی ہے تری مافوق عادت سر بسر
تجھ پہ ہو سکتی نہیں تعزیر رسمی کارگر
دیکھ کر یہ اور قدرت نے بہت کچھ سوچ کر
ایک فرمان خصوصی وضع پر ڈالی نظر
بیشتر اس سے کہ وہ فرمان ہو زیبِ نفاذ
تو بدل دے بیغِ کلکی کا اے شاعر محاذ

درد تیرے دل میں ہے تیری زباں میں ہے اثر
بھونک دیتا ہے زمانے کو ترا سوزِ جگر
شادی و غم کو ترے یکساں ہے دوری و حضر
خرق عادت گر تجھے کدے تو کدے بے خبر

میں تو سمجھا ہوں مجھے مافوق علم نفسیات
ہے یہی باعث کہ کہنا چاہتا ہوں ایکیات

(۲)

حسن عالمگیر کا ہو کر ترے دل میں شرار گل سے بڑھ کر نوک کی لینے لگے پھر تجھے غا
ہو خزاں میں بھی تجھے محسوس اک شان بہار ہو تجھے دستِ حنائی سے سوا برگِ چنار
حسن کا چسکا ہے تو آج حسن عالمگیر دیکھ
حسن معنی حسنِ فطرت دیکھ۔ مست تصویر دیکھ

دل کی گہرائی میں تو غوطہ لگائے گا اگر حسن و رعنائی کا ایسا منظر آئینہ کا نظر
اک نیا پائے کی تیری ہستی ذہنی ڈھچر دو وہ پانی سا الگ ہو جائیگا عیب و نہر
وہ فریبِ شہم تھا یہ سب برہ تحقیق ہے
وہ جنونی کی لکیریں تھیں یہ تعلق ہے

بے پیئے سرشار جامِ بادہ و صبا نہ بن سب کیں ناکارہ ملے شفق جسے ایسا نہ بن
ہو کے انساں تو خزاں وحشی صحرا نہ بن محفلِ علم و عمل کی شمع کا پروانہ بن
وہ ضرورت کو لسی ہے تجھ پہ جو ظاہر نہیں
علم اپنی قوتوں کا تجھ کو اے شاعر نہیں

تو تو ہے مالکِ تصور کا تحشیل کا ولی کو لسی شے ہے یہاں کی تیری نظر و نسے جھبی
ایک اچھٹی سی نظر تو نے جب ان پر ڈال دی واقعاتِ دہر کی تجھ پر حقیقت کھل گئی
ہو کے عاملِ بالیقین بزمِ دلاسانی میں آ
اُس ہوا منزل سے دارِ خاکی و مائی میں آ

کو لسنے منصف کو اس کے ماننے میں ہے کلام تجھ سے پاتی ہے فصاحت اور بلاغتِ انصاف
ناطقہ کو ہے تری شیوا زبانی سے قیام ہے اثر اور جذب کا دم سے ترے نیا میں نام
تجھ سے بس کہنا یہی ہے اب خدا کا نام لے
اور اس جادو بیانی سے حقیقی کام لے

کب تک اس گلشن کو خارستاں کسے جائے گا تو اور ادائے ناز کو پیکاں کسے جائے گا تو
بلوہو اس کو بندہ جاناں کسے جائے گا تو اور نقلی کفر کو ایماں کسے جائے گا تو

کہہ لو کس مصرت کی ہے یہ فتنہ سامانی تری
ہے کفن کس لاش کا پوشاک عریانی تری

جب تری گندم نائی ایسی بُرا تاثیر ہے
تیری فرضی بات میں جب یہ ٹکڑا اور شیر ہے
جب تری یہ صبح خیزی داعیے توقیر ہے
تیرے مفروضاتِ دہنی میں جو یہ تسخیر ہے

کیا قیامت تو نہ کرو کھلا لے لے معجز بیاں
گر حقائق کی پرستش کو بنالے حرز جاں

آکھرباندھ اور میدانِ عمل میں کود پڑ
تو نہ جھگڑا کر فلک سے اور قسمت سے نہ لڑ
ہے ترا پناہ ہی تیرا رقیب اس سے جھگڑ
ہے عدد و تیرا یہ تیرا دامہ اس سے بگڑ
دل میں تیرے واقعی احساس کا گروڑ ہے
کل جو سنگ راہ تھا تجھ کو وہ کوہِ طور ہے

ہے زباں میں تیری لے شاعر بھرا ایسا فنون
دیکھنے میں آئے دنیا میں بہت سے ذوفنون
تو اگر چاہے نکالے قیس کے سر سے جنوں
تجھ میں اعجازِ زباں جو ہے بیاں کیونکر کر دول

غور سے سن تجھ کو پہنچاتا ہوں پیغامِ عمل
کاش دے توفیق تجھ کو ایزدِ غنیمت و جل

لپنے ان جذباتِ فرمن کی ذرا کروک تھام
کر مگو گداں پہ یہ آئینِ فطرت کا پیام
قلب کے احساسِ اصلی کا زباں کو کر غلام
دے نہ اس دنیا کو تو بازِ حیر اطفالِ نام
زندگی کو عارضی اور چند روزہ مان کر
ہو عوارض سے نہ بے پروا موانع سے نہ ڈر

کھول کر آنکھیں دنا اپنے وطن کا حال دیکھ
زندگانی کے کشاکش اور اضمحلال دیکھ
حال دیکھ اہلِ وطن کا اُنکے تو اعمال دیکھ
تو زمانے کی ہوا دیکھ اور اس کی چال دیکھ
یہ نہیں کستا ہوں میں تجھ سے یہ کہ تو وہ نہ کر
خود سمجھتا ہے تو جو کرنا ہے اے صاحبِ نظر

تجھ میں ہمدردی کا جو ہے کربابِ اسپر عمل
تو اخوت کی اس صورت میں کر دے منتقل
ہے جو یہ ہر لونگ ہم آہنگی اس کا ہو بدل
خلق کی خدمت میں ہر خلاق کی عطا کا پھل
رازِ یہ عشقِ الہی کا بتانا تھا سب تجھے

مست خواب لا آباالی بس جگانا تھا تجھے
دیکھتا ہے جانگزا کٹتا ہے دردِ نبض و کیں ہے یہ وہ سم جس نے بس قوموں کی قومیں لاریں
یہ سمجھ دو ناکسوں میں جب کبھی چوٹیں چلیں مورد الزام یا دونوں ہیں یا کوئی نہیں
جو شہداء واقعاتِ عہدِ حاضر کے ہیں دیکھ
جو تلخ اور عواقب اس کے ہو سکتے ہیں دیکھ
میں نے مانا تو کوئی قاضی نہیں مفتی نہیں قول لوگوں کو ترا آیت نہیں سُرتی نہیں
ہاتھ میں تیرے رفقاءِ خلق کی کبھی نہیں ذات پر تیری فلاح انس و جان بنی نہیں
لیکن اے شاعر تجھے وہ قوتیں قدرت نے دیں
چاہے تو کروے وطن کو روکشِ خلدِ بریں
ہو جہاں لہنت کا موقع اور نہ استغفار کا ہونہ اک کو دوسرے سے دغذغہ آزار کا
کام میں ہو ہاتھ ہر دم اور دل ہو یار کا نام رکھا جائے عاصی جس جگہ بیکار کا
وہ مقام پاک ہے اے دوست دنیا میں بہشت
شہر یا جنگل ہو وہ کعبہ ہو یا دیر و کنشت
تو کرشمہ اپنی اس جادو بیانی کا دکھا مگر ہوں کو سیدھے رستے پر پلٹ کر پھر لا
جس سے یہودی خلائی کی ہو وہ راہیں بتا باندھ یہ نیت مدد پر ہے تیری فضلِ خدا
تیرے قبضے میں ہے فن جسکو کہیں سحرِ حلال
انقلابِ قلب میں شاعر دکھا اپنا کمال
ایک ہے تیری نظر میں تو خدائی اور خودی تجھ کو کیساں ہے زمانے کی بھلائی اور بدی
تو نے بڑو گل میں کب تمیز اور تفریق کی فرق شخص و عکس اے شاعر نہ تو مانا کبھی
بحرِ جمعیت میں کر دے جذبِ موجِ فرد کو
تا کہ یک رنگی وحدتِ جلوہ گر کثرت میں ہو
ہاں وطن کو یہ نوید ارتباط آہنگ دے افتراق و ضدیت کو پھر پیامِ جنگ دے
پھونک وہ سنتر کہ اک سُرِ بین، بر لاط، جنگ دے انفرادی زندگی کو اجتماعِ رنگ دے
فرد بے مصرف ہے گر شاملِ جماعت میں نہیں
لفظ ہے کلسالِ باہر گر عبارت میں نہیں

مسکراتی مسرتی سکر مدھربانی تری گل کھلاتی دشت و صحرائیں حدی خوانی تری
کشورِ دل پر مسکرم تھی مسلمانی تری اب بھی ہے دل کی قلمرو میں جہانبانی تری

کیوں بھلا یا ہے وہ تولے نغمہ مہند و حجاز
وے رہا ہے آس ابھی تک یہ ترا خاموش ساز

درو تیرے دل میں ہے ایتار گھٹی میں تری اشک حسرت خاک ارباں جذبِ بٹی میں تری
ہے کلید بابِ نصرت بند مٹھی میں تری ہے ابھی تک بادہ شیراز بھٹی میں تری

کر دے اک پھینٹے سے ان مردہ دلوں کو شور پور
عشق کے جھنڈے کے نیچے ان بھٹکتو نکو بیٹور

بجلیاں بھڑے دلوں میں ہیں جو حسرت انتہا سرد مہری کے جگر میں آگِ اُفت کی لگا
بھڑے ہر اک سر میں خود داری و غیرت کی ہوا بھونکدے وہ آگِ تن میں جو ہے طور آشنا
اس طرح کا یا زمانے کی تو اے شاعر پلٹ

اور تاریخِ قدیمہ کے ورق کو دے اُلٹ

درندہ پھر کس کام کی ہے یہ شررباری تری کام کس دن آئیگی جس غمخواری تری
آخر اے شاعر ہے کس مصرف کی طراری تری سب سائل رہ گئے اب آئی ہے باری تری
وقت ہے اب شاعر شیوا بیاں لب کھول تو

راست اور ناراست میزانِ عمل میں تول تول تو

چھوڑ کر ماضی کی رٹ۔ رکھ حال کو مد نظر کیونکہ اس کا ہی اثر پڑتا ہے استقبال پر
ہر جانی واقعی احساس کی عالم میں کر یہ صداقت کر لے اپنے دل پہ کا نقشِ اجر

خلق کی خدمت میں ہے خالق کی طاعت اور عزت

سردی اک قوم کی ہے اسکی خدمت لے عزت ہو چکی ہیں تجھ پہ واقعہ اس کی تفصیلیں تمام
سُن لیا تو لے جو کچھ ہے عہدِ حاضر کا پیام غیر ملن واپسی ہے تیری بے نیل مرام

یاد رکھ تو ہے یہاں حبِ اور احساں کے لئے

فرضِ اولیٰ خدمتِ انسان ہے انسان کیلئے



کلام اثر

(از خانصاحب مرزا جعفر علی خاں صاحب اثر کفونی)

قاتل کا ہاتھ کانپا، آیا عسرق جبین پر
نازاں جبین ہے مجھ پر نازاں ہوں میں جبین پر
مہتاب کی پس کریش غرق شراب گویا
میں کیا بتاؤں کیونکر عہد سراق گزرا
منظور اُن کو اپنے سبل کا انتہاں ہے
اُس نے خموش رہ کر بے موت اُن کو مارا
شرمندہ ہیں اہل سے، محتاج زندگی کے
سرمایہ جراحات بے منت حب راحت
اک بیگنہ کے خوں کی اندری سرایت
کہتے ہیں، دل نہیں ہے، ویرانہ ہے کبھی کا
سم اضطراب کشتہ، اب ہیں حجاب کشتہ
جب ہم سے بات کرنا، غصے سے بات کرنا
یہ میرے بعد شاید آوارہ چن ہوں
لیک کہ رہا ہے ایک اک ابو کا قطرہ
چھینٹیں کہیں ابو کی، سرخی کہیں شفق کی

یوں ایک ناواں نے سر رکھ دیا زمیں پر
سجدے میں یا ستارے بکھرے ہوئے زمیں پر
ساغر نہیں ہے ساتی کے دست ناز میں پر
نقش و نگار گریہ کچھ ہیں تو استیں پر
اے اضطراب رکھوے اک اور دل ہیں پر
حسرت جنھیں تھی دینگے جاں نذر اک نہیں پر
وقتِ اخیر ورنہ کیسا عسرق جبین پر
قربان عیش و راحت اس ورد دلنشیں پر
تڑپتی ہے وہ زمیں بھی، پیکار ہے جن زمیں پر
کیونکر کہوں کہ زمین ہو توں ہے مکین پر
یاد دیکھتے تھے ان کو، پائے نظر زمیں پر
دل بھی یو ہیں لیا تھا، انصاف ہے نہیں پر
پرواز کے تو شایاں صیلا ب نہیں پر
جاری ہے رقص سبل، قاتل کی آفریں پر
گلکاریاں ہیں کیا کیا، مقتل کی سرزمیں پر

حیران تم ابھی تھے، مہتاب تم ابھی ہو
سچ سچ اثر بتاؤ اُمَل ہو کس حسین پر

نوائے محوی

از مولانا محوی صدیقی لکھنؤی (ازہر اس)

کٹنا کش ہے امید و یاس کی میں ہوں مراد دل ہے
 اجل آتی نہیں حد سے سوا بیتابی دل ہے
 اُسی کو زندگی میں کچھ سکون قلب حاصل ہے
 مرادیں بیکسوں کی بھی کبھی برآتی ہیں یارب!
 مجھے بھی کاش کچھ لمبائے حصّہ اُس مسرت کا
 کسی کا جلوہ رخ، کسی کا چہرہ زیبا
 یہ ہے غارت گرد دل، ہوشیارے انجمن والو!
 تمہاری کم نگاہی کا گلہ مجھ کو نہیں لیکن،
 پڑے یارب نہ اُس پر صبر کچھ میری تباہی کا
 محبت میں مصائب سے کبھی لے دل نہ بھلانا
 تجھے کیا علم رہنے دے، عنایت چارہ گر اپنی
 معاذ اللہ مصیبت اور وہ بھی شامِ ہجرال کی
 جو پیمانِ وفا باندھا تھا اُس کی لالچ ہے ورنہ
 کبھی جس نے نہیں دیکھا تماشہ رقصِ لہلہ کا
 یہ تنہائی کی راتیں اور یہ بیتابیاں دل کی
 کہا ہے قتلِ محوی اک نگاہِ ناز نے جس کی
 خدا کی شان میرے سو گواروں میں وہ شامل ہے

کبھی جینا ہی تھا دشوار اب مرنا بھی مشکل ہے
 سفینہ درخیز طوفانِ غم ہے دُور ساحل ہے
 خیال یار میں فکرِ دو عالم سے جو غافل ہے
 یہ ممکن ہے تو ناکام تمنا کیوں مراد دل ہے
 کسی کا دل دکھانے سے جو ظالم بھجھو حاصل ہے
 نویدِ راحت جاں ہے، پیامِ عشرتِ دل ہے
 جو اس اندازِ تمکین سے بساطِ آرائے محفل ہے
 تمنا مر کے پھر زندہ نہیں ہوتی یہ مشکل ہے
 جو سب کچھ جانتا ہے پھر بھی حالِ دل سے غافل ہے
 دیا ہے جس نے یہ غم وہ کب اپنے غم سے غافل ہے
 کہ ہر اک زخمِ دل اک سرخیِ افسانہ دل ہے
 نہ دکھلائے خدا دشمن کو بھی وہ حالتِ دل ہے
 محبت میں کسی کو جان دینا کوئی مشکل ہے
 خدا کی شان دینا بھریں وہ مشہورِ قابل ہے
 یہی وہ زندگی ہے جس میں جینا سب کو مشکل ہے

علمی خبریں اور نوٹ

پچھلے مہینہ ڈاکٹر ربندر ناتھ ٹکور کی نشر ہوئی سالگرہ کے جشن کے سلسلے میں نادر و نایاب تاریخی کتابوں اور قدیم تصویروں کی ایک نمائش ٹاؤن ہال ملکتہ میں ہوئی تھی جس میں منجملہ دیگر علمی نادرات کے فارسی زبان کے نامور شاعر فردوسی کے مشہور و معروف شاہنامہ کا ایک قیمتی و مطلقاً قلمی نسخہ بھی رکھا گیا تھا، یہ نسخہ چار جلدوں میں ہے اور اس کو مولانا امیر علی الکاتب نے شانزادہ عبداللہ خاں ازبک کے دربار میں ستر سالہ میں بنجاریں لکھا تھا۔ میر علی الکاتب اپنے زمانہ میں فن نستعلیق کے استاد کامل سمجھے جاتے تھے۔ اس نسخے کے ہر صفحے کے چار کالم ہیں، حاشیہ مطلقاً ہے، اس میں قدیم ایرانی وضع کی تیس تصاویر بھی ہیں جن کے حاشیہ پر نہرے نقش و نگار ہیں۔ بنجاریا سے یہ نسخہ جہانگیر بادشاہ کے کتب خانہ میں پہنچا جس میں چوبیس ہزار نادر و مطلقاً کتابیں تھیں، چنانچہ اسکے سرورق پر جہانگیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک یادداشت موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ موصوف کو یہ نسخہ اپنے چچا سلطان دانیال کی لائبریری سے ملا تھا۔

اس نسخے میں منجملہ دیگر حضرات کے شاہ صفوی (غالباً سلطان لہماسپ اول) کے لائبریرین سلطان دانیال، شاہنشاہ اکبر کے لائبریرین ملا حبیب اللہ، جہانگیر کے مصور خاص و لائبریرین ملا صالح کے قلم کے لکھے ہوئے نوٹ موجود ہیں، اور خود جہانگیر کی شاہی مہر جس میں عبدالباری مراد جہانگیر بادشاہ لکھا ہوا ہے۔ اس پر شاہ بدیع خاں ابن سلطان عبدالطلب، ملکہ زمانیہ بیگم، لطیف اللہ اور نواب مرشد آباد کی مہریں بھی ہیں۔ مرشد آباد کی لائبریری سے یہ نسخہ اس کے موجودہ مالک مسٹر مبار سنگھ سنگھی کے ہاتھ آیا جو ملکتہ کے مشہور قلمی کتب جمع کرنے والے ہیں اور جنہوں نے یہ نسخہ اس موقع پر پیش کیا تھا۔

امتداد زمانہ کے باعث اس کتاب کی بعض تصاویر خراب ہو گئی ہیں البتہ تصاویر اچھی حالت میں ہیں، مگر کتاب کا اصل متن نہایت عمدہ حالت میں ہے۔

منشی رام دیال صاحب سکسینہ فنانشیل سکرٹری ریاست جاوہر کے انتقال پر ہم اہل افسوس
 کر چکے ہیں۔ مرحوم نے اپنی وفات سے پہلے ہمارے پاس ایک مختصر مطبوعہ رسالہ موسومہ "تقصیدہ مادھوغل"
 زمانہ میں شائع کرنے کی غرض سے بھیجا تھا۔ یہ رسالہ آپ کے فرزند منشی جے دیال مرحوم کو شہزی کاشی است
 مصنفہ منشی متن لال دلا حظ ہو زمانہ بابت جولائی ۱۹۳۱ء کی تلاش کے سلسلہ میں دستیاب ہوا تھا
 یہ قصیدہ جو بار دوم ۱۹۱۳ء میں نوکتورپریس میں شائع ہوا تھا آجکل کیا ب ہے۔ اس کے شائع کرانویں
 منشی مجیم سین صاحب سکسینہ ساکن اتراولی ہیں، انھوں نے اس کے شروع میں قصیدہ کی شان نزول کے
 متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مادھوغل ایران یا افغانستان کا باشندہ ایک مسلمان شخص
 تھاجو مندر ناتھ دوارہ (واقع ریاست اودے پور) کی پرتمان کے درشن کرنے کے بعد سری کرشن مہاراج
 کے درشنوں کا طالب ہوا اور وہاں سے متھرا گیا۔ اس کی بھگتی کو دیکھ کر اس کو سری کرشن جی کے مندر
 کے دروازہ پر کھڑے ہو کر درشن کرنے کی اجازت دی گئی، مگر مادھوغل نے اس کو قبول نہیں کیا اور ایک
 مندر کے سامنے تین روز تک بے آب و دانہ پڑا رہا، تیسرے روز کہا جاتا ہے کہ سری کرشن جی نے مندر
 کے پوجاریوں کو خواب میں یہ نصیحت کی کہ ہمارا ایک مسلمان بھگت مندر کے دروازہ کے سامنے بھوکا
 پیاسا پڑا ہوا ہے اس کو کھانا کھلاؤ۔ پوجاریوں نے مادھوغل کو کچھ کھلانے پلانے کی کوشش کی مگر اس
 نے انکار کر دیا اور یہی کہا کہ جب تک سری کرشن جی کے درشن نہ ہو جائیں گے اس وقت تک میں کچھ نہ
 کھاؤں گا۔ چنانچہ پانچ روز اور وہ اسی طرح پڑا رہا۔ آٹھویں دن سری کرشن جی نے اس کو خواب میں درشن
 دیے۔ درشن کر لینے کے بعد اس نے بیساختہ یہ قصیدہ موزوں کیا جس کے چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں
 تاکے زخود رانی مہسن ملی کشن گوسی کشن گو
 دل را باو کن بتلا جال ساز در آہش فدا
 آل پوتنارا از جزا بگر چال دوش سزا
 مادھو منوہر مری دھر پیرا ہنش پیتا مہر
 بگدز بیا از ما دمن سی کشن گوسی کشن گو
 از غیر روگردال جداسی کشن گوسی کشن گو
 کا ندر فمالیش شد بقاسی کشن گوسی کشن گو
 ہرش بد لہا جلوہ گر سی کشن گوسی کشن گو
 مادھوغل موشا اے کشن جی مشکل کشا
 الطاف تو شد رہنما سی کشن گوسی کشن گو
 ناظرین زمانہ میں سے اگر کوئی صاحب مادھوغل کے حالات اور اس نظم کی تاریخی حیثیت پر اظہار
 خیال فرمائیں تو عین نوازش ہو۔

ہمارے محترم دوست مولانا عزیز لکھنوی کے پاس ایک بیاض حکیم محمد شریف خاں صاحب کی ہے جس میں اُن کے مجربات اور فوائدِ علمیہ اور نکاتِ ادبیہ درج ہیں اور ایک صفحہ پر شیخ ناسخ مرحوم کی دستخطی عبارت بھی لکھی ہوئی ہے۔ چونکہ یہ تحریر قدیم آثارِ ادبیہ میں سے ہے لہذا زمانہ میں شائع کرنے کی غرض سے مولانا موصوف نے عنایت فرمائی ہے جو شکریہ کے ساتھ درج کی جاتی ہے:-

استفسار:- لفظ تئیں خلافِ محاورہ حال است و متروک بہ مترقب کہ صحت و سقم و دستخط شود، قائلے میگوید

یرے تئیں سنگ دل کس نے نہ جانا منم
نشہ دل پر عیش سنگ لگانا منم

جواب شیخ امام بخش ناسخ:- ایں جہیں الفاظ البتہ متروک بندہ است والا کسے ترک نکرد والی یومنا ہذا اساتذہ لفظ نہ کور یا دیگر الفاظ متروک جائز داشتہ اند مطلقاً عیب نیست بندہ ہم معیوب نمی دارود سوائے ایں قباحت در شعر مرقوم نظر نمی آید و جناب قبیلہ اگر غزلے بعد مدت دریں زمین موزول فرمایند البتہ التشریح خاطر بندہ گردد۔
(دستخط) امام بخش ناسخ

۱۔ ہجوزی کو اعلیٰ حضرت خسرو دکن نے ریاست حیدر آباد کی سرکاری لائبریری کی نئی عمارت کا جو موسیٰ ندی کے شمالی کنارے پر تعمیر ہوئی ہے باضابطہ افتتاح فرمایا۔ یہ کتب خانہ نواب عماد الملک بہادر کی کوشش سے قائم ہوا تھا اور پینتیر ہلوے اسٹیشن کے قریب ایک عمارت میں تھا۔ جدید عمارت میں اس سے کثیر التعداد علم دوست اصحاب فائدہ اٹھا سکیں گے۔

مشہور انگریزی عالم سر ڈینس راس کا خیال ہے کہ تصاویر و نقوش و اشارات کے ذریعہ تمام دنیا کے لئے ایک آسان عالمگیر زبان اختراع کی جاسکتی ہے۔ اسی اصول پر جس پر سر ڈینس کی تجویز کا دار و مدار ہے چینی زبان کے حروف بھی جہی ہیں آپ کا خیال ہے کہ مختلف قوموں کے باہمی تبادلہ خیال کے لئے ایک ہزار سے زائد الفاظ کی ضرورت نہیں ہے، اور ان میں سے ہر ایک لفظ یا خیال کے لئے تمام دنیا کے استعمال کے واسطے ایک خاص نشان تجویز کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس تجویز کی تکمیل کے راستے میں کافی مشکلات ہیں اس لئے ہم اس کو قابل عمل نہیں سمجھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ دنیا کی سب سے ضخیم کتاب بتی زبان کی "گجر نامی" کتاب ہے جس میں مذہب کے موضوع

پرجٹ کی گئی ہے۔ یہ کتاب دو سو جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا اس کو تبت سے پکنگ لے جانے کی ضرورت ہوئی تھی تو اس کو اٹھانے کے لئے سو قلیوں کی ضرورت پڑی تھی۔

مخبر قوم لالہ لاجپت رائے آجمنی کی یادگار میں میرٹھ کالج نے مضمون نگاری کے مقابلہ کی بنیاد قائم کی ہے جس میں اگر یونیورسٹی سے ملحق تمام کالجوں کے طلباء شریک ہو سکتے ہیں۔ اس مقابلہ کا مضمون ”ہندو مسلم مسئلہ اور اس کا حل“ تھا، اس موضوع پر بہترین مضمون مسٹر محمد ضیاء الاسلام متعلم سارا جہ کالج جے پور کا قرار پایا، چنانچہ انھیں کو تمغہ موسومہ ”لالہ لاجپت رائے گولڈ میمریل میڈل“ دیا گیا۔

دنیا کی زندہ و ترقی یافتہ قومیں اپنے علمی ادبی سرمایہ کی توسیع کے لئے کس قدر کاوش اور صرف زور کرتی رہتی ہیں اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کی تیاری میں چھبیس سال اور تین لاکھ پاؤنڈ صرف ہوئے ہیں۔ اس لغت میں انگریزی کے اُنچاس ہزار الفاظ ہیں۔

حیدر آباد دکن ایک مدت سے مشرقی علوم کی سرپرستی کر رہا ہے اور وہاں کے اہل علم و اہل قلم بھی علوم مشرقی کی توسیع و ترقی میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بزم تالیف بھی قائم ہے جس کے مقاصد میں مشہور قدیم تاریخی کتب کی تلاش، دکن کی اسلامی تاریخ کی ترتیب اور اردو میں ایسے لطیف و شاعرانہ حقائق کی وجہ سے مطالعہ تاریخ میں آسانی پیدا ہو سکے۔ اس بزم کے صدر نواب سر امین جنگ بہادر اور سکریٹری حکیم سید شمس اللہ قادری ہیں۔ اراکین میں حیدر آباد کے سربراہ حضرات کے علاوہ الہ آباد، پنجاب، کلکتہ، مدراس وغیرہ یونیورسٹیوں کے ہندو مسلمان قابل پروفیسر اور لندن اور لیڈن یونیورسٹیوں کے علما شامل ہیں۔ اس بزم کی سرپرستی میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل تین کتابیں تبصرہ کی غرض سے ہمیں وصول ہوئی ہیں۔ یہ تینوں کتابیں ہمارے مکرم دوست حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب لے مرتب کی ہیں۔ ہر کتاب پر تنقیدی مقدمہ لکھا ہے اور دوسری ضروری باتیں بھی اضافہ کی ہیں۔

- (۱) نظام التواریخ (فارسی) اس کو قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ نے سلسلہ میں تالیف کیا تھا، اس میں ملوک عجم کی تاریخ و انساب ابتداءً آفرینش سے مولف کے عہد تک درج ہے۔
- (۲) تذکرہ مصنفین دہلی (فارسی) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تالیف ہے۔ اس میں ابتداءً

فتح اسلام سے مسئلہ تک دہلی میں جو مصنفین گزرے ہیں ان کے حالات ہیں۔
(۳) تحفۃ المجاہدین (عربی) شیخ زین الدین بن عبدالغزیز کی تالیف ہے جس میں پرتگال کے بعض حالات ہیں۔

دارالمورنین کے پیش نظر مقاصد بجائے خود بہت اہم و مفید ہیں، لیکن موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اگر ان کتابوں کو اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا جاتا تو یقیناً زیادہ مفید ہوتا۔ موجودہ صورت میں صرف خاص خاص حضرات ہی ان کے مطالعہ سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ بہر حال مرتب صاحب کی محنت و کاوش مستحق ستائش ہے۔

تینوں کتابیں رائل سائز پر طبع کی گئی ہیں۔ کتابت و طباعت صاف اور کاغذ سفید و نیر ہے قیمت کسی کتاب پر درج نہیں۔ اہل ذوق حکیم سید شمس اللہ قادری ایڈیٹر رسالہ "تاریخ" کوٹلہ اکبر آباد حیدر آباد دکن سے خط و کتابت کریں۔

جامعہ ملیہ دہلی نے "اردو اکاڈمی" کے نام سے تصنیف و تالیف کا ایک خاص شعبہ قائم کیا ہے جس کا مقصد اردو زبان میں مختلف علوم و فنون پر مستند کتابیں لکھو کے یا دوسری زبانوں سے ترجمہ کر کے شائع کرنا ہے۔ چنانچہ اب تک متعدد قابل قدر کتابیں طبع ہو چکی ہیں جن میں سے اکثر کا ریو یو بھی زمانہ میں ہو چکا ہے۔ اکاڈمی کی طرف سے ایک علمی رسالہ "جامعہ" اور ایک تعلیمی رسالہ "پیامِ تعلیم" بھی جاری ہے۔ اور جو حضرات چاہیں جو بیس روپیہ سالانہ ادا کر کے اس کے رکن ہو سکتے ہیں، مزید سہولت کے لئے یہ رقم چار قسطوں میں سہ ماہی بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ اس کے عرصہ میں ہر سال اسی قیمت کی کتابیں ارکان اکاڈمی کو پیش کی جائیں گی، اور رسالہ "جامعہ" اور "پیامِ تعلیم" جن کا مجموعی چندہ ساڑھے سات روپیہ ہے بلا قیمت نذر کئے جائیں گے۔ اکاڈمی میں اردو کی تمام مستند کتابیں، اور دوسری انجمنوں کی مطبوعات بھی فروخت کے لئے موجود رہتی ہیں اور اس کے ارکان کو اپنے چندہ کی مقدار تک ان کتابوں سے بھی انتخاب کرنیکا اختیار ہے۔ ہم تمام شائقین ادب سے اس اکاڈمی کی امداد و اعانت کی اپیل کرتے ہیں۔ جو صاحب اس کے رکن بننا پسند فرمائیں وہ ناظم صاحب اردو اکاڈمی جامعہ ملیہ دہلی کو اپنے نام اور پتے سے مطلع فرمائیں۔

ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد نے اس طرف اردو ہندی کی کئی قابل قدر تصانیف شائع کی ہیں

تازہ اردو مطبوعات کے نام یہ ہیں:-

ترقی زراعت (حجم ۳۲۱ صفحات) از خالص صاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت
صوبہ متحدہ - قیمت للہ

قرون وسطیٰ میں ہندوستانی تہذیب (حجم ۲۳۰ صفحات) از رائے بہادر مہا موہا پادھیائے گوری
ہیرا چند اوچھا، مترجمہ منشی پریم چند - قیمت للہ

ہندی شاعری (حجم ۲۰۲ صفحات) از ڈاکٹر اعظم کرپوری قیمت ۷۱
کیسیر صاحب (حجم ۱۵۲ صفحات) از پنڈت منوہر لال زتشی قیمت ۷۱

پچھلے نمبر میں جب ہم نے رائے بہادر بابو آئند سروپ صاحب پر کرم و محترم منشی جو لاپرواہ صاحب
جی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، وکیل کا پنہ کا قابل قدر مضمون شائع کیا تھا تو کس کو معلوم تھا کہ خود صاحب
موصوف بھی ہمارے درمیان چند ہی روز کے مہمان ہیں۔ کچھ دنوں سے آپ کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی اور
دوسری آنکھ میں بھی کچھ شکایت پیدا ہو گئی تھی جس سے وہ بہت نڈھال رہنے لگے تھے، خانگی ترددات
بھی تھے اور بعض اعتراضیں ناچاتی تھیں، غرض ان وجوہ سے وہ کچھ اس درجہ دل برداشتہ ہو گئے
کہ مفروری کے سہ پہر کو اپنے مکان سے چل دیے اور اب تک باوجود تلاش ان کا کوئی پتہ نہیں ملا جس
سے خوف ہوتا ہے کہ شاید کسی خاص دماغی ہیجان کی حالت میں انھوں نے اپنی زندگی ہی کا خاتمہ کر دیا۔
زمانہ کے مضمون میں ان کے یہ الفاظ کہ ”بابو آئند سروپ صاحب تو دنیا سے کوچ کر گئے مگر ان کے
بعض دوست بھی مکر باندھے ہوئے چلنے کو اب تیار بیٹھے ہیں۔“ اس وقت ہم کو خاص طور پر اہم معلوم
ہو رہے ہیں۔ بہر حال جو منظور اکی تھا ہوا۔ آپ کی مفارقت کا پنہ کی پبلک لائف کے لئے ایک حادثہ
عظیم ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے۔ اہل کا پنہ کے لیے آپ کی ذات بابرکات ہر طرح سے باعث
فخر تھی۔ ابتدائے عمر سے لیکر آخر تک ان کی زندگی پبلک خدمات ہی کے لئے وقف رہی۔ چنانچہ پچھلے
تیس سال کے اندر شہر میں رفاہ عام کا شاید ہی کوئی کام ایسا ہوا جو جس میں انھوں نے صدق
دل اور خلوص نیت سے سرگرم حصہ نہ لیا ہو۔ آریہ سماج اور دیانند کالج اور شہر کے متعدد ہسپتالوں
کے وہ متناظر کن اور مغز عمدہ دار تھے۔ کالج میں پروفیسر قانون اور شہر کی آئری بری محبٹرٹی کے فرائض
بھی انجام دے رہے تھے آپ طبعاً حد درجہ منکسر مزاج واقع ہوئے تھے، صبر و تحمل ان کی فطرت کے
خاص جزو تھے۔ نیک نفسی اور فطری شرافت کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہر طبقے میں ہر لغزیز رہے

انکی طبیعت سادگی پسند تھی۔ چنانچہ اپنے آرام و آسائش کا کبھی کوئی خاص خیال نہ رکھتے تھے۔
غرض قدیم تہذیب اور اگلی و صرداری کے وہ ایک بہترین نمونہ تھے۔ اردو ادب سے بھی انھیں
خاص شغف تھا، اخبار و رسالے کے مطالعہ اور کتب بینی سے ان کی طبیعت کبھی سیر نہ ہوتی تھی انکی
تحریروں تقریر و ناول و لپیڈر ہوتی تھی، زمانہ سے انھیں ہمیشہ خاص دلچسپی رہی، تقریباً دس سال تک
اس کا دفتر بھی ان کے دولت خانہ سے ملحق انھیں ایک دوسرے مکان میں رہا۔ اس دوران میں کارکنان
زمانہ کو کبھی یہ محسوس نہیں ہونے پایا کہ وہ اپنے ذاتی مکان میں نہیں بلکہ کرایہ کی عمارت میں ہیں
افسوس! آں قدر بے شکست و آل ساقی نمائند

ہم کو افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ہمیر گزشتہ کے پرچے میں زمانہ کی توسیع اشاعت کے
متعلق ہم نے اپنے مغرر ناظرین سے جو اپیل کی تھی اس پر ہمارے احباب نے کوئی خاص توجہ نہیں
فرمائی نئے سال کے آغاز ہی سے عام کساد بازاری کا اثر رسالہ کی آمدنی پر محسوس ہو رہا ہے۔ حقیقت
اس وقت تک اس کی مالی حالت قابل اطمینان نہیں ہو سکی ہے، ادھر کئی سال سے اس کے آمد
و خرچ کا فرق اخبار آزاد کے منافع سے پورا ہو رہا ہے، یہ بھی واضح رہے کہ زمانہ پر بہت ہی جتنے ہوئے
اخراجات کیے جاتے ہیں اور ذاتی محنت و جفاکشی سے جس قدر کفایت ممکن ہے کی جاتی ہے۔ ایسا
نہ ہوتا تو شاید ایک زمانہ کی زندگی ہی قائم نہ رہ سکتی۔ ہمارا خیال ہے کہ زمانہ اردو ادب کی ایک
خاص خدمت انجام دے رہا ہے۔ اور اگر قدر دانان رسالہ بھی ہمارے ہم خیال ہیں
تو ان کو اس کی امداد سے بے فکر نہ رہنا چاہیے۔ امداد و اعانت کا آسان ترین طریقہ توسیع اشاعت
ہے، پانچ روپہ سالانہ مغرر ناظرین کے اکثر احباب کے لئے کوئی بڑی رقم نہیں ہے جسے وہ اردو ادب
کی ترقی کے لئے آسانی سے دے سکیں۔ بہر حال ہم ایک مرتبہ پھر اپنے علم دوست احباب سے
اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں زمانہ کے سرپرستی کی سفارش فرما کر ہماری امداد فرمائیں، ہکو
بھروسہ ہے کہ ہماری اپیل بیکار نہ ہوگی اور ہمارے قدر شناس اس پر جلد ہی توجہ فرما کر ہم کو
شکریہ کا موقع دیں گے۔

سر محمد شفیع آجہانی

آزیزیل محمد شفیع آجہانی مسلمانوں کے مسئلہ لیڈر اور ملک کی قابل ترین ہستیوں میں تھے

پنجاب ہائیکورٹ کے جیڑٹروں میں آپ کا درجہ بہت ممتاز تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ سے بھی آپ کا
 دیرینہ تعلق تھا اور آپ اس کے مشہور رہنما تھے۔ تمام عمر آپ ملک و قوم کی بہتری کے کوشاں
 رہے۔ پانچ سال سے زائد یعنی ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر رہے
 گول میز کانفرنس کے دونوں اجلاسوں میں بھی بطور ڈپٹی کیٹ شریک ہوئے تھے اور اس حیثیت
 سے بھی آپ نے اپنی اعتدال پسندی اور ملکی ہی خواہی کا پورا ثبوت دیا، لندن سے واپسی پر
 ہیر کیلسنی لارڈ ویننگڈن نے آپ کو سر فضل حسین صاحب کے جگہ اپنی انتظامیہ کونسل کا قائم مقام
 ممبر مقرر فرمایا تھا مگر انیس کھ آپ اس جلیل القدر عہدے کا بار سنبھالنے نہ پائے تھے کہ ایک مختصر عرصہ
 کے بعد، جنوری ۱۹۲۲ء کو ۶۳ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔
 اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

طلسم خیال

از منشی اقبال درما سحر تنگامی

جہن میں آئے فقط موسم خزاں کے لئے
 جہاں میں ہم ہوئے پیدا غم جہاں کیلئے
 عدم سے لائی تو، مستی میں تیری بیتیابی
 اب اضطراب ہے جان خیریں کمال کیلئے
 ہوا پدید جو سودا تو میرے سر کی غرض
 بنا جو سر تو ترے سنگ آستان کیلئے
 ہے اپنی گردش بخت سیاہ ہم پیشہ
 مباح ہے یہ ستم مجھ پر آسمان کیلئے
 نہ سازگار زمانہ ہے اور نہ تو اپنا
 اثر کہاں سے ہو فریاد بیگیاں کیلئے
 اسیر ہو کے ہوں ممنون شفقت صیاد
 جگہ ملی تو مجھ آوارہ خانماں کیلئے

ملاجو مر کے تو پھر لطف کیسا رہا زاہد
 جو بے قرار رہے عیش جاوداں کیلئے





پکے ہوئے سیسے
پھوڑے پھنسی او
پر لانے زخم

زہبک سے جلد شفا اور تسکین پاؤں ہیں

پھوڑوں پر لانے زخموں اور گوشت خور زخموں کی حالتیں جنہیں سخت جلن۔ درد اور سوزش ہوتی ہے
زہبک اپنی حیرت انگیز شفا بخش خاصیت کا اظہار کرتا ہے۔

اوسط پیمانہ کے زخموں یا پھوڑوں پر زہبک کو براہ راست ڈبیہ سے لیکر لگانا چاہئے جب تک کہ دائرہ
وسیع ہو تو رونی کے پھاسے یا صاف کپڑے پر زہبک کا موٹا پرت پھیلا کر لگانا چاہئے۔ اس خالص جڑی
بوٹی کے مرہم کے زیر اثر گرمی۔ درد۔ سوزش میں جلد آفاقہ ہو جاتا ہے اور امراض مکمل طور سے دفع
ہو جاتے ہیں۔

زہبک کی تسکین بخش اور تریاق صفت خاصیت کیساتھ ساتھ شفا دینے کی قوت بھی حیرت انگیز ہے
بیمار اعضاء پھر سے مستقل طور پر قوی اور تندرست ہو جاتے ہیں کیونکہ زہبک جلد کے اندرونی ریشوں اور
مسامات کی از سر نو تعمیر کرتا ہے

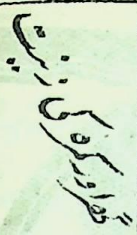
چھانجن۔ خارش۔ کھجلی۔ داؤ۔ زہریلے زخم۔ بواسیر۔ شگان۔ چپٹ۔ جلتا۔ جھلنا۔ درد اور سوج
وغیرہ کے لئے بھی زہبک کو استعمال کیجئے۔ تمام انگریزی دوا فروش زہبک فروخت کرتے ہیں قیمت ایک روپیہ۔
بڑی ڈبیہ کی قیمت دو روپیہ۔ ایجنٹ۔ بی۔ مسرز کے۔ بی۔ محمد سعید اینڈ کمپنی مسٹن روڈ۔ کانپور

جڑی بوٹیوں کا حیرت انگیز مرہم

زہبک Zam Buk

گلدان کا وزن

ہاف ٹون عکسی مصاب



یہ تصاویر ہاف ٹون بلاک سے عمدہ آرتھو گرافک پرنٹنگ ہوتی ہیں اور ان کو اپنی دیگی کا اصل

تصاویر نگین	بھکاری	محاصرہ چتوڑ	مولوی عزیز مرزا صاحب	ڈاکٹر نذیر احمد	کرشن بھولا ناٹھ
نی تصویر	گنگا اور بھیشم	پیدائش شانزادہ سلیم	بابو بالکند گیتا	ارکین دیانت کالج	قروڑ
سیح ابن مریم	سمنر ساشن	در بارہا گیرمین	اوسر بھات مٹر	مسٹر ملک	لالہ لاجپت راس
نغمہ محبت	امید وفاداری	سیفر فارس	مشاعرہ گندگال	جسٹس محمود	ڈاکٹر بی بی ہادیہ
موسم سرا	شیواجی اور لالہ	در اشکوہ کارنر گریپ	بالو سریندر ناتھ	مسٹر ابرہیم جت	الکھن
باد و بہاری	قدیم زمانہ کا طریق جنگ	کے سامنے پیش ہوا	منشی احمد علی شوق	مسٹر کلین نرجی	لالہ ہنسراج
انتظار	لوہیا کا ایک معرکہ	نیرن صاحب جعفر	مرزا سلطان احمد	سر ام کرشن	راجہ صاحب جٹ
ہدایت	ایک قدم مشرقی	میسو سلطان	مرزا محمد فیض سودا	بالو گنگا پرشاد	لالہ شہناز
خواب راحت	مصطفیٰ کمال پاتا	در بارہا و ہولنا	مرزا انشاء اللہ	اسٹوڈیو کاٹھ	سر غا خان
گلن جھروز	کی ترکی کونسل	در بارہا شاہ عباس	مولانا عبدالرزاق	نواب محسن الملک	مولانا محمد علی
رفیق طفلی	غسل کی تیاری	موسی تصاویر	مولانا آزاد دہلوی	مسٹر سس بہاری	مسٹر سید احمد
شکستہ و شغیت	سید دان اور ساتھی	ماہ جیت ارمیا	مسٹر رام بابو سکندر	ڈاکٹر سیتیش چند	مسٹر سرجی
شعل ہدایت	راجہ کمار کے بیٹے	جیٹھہ اساتذہ	منشی لوبت رائے	نرجی	مسٹر بی بی مادھو
نارنگہ	کا قتل	بھادون رما گھ	جناب چلیکت	پڈت شبنم ناٹھ	راجہ
بچ نور دہی	باسیہ اور دیو کا قید	بھاگن اساون	حضرت صفی	بالو تراب چند	مہاتما تلشی رام
غمن تصویر	زرد بکیش متعلق سنگ	مشہور انشا	ڈاکٹر اتھال	نرجی	سوامی سردھانند
کے نمونے	دود کا لیداس	پرواز ان اردو	مولانا حسن نظامی	جسٹس لال چند	سر چند راتھ
انترت میں وحشت	گوتھ بدھ	مولانا شبلی	لیدر راتھ	آریہل مشر گوپال	بالو بھو انداس
وقت ترع	اکبر اعظم	شش العلماء دکار	و ناموران ملک	آجن فادمان	سید امیر علی
رام بن باس	راجہ بان سنگھ	شش العلماء دکار	راجہ رام موہن	مسٹر رام داس	نواب سید حسن
اکثرن اچودھیاجی	اکبر اور جیت کا شکار	پیر عشق علی	مسٹر داس	مہاتما گاندھی	بلکرامی
نظریہ کا آثار	در بارہا شاجمان	حضرت انیس مرحوم	سالار جنگ	پڈت مدن موہن	نواب سید محمد
راجہ راج کا لاپار	عبدغلام شاہی	سوار کی کا جوس	لالوی		

زمانہ بک اینڈری کا پورے منگایے



ڈاکٹر ایس کے برمن

ڈاکٹر ایس کے برمن چیمپیئن



سنہ ۱۹۸۳ء

”پچاس سالوں سے ہندوستانی پیٹنٹ دواؤں کے بے مثل موجود“

REGD.

پیشینا

(مقوی باہ کی گولیاں)

اس مقوی دوا کے استعمال سے معمولی کمزوری، نامردی، جریاں، ہتھ پیروں کا کانپنا، حمل دل، حافظہ کی کمی اور تھکان وغیرہ رفع ہوتی ہے۔ دوران استعمال دوا کا گہے گہے ہماری تیار کردہ ”جلا بن“ جلاب کی گولی سے مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔ قیمت دو مہنتوں کی خوراک تین گولیوں کی ایک دہیمہ دوا نہ پڑے۔

قیمت جلا بن بارہ گولیوں کی شیشی دس آنہ ۱۰۰ (محصول ہر دوشیشی سات آنہ ۷۰، قیمت نمونہ پیشینا ۳۰، رمونہ جلا بن دو آنہ ۲۰)

REGD

کی شرج تیل

(سر میں لگانے کے تیلوں کا بادشاہ)

یہ خوشبودار تیل بالوں کی جڑوں کو مضبوط اور دماغ کی خشکی دور کر کے تروتازہ رکھتا ہے۔ یہ اس مفید اجزاء مرکب تیار کیا گیا ہے جو دماغ و آنکھوں کے لئے نہایت مفید ہیں۔ اسکی خوشبودار باور نہایت دل پسند ہے۔ وحالت آسٹیل وغیرہ کوئی مصرحت چیر شامل نہیں ہے قیمت فی شیشی پندرہ آنہ ۱۵ (محصول دس آنہ ۷۰، قیمت نمونہ سر

ہمارے یہاں کی آئور ویدک دواؤں کی فہرست جھلک تیار ہو گئی ہے۔ طلب کرنے پر مفت روانہ ہوگی۔
نوٹ نمبر ۱۰۰ - عام خریداروں کو نمونے مرٹ ہمارے ایجنٹوں ہی سے مل سکتے ہیں۔

نوٹ نمبر ۱۰۱ - ہماری دوائیں ہر جگہ دواؤں و دھنوں اور دوا کا بازاروں کے یہاں ملتی ہیں۔ ڈاکٹر محمول بہت بڑھ گیا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے اپنے مقامی ہمارے ایجنٹ سے خریدیئے۔

(حصہ نمبر ۶۶) پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

ایجنٹ: کان پور نیا سچ میں محمد حفیظ - محمد نصیر صاحبان

میر اور سچے موتیوں کا سفید

جناب نامی گرامی ڈاکٹر آر۔ کرپر صاحب ہمارے
سی۔ آر۔ فیلو آف کیمسٹری لندن
آنکھوں کی بیماریوں و ترقی مینائی کی واسطے مفید اور سچے
بہتر دوا اثر دیا ہے۔ ملک میں افزہ وغیرہ کے معزز ڈاکٹروں
و ہندوستان کے نامور حکیموں نے آنکھوں کی بیماری میں
اور دوا چھوڑ کر استعمال کئے ہیں۔
ہمارے سرمہ کا امتحان اور اسمیں کامیابی
(۱) نگاہ ناب کر ہا سرمہ لگائیے دو ہفتہ میں روشنی بڑھ جائیگی
اور جلد ناقص چشم دور ہونگے۔

(۲) عینک کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) دھند۔ ڈھلکا۔ آنسو بہنا۔ سرخی۔ کھجلی۔ سوزش۔ آنکھوں
کے سامنے اندھیرا۔ ایکوں کی اندر دلی گوبانی دور ہوتی ہے
(۴) اگر دور نگاہ سے ناگاسوئی میں بہت جلد یہ دیکھئے۔

(۵) پر بال۔ سیل جالا۔ پھولی۔ ابتدائی موتیا بڑا ناخونہ۔
آنکھ کے سامنے دھڑا آنا بند ہو جاتا ہے۔ لکھتے پڑھتے سے
آنکھ کا کان۔ درد۔ بہت جلد صاف کرتا ہے اور جلد امراض
چشم کے لئے اکسیر ثابت ہوا ہے۔ قیمت فی بوتلہ ستر
محصول داک جھ آنہ (۶)

ملنے کا پتہ

منیجر محکم کیسپی۔ نیا چوک کاینور



سناٹوجن

میلر کی کمزوری پر فتح حاصل کیجئے
بنگال کے مشہور ڈاکٹر ایچ۔ ڈبلیو۔ ایس لکھتے ہیں
کہ میلر کی کمزوری کیلئے مسلط طور سے سناٹوجن
سب سے زیادہ موثر دوا ہے۔
کوئین میلر یا سٹفا بخشی لیکن بخار کے بعد کمزوری
پر کبھی فحجاب نہ ہوگی۔

از سر زواقت حاصل کر نیکار ف یہی طریقہ ہے کہ کمزور
جسم کو صحیح غذا دی جائے۔ یہ غذا سناٹوجن ہے
سناٹوجن جسم اور ذہن میں ٹھیک ہی اجزا داخل کرتی
ہے۔ جن سے قوت بنتی ہے اور تعجب انگیز بخورے وقت
میں نیا خون بناتی ہے۔

آج ہی سے سناٹوجن کا استعمال
شروع کر دیجئے

SANATOGEN

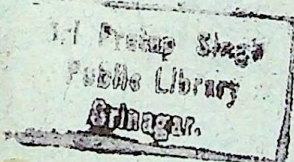
صلی مقوی غذا

سب دافرو و خوں اور بازووں سے ملکتی ہے تباری
یا پیکنگ کے دوران میں سناٹوجن ہاتھ سے نہیں چھوئی جانی

اشتیاق حسین قریشی صاحب ایم۔ اے کا وہ دلچسپ ڈراما جس میں کم عمر ہوی اور بزرگوار شوہر کے معالہ قدرت و سخرات امیر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اچھی سوسائٹی میں ایٹج کرنے کیلئے یہ ڈراما بہت مناسب ہے۔ طباعت کتابت، کاغذ بہت اچھا۔ یہ اردو کی ان کتابوں میں ہے جو تمام لوازم شاعری آراستہ ہیں۔

(ڈراما) **گناہ کی دیوار**

مصنفہ اشتیاق حسین قریشی صاحب ایم۔ اے۔ گناہ بڑی جبر ہے لیکن تفاوت قلب اور کبر و ترہیں گناہ کی دیوار شاہد ٹوٹ سکتی ہے لیکن تفاوت قلب اور کبر کے بتوں کو توڑنا بہت دشوار ہے۔ یہ ایک اعصمت خاتون کا قصہ ہے جسے کچھ عرصہ تک مجبوراً اعصمت قریشی کی زندگی گزارنی پڑی لیکن بالآخر عدل نے اُسکی گریہ و زاری سُن لی اور اس زندگی سے نجات دلائی قیمت ۴۔



مکتبہ

مصنفہ محمد حبیب صاحب بی۔ اے (اسکے مسلمانوں کی مذہبی اور قومی رہنمائی کے لئے ایک دلچسپ ڈراما مذہب و اخلاق کو سستہ پہچانا جاتا ہے ہیں۔ زمانے کی مصلحتیں قوم و ملت کی ضروریات سب پر ایک نظر ڈالی گئی ہے اور ایک عیار بھی تجویز کیا گیا ہے جو رہنمائی کے دعویداروں کو پرکھنے میں کام آسکتا ہے۔

قیمت صرف ۴۔

پروردہ غفلت

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا وہ ڈراما جو انھوں نے قیام جرمنی میں لکھ کر واپس چھاپایا تھا۔ مسلمان خاندانوں کی معاشرت کی سچی تصویر تعلیم نواں آزادی نواں اور پردہ پر مفید بحث و دلچسپ طرائف امیر اور نتیجہ خیز قصہ طباعت عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ (مدر)

زمانہ

Sri Pratap Singh
Public Library
Srinagar.

مرتبہ: دیا زین نگم، بی۔ اے

154422

جلد ۵۸ پارچ ۹۳۲ء نمبر ۳

فہرست مضامین

تصویر:- ہمارا جج چندر راٹھور کا دربار۔ ڈاکٹر انبند زانہ ٹیگور۔ حاذق الملک حکیم اجل خان صاحب مرحوم۔

- ۱۔ ملک الشعراء ڈاکٹر ٹیگور
از منشی اقبال درما سحر ہنگامی ۱۳۷
- ۲۔ مولانا روم کا نظریہ ارتقا
از جناب سید حسن بنی، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بنی ۱۴۵
- ۳۔ مسیح الملک کے ساتھ ایک ہفتہ
از سبطینا الدین احمد بنی، بی۔ اے ۱۵۰
- ۴۔ سر جی نیڈو کے نعمات
ترجمہ از مسٹر ظفر قریشی دہلوی، بی۔ اے ۱۵۶
- ۵۔ نبات ٹیگور
از منشی اقبال بھادرسکینہ ایم۔ اے ۱۶۰
- ۶۔ بدگمانی (قصہ)
از مسٹر جے کرشن ۱۶۳
- ۷۔ تنقید کلام حضرت اترکھنوی
از سید محمد عسکری طباطبائی، بی۔ اے ۱۷۰
- ۸۔ تنقید کتب (فلسفہ انبساط مبادی فلسفہ، ساگ، رات
عورت و مرد کے تعلقات۔ لال رام دیال کی ہندی مطبوعات ۱۷۹
- ۹۔ کلام جوش
از حضرت جوش ملیح آبادی ۱۸۳
- ۱۰۔ بسنت
از منشی شام موہن لال جگدیو، بی۔ اے ۱۸۴
- ۱۱۔ حضرت موسیٰ اور ایک سال
از منشی نیشور پراد سنورکھنوی ۱۸۵
- ۱۲۔ ڈاکٹر ٹیگور کی سالگرہ
از پروفیسر ستہ پشاد قدابی، بی۔ اے ۱۸۷
- ۱۳۔ نوروز
از سید غلام حسین میرادب ۱۸۸
- ۱۴۔ لطف سخن
از حضرت عزیز کھنوی۔ جناب ریاض خیر آبادی حضرت بنو جلیہ ۱۸۹
- ۱۵۔ علی خیر اور نوٹ ۱۹۱

منبت فی پاپ ۴ زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا قیمت سالانہ ۱۰
قیمت سالانہ مالک غیر سے ملے ششماہی ۴ ہندوستان سے ششماہی قیمت تین روپیہ

علمی و ادبی کھنڈے والے حضرت منذر کی کتابیں ضرور منگائیں

بزم خیال

اس میں اردو اور فارسی شعری کی مجالس کے لطائف و ظرافت اور برجستہ گوئی و حاضر جوابی کے نمونے جمع کئے گئے ہیں جو خوش مذاق حضرات کی تفریح کا بہترین سامان ہے۔ قیمت ۷۰

ہندو تیوہاروں کی اصلیت

اس کتاب میں منشی رام پرشاد صاحب نے ۱۰۰ ہندو ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول بستی نے ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور انکی جڑ افنائی کیفیت نہایت واضح اور آسان زبان میں لکھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں کا اخلاقی اور تمدنی انتظام اور ہندو تیوہاروں کی ضرورت پر اظہار خیال کیا ہے۔ قیمت فی جلد ۹۔

خاک پروانہ

منشی پریم چند کے تازہ ترین حودہ منتخب مضامین کا مجموعہ۔ پریم چند صاحب کے افسانے کسی تعارف کے محتاج نہیں قیمت ایک روپیہ ۷۰

بہرام کی رہائی

منشی چیمپری اور بہرام کی گرفتاری کے بعد اسکا پڑھنا نہایت ضروری ہے۔ قیمت ۷۰

خیالات عزیز

مجموعہ مضامین مولوی غیر مرزا مٹا جس کی باضابطہ جسطوری لکھی ہے حجم ۲ صفحات ۷۰

مع تصویر مصنف

قیمت صرف دو روپیہ

گلزار داغ

فضیح الملک جناب داغ و ہلوی کا مشہور و مقبول دیوان ہے جو اس میں حسن و خوبی کے ساتھ شاعرانہ ہوا و دماغ صاحب کا کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں قیمت بلحاظ دیوان صرف ۷۰

مثنوی سحر

یعنی شکستہ ادبیات منظوم حضرت سحر منہ گامی کے شاعرانہ کمال کا اعلیٰ اول ایڈیشن کی قیمت ۶ روپے ۷۰

مرقع ادب

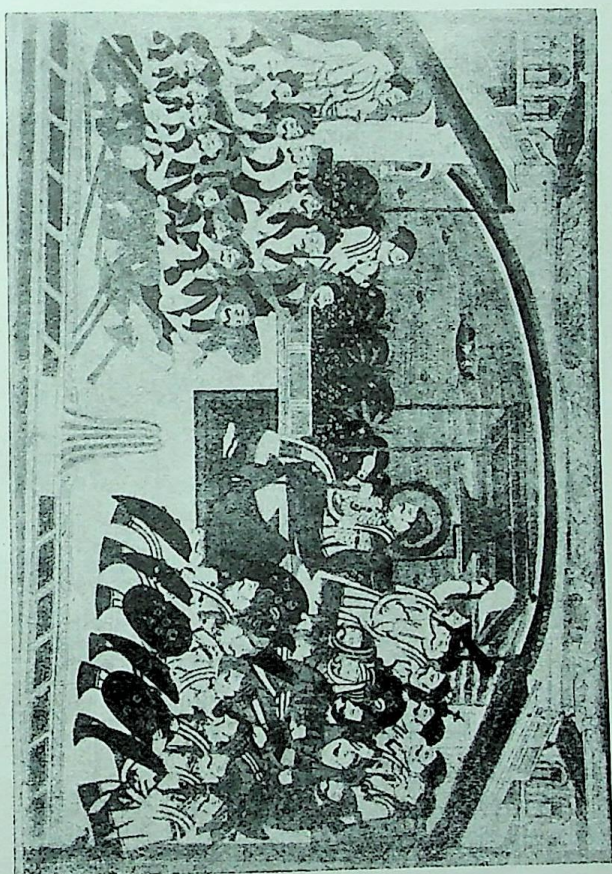
حصہ اول و دوم مرتبہ منہ گامی صاحب مولوی اسمین ہندستان نے مشہور شاعرانہ شعرا کے منظوم جامع کئے گئے ہیں انھوں نے اپنے اجاب و فقرہ کو لکھے ہیں۔ قیمت حصہ اول ۷۰

حصہ دوم

۷۰

ملنے کا پتہ:- مینجر زمانہ بک ایجنسی۔ کان پور

مربع دربار مہاراجہ جے چندر راتھور والی قلعہ



Sri Pratap Singh
Public Library
Srinagar.

زمانہ

جلد ۵

مارچ ۱۹۳۲ء

نمبر ۳

ملک الشعراء اکثر رہیں زمانہ ٹیکور

از منشی اقبال درما سحر ہنگامی

واقعی فخر و مسرت کا مقام ہے کہ ہم کو اس سال اپنے ایک ایسے شہرہ آفاق اور یکتائے روزگار شاعر کی سترویں سالگرہ کے جشن منانے کا موقع ملا ہے جس کی عالمگیر شخصیت پر نہ صرف ہندوستان بلکہ کل دنیا کو بجا طور پر ناز ہے جس کے اشعار وہ نعمت عشق ہیں جو اپنی کشش اور دلآویزی سے تمام بنی نوع انسان کو بلا تفریق مذہب و ملت و قومیت اپنی جانب مائل کرنے کے علاوہ اُن کو رشتہ اتحاد و ارتباط میں بھی باہم منسلک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے اُس ذات حقیقی کی جانب رجوع کرتا ہے جو عین حقیقت ہے، اُس کے کلام میں وہ لطافت و نازک خیالی ہے جن کے اتصال کو ہم روحانیت کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں جو انسان کے مادی قالب سے بے تعلق ہو کر کام کرتی ہے اور جو دل و دماغ کی وساطت سے بے نیاز ہو کر براہ راست روح کو متحرک و متاثر کر دیتی ہے۔ اس کے کلام سے روح ایک وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل و دماغ کے فوری اور وقتی اثرات کی بدولت سارا قالب انسانی نشہ مسرت سے سرشار ہو کر بے اختیار جھومنے لگتا ہے۔ یہی وہ سحر شاعری ہے جس تک رسائی حاصل ہونے کی دنیا کے بہترین شعرا کی ہمیشہ سے ہوس رہی ہے لیکن یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ آج اس بارے میں دنیا کا بڑے سے بڑا شاعر بھی ٹیکور جی کی ہسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے۔

ربینہ رناتھ ٹیگور کا جنم بنگال کے ایک قدیم مغز اور دولتمند گھرانے میں ہوا تھا، اُن کا سنہ ولادت ۱۸۶۱ء عیسوی ہے اور مقام ولادت کلکتہ۔ اُن کے والد ماجد دیو نیر رناتھ ٹیگور برہمن سماج کے مقتدر لیڈر تھے۔ اُن کے روحانی کمال کا یہ عالم تھا کہ لوگ انھیں مہرشی کے مقدس لقب سے یاد کرتے تھے، اُن کی والدہ میں بھی وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک بہترین ہندوستانی خاتون کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس طرح ٹیگور کو خوش قسمتی سے بہت سی پاکیزہ خصلتیں اور روحانی برکتیں اپنے والدین سے ورثہ میں ملی ہیں، مگر قدرت نے اُن کو اپنے ماں باپ کے فیضانِ صحبت سے کما حقہ مستفید ہونے کا زیادہ موقع نہیں دیا۔ ربینہ رناتھ ٹیگور ابھی بہت ہی کم سن تھے کہ اُن کی والدہ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اُدھر اُن کے والد کی مذہبی مصروفیتیں مانع ملاقات ہو رہی تھیں چار و ناچار ٹیگور کا بچپن زیادہ تر مکان ہی کی چار دیواری کے اندر یا تو ایک کمرہ میں گزرا یا تو کڑوں چاکروں میں۔ غرض ان مجبوروں سے وہ تنہائی پسند ہو گئے، مگر تنہائی میں بھی وہ بیرونی دنیا کی گونا گونیوں کے متعلق برابر خیال کرتے رہتے تھے جس کی بدولت انھیں بار بار یہ خیال آنے لگا کہ کوئی بہت ہی عزیز دوست غالباً نہ طور پر ہر وقت اُن کے پاس موجود رہتا ہے۔ انھیں خیالات میں ہلکواس شاعرِ اعظم کے تخیل کی پیمائش کا سراغ ملتا ہے۔ انھیں کی بدولت ہم اُن قدرتی مایہ سے روشناس ہوتے ہیں جو صانعِ قدرت کی موجودگی کا اظہار کرتے ہوئے بالآخر اُس تک رسائی حاصل کرتے ہیں زینے کا کام دیتے ہیں۔

جب ٹیگور پیدا ہوئے اُس وقت بنگال میں دو انقلاباتِ عظیم رونما ہو رہے تھے جنھوں نے آگے چلکر وہاں کی مذہبی اور ادبی زندگی میں ایک نئی روح پھونک دی پہلے کے بانی راجہ رام موہن رائے اور دوسرے کے پیشوا بنکیم چندر چٹرجی تھے۔ ایک برہمن سماج کے ذریعہ مذہب کو زیادہ سے زیادہ قابل قبول شکل دیتے ہوئے مذہبی رواداری اور انسانی مساوات کے لئے کوشاں تھا اور دوسرا اپنے ادبی کارناموں کے ذریعہ جملہ زبان میں جدت و ترقی کے دور کی بنیاد ڈال رہا تھا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا انقلاب بھی تھا جو ملکی اور دنیوی نقطہ خیال سے نہایت اہم تھا اور جس کا تعلق ہندوستان کی فنِ مصوری سے تھا جو اپنی فطری اور روحانی سادگیوں سے مغربی مصوری کی مادی اور مصنوعی رنگینیوں کو بے رونق اور ناپسندیدہ بنانے پر تلا ہوا تھا۔ ان تینوں تحریکوں میں ٹیگور کے گھرانے والوں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ بہر حال جس انقلابی ماحول میں ہونہار شاعر کا جنم ہوا تھا اس سے اس کا دل متاثر بھی ضرور ہوا، مگر ٹیگور کی زندگی پر یہ اثر خالص شاعرانہ طریقہ پر نظر آ رہا ہے، اسی کی بدولت اس کے تخیل میں روحانیت، طرزِ تحریر میں جدت اور کلام میں ندرت آفرینی کا عنصر غالب آ گیا۔

ٹیگور نے ابتداءً اس وقت کے رواج کے مطابق ایک پانچ سالہ لڑکے کی طرح شروع کیا، مگر وہاں کی پابندیاں اور استاد کی سخت گیریاں اُن کے آزادی پسند اور نازک دل پر گراں بار ہوئیں اور سب سے زیادہ یہ بات تھی کہ ان کا دل ایسی تعلیم میں کسی طرح نہ لگ سکتا تھا جو انھیں چاروں طرف کی دنیا سے سرد مہری کے ساتھ الگ رکھتی تھی۔ غرض جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں، انھوں نے تیر سال ہی کی عمر میں اُس تعلیم سے نجات حاصل کر لی جو انھیں مولیٰ اسباق کی نگہ دیواروں میں مقید رکھنا چاہتی تھی۔ بہرِ نوع انھوں نے کسی اسکول یا کالج میں کبھی نہیں پڑھا اور لطف یہ کہ اس کو وہ اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں، اُن کے والد نے خاتمی تعلیم کے لئے ایک ماسٹر مقرر کر دیا تھا، اس کے علاوہ تیر سال کی عمر میں انھوں نے انگلستان جا کر ایک سال تک وہاں انگریزی علم و ادب کا درس لیا۔ اس سلسلے میں انھیں نامور ادیب و مصنف جان مارلے (بعدہ لارڈ مارلے) صاحب کے سامنے بھی زانوئے ادب نہ کرنے کا موقع ملا۔ پہلے ان کا ارادہ یہ سرسٹری کی سند حاصل کر لیا تھا مگر وہ پورا نہ ہوا۔ حقیقت قدرت تو انھیں ایسا شاندار کام سپرد کرنے جا رہی تھی جس سے اُس کے سارے سر بہتہ منکشف ہو کر لوگوں کو حیرت میں ڈال دیں۔

ٹیگور کے خاندان کے تمام افراد کو موسیقی، مصوری اور شاعری سے گہری دلچسپی تھی، اور ٹیگور کے فطرتی رجحان نے ان کو بھی انھیں فنون لطیفہ کی جانب مائل کر دیا تھا، چنانچہ اُن کا کلام ہر سہ کمالات کا ایک موقع ہے۔ اور شاعری کے علاوہ وہ مصوری اور موسیقی میں بھی کافی دستگاہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کتنی ہی نئے طرز کے گیت بنائے ہیں، اُن کی خوش الحانی کا یہ عالم ہے کہ سامعین اُن کی مادری زبان سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی اُن کا گانا سن کر سرور ہو جاتے ہیں، ان کو بحیثیت فن ناچ سے بھی دلچسپی ہے، اور یہ انھیں کی تلقین کا نتیجہ ہے کہ اب مغرب زنگلی سوسائٹی میں مستورات کے لئے گانا ناچنا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ ٹیگور ڈراموں میں بھی شوق سے پارٹ لیتے ہیں اور اُسے شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے اظہار کا ایک کامیاب سید سمجھتے ہیں۔ تیس سال کی عمر میں ٹیگور کا بیاہ ہو گیا، جس کے بعد اُن کے والد بزرگوار نے انھیں زمینداری کی دیکھ بھال کے کام پر تعینات کیا۔ چنانچہ اس خدمت کی تکمیل کے لئے انھیں دیہات جاتے اور وہاں قیام کرنے کا موقع مل گیا۔ پہلے تو انھیں شہر کی چل پہل سے جدا ہو کر دیہات کی نسبتاً سنی نصفا میں رہنا شاق ہوا، مگر مجبوری معذوری کا معاملہ تھا۔ چند ہی دنوں کے بعد رفتہ رفتہ ان کی طبیعت دیہاتی زندگی سے بہت مانوس ہو گئی، اور بالآخر ایک دن ایسا آیا کہ دیہاتوں اور وہاں کے باشندوں

کی اصلاح کرنا ہی اُن کی زندگی کا ایک خاص مشن بن گیا جس کی تکمیل میں وہ ابھی تک بہترین مہم جو
 ۱۹۱۰ء کے قریب اُن کے پدربزرگوار نے کلکتہ سے تقریباً تسوئیل کی دوری پر شانتی نکیتن
 آشرم کی تعمیر کرائی۔ اس میں کچھ لڑکے بھی آکر پڑھنے لگے، رفتہ رفتہ طلباء کی تعداد بڑھتی گئی جس سے آخر کار
 ٹیگور کو اس آشرم کو اسکول کی صورت میں منتقل کرنا پڑا، اُن کو اس کام سے بید دلچسپی بھی ہو گئی اور اسے
 اپنے مجوزہ اصلاحات کا ایک بڑا ذریعہ سمجھنے لگے۔ وہ شروع ہی سے ایسے قدرتی طریقہ تعلیم کے دلدادہ تھے
 جس کے مطابق لڑکے اسی شوق اور آزادی کے ساتھ پڑھ سکیں جس طرح وہ کھیلتے ہیں۔ وہ ابھی اپنے لڑکوں
 کی واردات قلب کو بھولے نہیں ہیں، اس لئے وہ اب تعلیم کو معلم کی شخصیت کے ارتقا کا ایک مکمل ذریعہ
 بنادینا چاہتے ہیں۔ مگر اس کے واسطے ضرورت تھی کہ وہ خود نمونہ کے طور پر ایک درس گاہ قائم کریں مگر اس کے
 لئے سرمایہ درکار تھا اس کے لئے ٹیگور کو ابتدا میں اپنی کتب کا کافی راسٹ فروخت کرنے کے علاوہ اپنی اہل
 محترمہ کا زور بھی فروخت کرنا پڑا، طلباء کو بھی انھیں خود پڑھانا پڑا، مگر اُن کی دلی لگن کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی چھوٹا
 اسکول ترقی کرتے کرتے ۱۹۲۱ء میں بشو بھارتی نام کا دارالعلوم بن گیا۔ اب وہاں ادبی تعلیم کے ساتھ
 مصوری، موسیقی، زراعت، صنعت و حرفت کے سیکھنے کا پورا انتظام ہے۔ اور ان سب شعبوں کے لئے
 مختلف اسکول ہیں، اس کے علاوہ چند اور شعبے بھی ہیں جن میں دیہاتوں کی تنظیم، حفظانِ صحت و صفائی
 وغیرہ کے متعلق ضروری تحقیقات و بندوبست ہوتا رہتا ہے تاکہ عام تعلیم کی اشاعت کی غرض سے حسب
 ضرورت اسکول بھی کھولے جاسکیں۔ دیہاتوں میں زرعتی نمائشیں بھی کی جاتی ہیں اور بچوں کو بنائی
 جلد سازی اور لکڑی و چمچہ وغیرہ کے کام سکھائے جاتے ہیں۔ دارالعلوم میں ایک عالی شان کتب خانہ
 بھی ہے جس میں تقریباً ہر زبان کی بہترین کتابیں موجود ہیں ایک مطبع بھی ہے۔ اسکول کے لئے ضروری عمال
 ہوتے ہوئے بھی طلباء کو درنتوں کے نیچے زمین کے قدرتی فرش پر بٹھا کر پڑھایا جاتا ہے۔ پڑھانے والے
 میں امریکہ، انگلستان، جرمنی، اٹلی وغیرہ کے علما اور پڑھنے والوں میں مغربی ممالک کے طلباء بھی ہیں
 ٹیگور نے بشو بھارتی کو اسم باسمنی بنانے کی پوری کوشش کی ہے۔ شانتی نکیتن میں رنگ، نسل
 یا مذہب کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا ہے اور طلباء کے فطری رجحان کے مطابق زبان اور پیشہ کی تعلیم دی
 جاتی ہے۔ ہندوستان کے سبھی خاص خاص فرقوں کے تمدنی، معاشرتی اور مذہبی خصوصیات کے متعلق
 واقفیت پیدا کرادی جاتی ہے۔ اور لوگوں کو باہر سے بھی مدعو کیا جاتا ہے۔ ٹیگور محبت کی ہمہ گیریت کے
 حامی ہیں اور بشو بھارتی کے ذریعہ وہ اپنے پیامِ محبت کی تمام دنیا میں اشاعت کر رہے ہیں۔
 ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کے لئے نکتے وسیع عملی تجربہ اور شاہدہ کی ضرورت ہے۔ اسی لئے ٹیگور

نے کئی بار تمام دنیا کے خاص خاص ممالک کا سفر کیا، جس سے انگلستان، فرانس، جرمنی، اٹلی، امریکا، چین، جاپان، ملابار کے باشندوں کو بھی اُن کی درویشانہ شخصیت سے متاثر ہونے کا موقع ملا۔ اس سیر و سفر کی بدولت نہ صرف اُن کی معلومات میں اضافہ ہوا نہ صرف انکو انسانی فطرت کی گونا گونیوں اور مناظر قدرت کی بوقلمونیوں پر گہری نظر ڈالنا نصیب ہوا بلکہ انھوں نے دنیا کے کانوں کو اس پیغام سے بھی آشنا کر دیا جسے وہ بھارت کا خاص پیغام سمجھتے ہیں اور جس میں وہ روحانیت مضمر ہے جس کی بدولت ان کو یقین ہے کہ دنیا کی حالت بہتر بن سکتی ہے اپنی بعض تقریریں جو انھوں نے ممالک غیر میں ارشاد فرمائیں انکی سادہ سن نامی کتاب میں شائع بھی ہو چکی ہیں۔

اس روحانیت کو اُن کی ذات میں کیسے فروغ ہوا؟ ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ کس ماحول میں پیدا ہوئے تھے، وہ ابتدا ہی سے مناظر قدرت کے شیدائی تھے۔ دن میں نیلا آسمان، چمکتا ہوا سورج، رنگ رنگ کے بادل اور رات میں نکھرا ہوا چاند، ٹٹماتے ہوئے ستارے، برق و باران کا سیاہ سفید منظر، غرض سبھی اُن کی طفلانہ توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا کرتے تھے۔ ان کو دیکھتے دیکھتے اکثر ہمارے ننھے شاعر پر بخود ہی کا عالم طاری ہو جاتا تھا، اُس کا دل محبت و روحانیت کے جذبات سے متحرک رہتا تھا اور وہ اسی کوشش میں رہتا تھا کہ کسی طرح اپنی چھوٹی سی ہستی کو قدرت کے اُن دلفریب مظاہر میں جذب کر دے جو اُس کے لئے بمنزلہ عجائبات تھے۔ بارہ سال کا بچہ ٹیگور اکثر اپنے والد کی الماری سے ویشنو بھون کی کتاب نکال کر پڑھتا اور محفوظ ہوتا تھا، آخر سرہ اٹھا رہا سال کی عمر میں ٹیگور نے خود نظمیں کہنا بھی شروع کر دیا جن سے عموماً اُس عالمگیر محبت کا انکشاف ہوتا تھا جسے روحانیت کی پہلی منزل سمجھنا چاہیئے۔ پندرہ سال کی عمر میں اُنھیں کچھ ایسے صدمات پے در پے لاحق ہوئے جنھوں نے تیزی کے ساتھ انھیں اس منزل سے بہت آگے بڑھا دیا۔ یہ صدمات اُن کی اہلیہ محترمہ، اُن کی لڑکی اور اُن کے لڑکے کی موت تھی جن کے سبب اُن کی طبیعت ایک دم روحانیت کی جانب مائل ہو گئی اور اُن کا کلام اُسی اعلیٰ جذبہ کی خوبیوں سے معمور نظر آنے لگا۔ ہر حالت میں صابر و شاکر رہنے والے شاعر نے اُس وقت اپنے دوست مسٹر اینڈریوز سے یہ کہا تھا: ”میرے موتیں مجھے گویا ایشوری بردان (ذاتی برکت) معلوم ہوئیں اور میں نے سمجھ لیا کہ اب میری زندگی کی تکمیل ہو گئی ہے۔“ ٹیگور کے بعد والے کلام کو اسی تکمیل کا ایک نادر نمونہ کہنا بیجا نہ ہوگا جس کا جزوی رنگ اُن کی ”گیتا نخلی“ میں نمایاں ہے جسے انھوں نے ۱۹۱۲ء میں ولایت جا کر تیار کیا تھا۔ یہ کتاب ان کی بعض بنگالی نظموں کا انگریزی ترجمہ ہے جو ان کی بنگلہ گیتا نخلی اور دیگر کتب سے منتخب کی گئی ہیں۔ اگرچہ ترجمہ میں اصل کا لطف باقی نہیں رہتا پھر بھی اس نے یورپ کے علم دوست اور سخن فہم حضرات کو اس درجہ متاثر کیا کہ دوسرے ہی سال ۱۹۱۳ء

میں ٹیکور کو اسی کتاب کی بدولت سوا لاکھ کانوبل انعام ملا، جسے انھوں نے اپنی شاعرانہ بے نیازی اور فراخ دلی سے شانتی نکیتن کے حوالہ کر دیا۔ اس انعام سے نہ صرف اُن کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی بلکہ اُن کی حیثیت بھی بین الاقوامی حیثیت خیال کی جلنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی گیتا نجی نے دیہا شاعری میں ایک ایسی اعلیٰ شاہراہ قائم کر دی جس پر چلنا زمانہ آئندہ کے شعرا اپنا متبرک فرض خیال کریں گے۔ اور اس طرح اُس دور روحانیت کے وجود میں لانے میں معین ہونگے جسے قدرت کسی نہ کسی روز دنیا میں لا کر رہے گی۔

گیتا نجی کے علاوہ نظم اور شریں ٹیکور نے مختلف موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ وہ اس قدر سن رسیدہ ہونے پر اب بھی برابر لکھتے جا رہے ہیں۔ پیرانہ سالی نے اگر اُن کے دماغ پر کوئی اثر ڈالا ہے تو یہی کہ اس میں اور زیادہ پختگی آگئی ہے۔ علم ادب کے علاوہ ناٹھ، ناول لکھنا، گیت، متفرق مضامین، سبھی کے متعلق اُن کی کتابیں کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اب تک وہ کئی ماہوار رسالوں کے کامیاب ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ مختصر یہ کہ اُن کی ذات فطری اور علمی محاسن کا ایک نادر و نایاب مجموعہ ہے۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے محض اپنی ذاتی مساعی کی بدولت اس قدر اخلاقی عظمت اور علمی ترقی حاصل کی اور پھر اُس ترقی کو کتنے علمی کاموں کے لئے وقف کیا تو ہم خیریت سے انگشت بند نہ ہو جاتے ہیں۔ اپنے مطالعہ کو انھیں وسیع بنانے کا کس قدر شوق ہے، اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے جرمنی کی ایک مشہور خاتون سے چند ماہ محنت شاقہ کر کے جرمن زبان بھی سیکھی تاکہ جرمنی کے زندہ جاوید شاعر گیلے کی مشہور و معروف تصنیف فاسٹ کا خاص اُس کی زبان میں مطالعہ کر سکیں۔ مگر ان سارے کمالات کے باوجود وہ اول اور آخر شاعر اور صرف شاعر ہیں۔ انھوں نے حال میں اپنی سترویں سالگرہ کے جشن میں خیر مقدمی ایڈریس کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "نکیتن میں فرمایا تھا کہ کچھ لوگ مجھے فلاسفر سمجھتے ہیں اور کچھ لیڈر، کچھ لوگ مجھے تعلیمی مشنری خیال کرتے ہیں اور کچھ مجھے باہر سیاسیات۔ مگر میں ان میں سے ایک بھی نہیں ہوں، میں تو صرف ایک بانس کی پوری (بانسری) ہوں۔ جسکے ذریعہ کبھی کبھی میرا خالق اپنا ترانہ سنا دیا کرتا ہے۔"

ٹیکور کو سیاسیات سے کوئی عملی دلچسپی نہیں، اگرچہ وہ آزادی کو اپنے بچپن ہی سے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں، مگر اس کے ساتھ ہی وہ جس آزادی کو قابل قبول و حصول خیال کرتے ہیں اُس کا لگاؤ محض جسم انسانی سے نہیں۔ وہ خارجی رسم و رواج اور بیرونی پابندیوں و ظاہر داریوں سے آزادی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اُس آزادی کے موذی جس کا تعلق انسان کی روح سے ہے اور جو کفار

دائیں کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ بہر حال اُن کا سیاسیات سے علحدہ رہنا اُن کی حب الوطنی کو مستحکم نہیں بنا سکتا، کیونکہ وطن کی محبت اُن کے شاعرانہ دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ بہر حال جس کام کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے اُس کے پورے کرنے میں وہ تن من و حن سے لگے ہوئے ہیں۔ تاہم ملک کے اہم واقعات و حادثات سے موقع بہ موقع متاثر ہوتے رہتے ہیں مثلاً جلیانوالہ باغ کے واقعہ سے متاثر ہو کر انھوں نے گورنمنٹ کو اپنا سر کا خطاب واپس کر دیا تھا۔ اپنی اسی سالگرہ کی تقریب کے موقع پر انھوں نے یہ فرمایا کہ ”سوراج نہ محض جھنڈا اڑانے اور نہ مقررہ مقدار میں موت کا حق سے مل سکے گا، ملک کے لئے ٹھوس کام اور ہونٹوں کی واقعی خدمت کرنے سے آپ بینک اسے حاصل کر لیں گے۔“ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ٹیگور اسی خدمت اور اسی مشن کو انجام دے رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی کی طرح ٹیگور کو بھی اہنسنا (عدم تشدد یا محبت) پر کامل اعتقاد ہے۔ اور بشو بھارتی کے تعلق پر وگرام میں اہنسنا پر خاص طور سے زور دیا جاتا ہے، اور طلباء کو بنی نوع انسان کے ساتھ محبت اور رواداری برتنے کی عملی تعلیم دی جاتی ہے۔

اُن کی صورت و شباهت اور تندرستی بھی اتنی ہی عمدہ و مؤثر ہے جتنی کہ ایک باقاعدہ اور باریا صحت زندگی بسر کر نیا لے بزرگ کی ہونی چاہیئے۔ چند سال ہوئے کہ کلکتہ کے مشہور انگریزی رسالہ ماڈرن ریلو کے نامور اڈیٹر شریجیت رامانند چٹرجی کو کچھ عرصہ کے لئے ٹیگور کے شائستگی میں قریب رہنے کا اتفاق ہوا تھا، اس کے متعلق صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ ”اُس وقت اُن کی زندگی سخت محنت اور ہفا کشی کی زندگی تھی، وہ صبح تک بے لوجا پاٹ سے فارغ ہو کر اپنے کام میں لگ جاتے تھے اور دوپہر میں ذرا بھی آرام کئے بغیر کافی رات گئے تک کام کرتے رہتے تھے۔ شائستگی میں سخت گرمی میں بھیمان کو پنکھا بھٹلنے یا جھلانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اس طرح دن رات کی مصروفیت میں اگر کوئی وقفہ ہوتا تھا تو صرف اُن چند گھنٹوں کا جو نہانے، کھانے اور سونے میں لگ جاتے تھے۔“ آگے چلکر اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ”ضعیف العمری کے سبب اُن کے اطوار سابقہ میں تغیر ہو جانا ممکن ہے مگر اس وقت تو وہ کتنے ہی نوجوانوں سے زیادہ کام کرتے ہیں۔“ دراصل اسی کام کرنے کی لگن میں اُن کی درازی عمر کا راز مستور ہے۔

ٹیگور بقول خود ”شاعرانہ مذہب“ کے پابند و پیرو ہیں۔ اس کی جامعیت کے بارہ میں صرف یہی کہنا کافی ہے کہ اس کا پیرو ہونا بڑے بڑے شاعروں کو بھی نصیب نہیں ہے۔ ٹیگور کی عملی زندگی سے ان کے اس قول کی تصدیق ہو رہی ہے۔ وہ ”کرم فلاسفی“ کے قائل ہیں، وہ دنیا اور دنیا کے کاموں

سے الگ رہتے ہوئے نجات کے طالب نہیں ہیں، بلکہ دنیا میں رہ کر دنیا والوں کو اپنی بے غرضانہ خدمات سے مستفید بنانا نجات کا بہتر وسیلہ خیال کرتے ہیں۔ خدا اُن کے اس ارادہ میں برکت دے اور اُسے پورا کرنے کے لئے انھیں زیادہ سے زیادہ موقع عطا کرے، یہی ہماری دعا ہے۔

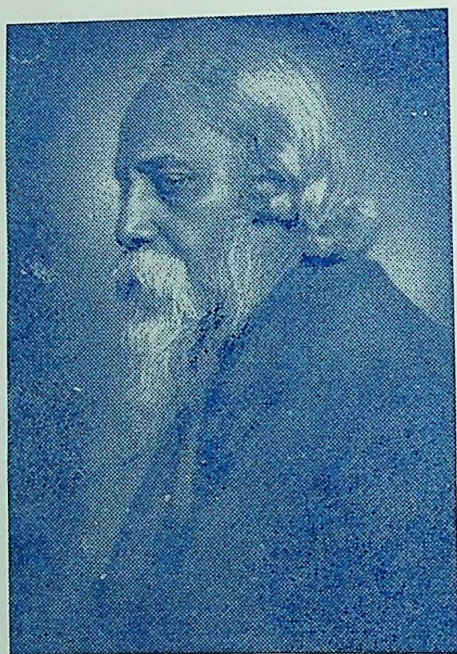


ٹیگور نے اپنی ایک شہرہ آفاق نظم میں اپنی مشہور درس گاہ کا اس کے قیام سے پہلے اس طرح خاکہ کھینچا تھا :-

”ہماری درس گاہ شہر کے شور و غل سے بالکل الگ تھلگ ہوگی، وہ کھلے میدان میں درختوں کے سایہ میں قائم کی جائیگی، اساتذہ اور طلباء اس اور غموشی کی فضا میں درس و تدریس کے کام میں مشغول رہیں گے۔ اس درس گاہ کے متعلق بہت سے باغات اور کھیت بھی ہوں گے اور درس گاہ کے طلباء زراعت کے مختلف کاموں میں مصروف ہوں گے۔ وہ مویشیوں کی داشت کریں گے اور اپنے ہاتھ سے گائوں اور بھینسوں کا دودھ دوہیں گے، اپنی فرصت کے اوقات میں وہ زمین کھودیں گے اپنے ہاتھ سے پورے لگائیں گے اور اُن کی آب پاشی کریں گے۔ سایہ دار درختوں کے نیچے طلباء کو تعلیم دی جائے گی، اور وہ اپنے اساتذہ کے ہمراہ ہرے بھرے کھیتوں میں چکر لگائیں گے اور اس طور پر قدرتی مناظر سے اُن کے ذہن خیالی بلکہ علمی تعلقات قائم کئے جائیں گے۔“

اس کے کئی سال بعد ڈاکٹر ٹیگور کو ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے کلکتہ سے شمال مغرب میں ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر ریلوے اسٹیشن بول پور کے قریب ایک وسیع قطعہ زمین ملیا جو زمانہ گزشتہ میں ایک ویران اور سنسان مقام تھا لیکن اب ساٹھ سال کے دوران میں یہ ایک زرخیز جگہ بن گئی ہے جس میں چاروں طرف املہاتے ہوئے سبزہ زار، ہرے بھرے کھیت، باغات اور چھلوریاں ہیں اور گزشتہ تین سال سے اُسی پر نضا مقام پر ہندوستان کے ہر گوشہ سے طلباء آتے ہیں اور ہر قسم کی تعلیم سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اور اسی مقام پر درس و تدریس کا سودمند کام مسلسل جاری ہے۔

Sri Pratap Singh
Public Library
Srinagar.

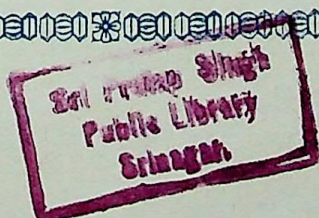


ڈاکٹر ربیندر ناتھ تگور

حافظ الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب مریم دہلی



حافظ الملک حکیم محمد اجمل خان صاحب مرحوم



مولانا رومی کا نظریہ ارتقا

از جناب سید حسن ربی، بی۔ اے، ایل ایل بی (ملک)

ایک زمانہ تھا کہ مشرق بھی دل و دماغ اور فکر و غور کی قوت رکھتا تھا، مثال کے طور پر مولانا جلال الدین رومی (متوفی ۷۶۰ھ - ۸۰۸ھ) کو پیش کیا جاسکتا ہے جو ایک بہترین صاحب فکر تھے۔ اور جن کی ثنوی انکار عالیہ سے بھری پڑی ہے اور عظمت کے لحاظ سے ”پہلوی قرآن“ کہلاتی ہے۔ انسان کیا ہے؟ کیسے وجود میں آیا؟ اور کیوں وجود میں آیا؟ (ان دشوار سوالوں پر مولانا رومی نے غور کیا، اور ان کے جواب اپنی ثنوی میں دیے ہیں جن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے بلند نظر حکیم تھے۔ حکمائے حال کی طرح مولانا بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ انسان کا بطور بطریق ارتقا ہوا ہے، یعنی وہ زمانہ دراز تک حیوانی بنائی اور جادی درجوں میں ہو کر گزرا ہے۔

آمدہ اول با تسلیم حباد	از جمادی و زبائی اوفتاد
سالما اندر بنائی عمر کرد	وز جمادی یا د نارد از نبرد
وز بنائی چوں بہ حیواں اوفتاد	ماندش حال بنائی بیج یاد
جز بہاں میسل کہ دارد سوسے آں	خاصہ در وقت ہر غمیراں
ہم چنین اقلیم تا تسلیم رفت	تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

(اول انسان جمادات کی اقلیم میں آیا پھر جمادات سے نباتات میں آیا، سالما اس اقلیم میں گزار دیے اور اپنی جمادی حالت بھول گیا۔ پھر جب نباتات سے حیوانات کی اقلیم میں آیا تو اسے حالت بنائی کا کوئی خیال نہیں رہا، پھر اس کے کہ فصل ہباریں وہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے، اس طرح وہ اقلیم باقلیم گزرتا ہوا اب عاقل و دانا و توانا ہو گیا ہے۔)

مولانا نے یہ خیال بھی پیش کیا ہے کہ انسان کا ارتقا بھی ختم نہیں ہوا، اور اُسے ابھی اور بلند درجے طے کرنے باقی ہیں۔ اس تصور میں ہمارے زمانے کے بہترین اہل خیال بھی اُنسے آگے نہیں جاسکتے

عقل ہمارے اولینش یاد نیست ہم ازین عقلش تحول کر نیست
تاریک درین عقل پر حرص و طلب مدد ہزاراں عقل ہند بوالعجب
گرچہ پختہ گشت ناسی شد ز پیش کے گذر اندیش درالسیان خویش
باز ازال خوالیش بہ بیداری کشند کہ کند برحالت خود ریشخند

(انسان کو اپنی ابتدائی عقلیں یاد نہیں ہیں، اور ہر عقل بھی بدل جائیگی۔ اس عقل پر حرص و طلب سے آزاد ہو کر وہ لاکھوں عجیب عقلیں دیکھے گا، اگرچہ آدمی سوتا رہا اور اپنی پہلی حالت کو بھولا ہوا ہے لیکن اسے اس خود فراموشی کی حالت میں کب تک چھوڑا جائیگا؟ پھر سوئے سے جگا یا جائیگا اور وہ اپنے حالات پر ہنسے گا۔)

مستقبل کے اس امید افزا منظر میں مولانا نے ایک ایسا تصوّر پیش کیا ہے جیسا کہ انسان ذاتی خود غرضی سے آزاد ہو کر ترقی کے میدانوں میں آگے بڑھتا چلا جائیگا۔

(۳)

یہ ارتقائے انسانی کا صاف صاف بیان ہے جو مشرق کے اس بزرگ مفکر نے اب سے چھ سات سو برس پہلے دنیا میں پیش کیا تھا اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ارتقا کا خیال مشرق کے لئے نیا ہے یا مشرق کی مذہبی ذہنیت پر بارگزر سکتا ہے۔

اُنیسویں صدی کے مادہ دوست مفکرین عام طور سے اس کے منکر تھے کہ ارتقا کی کوئی غرض و غایت ہے، لیکن بعد کے بعض بہترین مفکرین ہم آہنگ ہیں کہ ارتقا کا ایک منشا ظاہر ہوتا ہے ورنہ اس کے کیا معنی ہیں کہ انسان جو اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے بہترین مخلوقات ثابت ہوتا ہے سب سے آخر میں ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا رومی کا خیال ہے کہ ابتدا ہی سے یہ منشا پیش نظر تھا اور نقش اول نقش ثانی کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔

نقش ظاہر بہر نقش غایب است وال برے غایب دیگر بیست
ہجو باز پہائے شطرنج اے پسر فائدہ مرعبت در ثانی نگر
لے نہادہ بہراں لعبت نہاں وال برے آل واک بہر فلاں
ادل از بہر دوم باشد چہاں کہ شدن بر پائے نردباں

(موجودہ نقش آنے والے نقش کے لئے ہے، اور وہ دوسرے غیر موجود نقش کے لئے جس طرح کہ

خطر کی بازی کے پہلے داؤ کا فائدہ دوسرے داؤ میں ہوتا ہے یعنی اس کھیل میں یہ داؤ اُس داؤ کے لئے اور وہ داؤ دوسرے کے لئے چھپایا گیا ہے، جیسے کہ سیرھیوں کے ڈنڈوں پر چڑھتے ہیں۔
ارتقا کی غرض و غایت کیا تھی؟ اس کا جواب خود ارتقا کی تاریخ میں لکھا ہوا ہے۔
تو ازاں روزے کہ در بہست آمدی آتشی یا خاک یا بادی بدی
گر بدال حالت ترا بودے بقا کے رسیدی مر ترا ایں ارتقا
کس دن تو وجود میں آیا تو محض ایک آگ خاک اور باد کا مجموعہ تھا، اگر تو اس حالت میں ٹھیرا رہتا
تو تجھے ارتقا کیونکر نصیب ہوتا۔

ارمیدل ہستی اول نہاند ہستی دیگر بجائے اول نہاند
ہمچنین تا صد ہزاراں ہستہا بعد یک دیگر دوم از ابتدا
اگر تبدیل کرنے والے نے پہلی ہستی نہیں چھوڑی تو اُس کی جگہ دوسری ہستی بخشی، اس طرح لاکھوں
ہستیاں یکے بعد دیگرے پہلے سے بہتر بنشتا چلا گیا۔
(۳)

اس زندگی کا مال کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ اور کس لئے ہے؟

ان سوالات کا جواب بھی سنئے۔

جاں چہ باشد با خبر از خبر و مشر شاد از احسان و گریاں از ضرر
چوں سرو ماہیت جاں مخبر است ہر کہ او آگاہ تر با جاں تر است
اقتضائے جاں چو ایدل آگہیت ہر کہ آگہ تر بود جانیش قوی است
روح را تاثیر آگاہی بود ہر کہ را ایں بیشش الہی بود
جاں نباشد جز خبر در آزمون پس کرا افزوں خبر جانیش فزون
جان ما از جان حیوان بیشتر از چہ رو؟ زال کو فزون مرد خبر

اجان کیا ہے؟ ایک ایسی چیز جو نیک و بد سے باخبر ہے، احسان سے خوش اور نقصان سے ناراض
ہے چونکہ جان کی ماہیت خبرداری ہے اس لئے جو زیادہ باخبر ہے وہ زیادہ بہتر جان رکھتا ہے۔ لے
دل چونکہ اقتضائے جان آگاہی ہے اس لئے جو زیادہ آگاہ ہے اُس کی جان زیادہ قوی ہے۔
روح کی قوت خبرداری ہے جس میں یہ قوت زیادہ ہے، وہی خدا سے زیادہ قریب ہے، آزما دیکھو۔
جان صرف خبر کے لئے جسے زیادہ خبر ہے اُسی کی جان بھی زیادہ ہے۔ ہماری جان حیوان سے کیوں

برتر ہے؟ اسی لئے کہ وہ اس سے زیادہ باخبر ہے۔

لیکن اگر تم اس روح کی حقیقت دریافت کرو تو وہ کسی کو معلوم نہیں، وہ گویا ایک پرندہ جو ہوا میں اڑتا ہے لیکن زمین پر صرف سایہ دکھائی دیتا ہے، جسم سایہ کے بھی سایہ کا سایہ ہے۔ روح خدا کے حکم کی طرح مخفی ہے۔ جو مثال بھی دی جائے وہ اس کی نفی ہے۔

درہوایے غیب مغمی می پرد سایہ او بر زمیں می گسترد

جسم سایہ سایہ دل است جسم کے اندر خور پایہ دل است

روح کن عجول امر بنی مخفی است ہر مثالے کہ گویم منتفی است

البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس عالم مادی سے باہر ہے۔

حاش لشہر تو برونی زین جہاں ہم بوقت زندگی ہم بعد آں

(واللہ تو اس جہان سے باہر ہے، زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی)

ہمارے زمانہ کا بڑے سے بڑا مفکر بھی اس سرعظیم کے سامنے پیر رومی کی طرح حیران نظر آتا ہے اور اسکی حقیقت کے بیان سے عاجز ہے۔

(۴)

عمل ارتقا کیونکر وقوع میں آیا؟

انیسویں صدی اور مابعد کے مفکرین نے انتخاب طبعی اور توریت کے قوانین دریافت کر کے انھیں ارتقا کا موجب قرار دیا ہے۔ لیکن ارتقا کے جو اسباب بھی اب تک دریافت ہوئے ہیں وہ اُس کی توضیح کے لئے پورے نہیں اُترتے۔ اصلی دشواری تغیر و تبدل کے قوانین کا معلوم کرنا اور نفس انسانی کے ظہور میں آنے کے اسباب کا دریافت کرنا ہے۔ یعنی ان سوالوں کا اطمینان بخش جواب ڈھونڈنا کہ انواع کیونکر بدل جاتے ہیں، اور انسان کی دماغی قوتیں کیونکر پیدا ہو گئیں۔

مولانا رومی نے ان سوالوں کے جواب میں طبعی نظریے پیش نہیں کیئے البتہ اُسے خالق کی جو بہت سے نیست کرتا رہتا ہے

ہستی اندر نیستی بتوال نمود

قدرت سے منسوب کر کے چھوڑ دیا ہے۔

ہست را بنمود بر شکل عدم
اسب در جلال و ناپید اسوار

نیست را بنمود ہست آں محترم
دست پنهان و قلم میں خط گزار

اُس بزرگ و برتر ہستی نے نیست کو بہت کیا، اور شکل غیر موجود سے ہستی موجود بنائی۔ ہاتھ چھپا ہوا ہے اور قلم حروف لکھتا دکھائی دیتا ہے۔ گھوڑا دوڑ رہا ہے اور سوار ناپید ہے۔
 باوجود بہت سی طبیعی توضیحات کے جب عقل سرا سیمہ ہو کر رہ جاتی ہے تو کائنات کے تمام عقدہ ہائے سربستہ کی طرح ارتقاء بشری کا بھی یہی اخیر حل نظر آتا ہے اور مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ایک پوشیدہ ہاتھ پردہ کے پیچھے کام کرتا رہا ہے۔

خوش نصیبی

انسان اُس وقت خوش نصیب ہے جبکہ وہ اپنی خوش نصیبی کو پہچان لے۔
 قلبی راحت کے برابر کوئی خوش نصیبی نہیں۔
 حقیقی خوش نصیبی تفصیلت علم ہے۔
 صرف ایک خوش نصیبی ہے اور وہ ادا کے فرض ہے۔
 بہترین خوش نصیبی دوسروں کی امداد کرنا ہے۔
 اگر تم خوش نصیب بننا چاہتے ہو تو دوسروں کی خوش نصیبی کے لئے کوشش کرو۔ کیونکہ وہ خوشی جو ہم دوسروں کو پہنچاتے ہیں ہمارے دل کی طرف پلٹ آتی ہے۔
 ہر ایک شخص اُس خوش نصیبی کا مالک ہوتا ہے جسے وہ سمجھ سکتا ہے۔
 روسے زمین پر ایک پاک اور زندہ جاوید عشق سے بلند تر کوئی خوش نصیبی متصور نہیں۔
 خوش نصیب صرف وہ ہے جو کسی سے محبت کرتا ہے۔
 خوش نصیبی یہ ہے کہ انسان دنیا کو اس طور سے دیکھے جس وجہ سے اس کی آرزو ہے۔
 خوش نصیبی یہ ہے کہ انسان چھوٹی سی چھوٹی نعمت پر شکر کرے اور بڑی سے بڑی قربانی سے نگہ لائے۔
 سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ انسان ایک مستقل ارادہ کے ساتھ فیضیت کے مطابق زندگی بسر کرے۔
 دوسرے کے آئینوں کو مستر بھری نگاہوں میں تبدیل کر دینا بہترین خوش نصیبی ہے۔

مسح الملک کے ساتھ ایک ہفتہ

(از ض۔ ا۔ ب)

دسمبر ۱۹۱۹ء میں مسیح الملک حکیم محمد اجل خاں صاحب مرحوم آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ امرتسر کے صدر تھے۔ ابتدائے دسمبر میں جب مجھے تعطیلات کے زمانہ میں دہلی جاسے کا اتفاق ہوا تو اُس وقت حکیم صاحب نے میرے قدیم دوست بابو سردار بہادر صاحب کی سفارش پر مجھے طلب فرمایا اور اپنے ساتھ ریاست دو جاناہ چلنے کا حکم دیا۔ یہ ریاست دہلی سے کوئی پچاس میل کے فاصلہ پر ہے اور اگرچہ غدر سے پیشتر وہ خاصی بڑی تھی، لیکن اب سمٹ کر بہت چھوٹی رہ گئی ہے۔ حکیم صاحب کے سکریٹری مسٹر زمی بھی جو اچکل اخبار نویس کی تعلیم کے سلسلہ میں امریکہ میں مقیم ہیں، حکیم صاحب کے ہمراہ تھے۔ شفا الملک حکیم رشید احمد خاں صاحب (مبئی) کے بھائی حکیم ذکی احمد صاحب بھی ساتھ تھے، لیکن ان کا کام فقط آل طبی خطوط سے متعلق تھا جو بیرونی دنیا حکیم صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتی تھی۔ الغرض یہ مختصر سا قافلہ بند لیٹر موٹر دو جاناہ روانہ ہوا اجمال سہارا مجموعی قیام آٹھ روز رہا اور اس اثنا میں ہم سب نواب صاحب مرحوم کے یہاں رہے۔ اگر اس امر کا اعتراف نہ کیا جائے تو ناحق شناسی ہوگی کہ نواب صاحب مرحوم نے حکیم صاحب مرحوم اور اُن کے رفقا کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا۔ اسی طرح ریاست کے دیوان خان بہادر بشیر محمد صاحب مرحوم بھی خاص طور سے حکیم صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کے آداب کا خیال رکھتے تھے، اور چونکہ خان بہادر موصوف میرے ہم جماعت اور محترم دوست تھے اس لئے مجھ پر وہ خصوصیت کے ساتھ مہربان تھے۔ اُن کا اخلاص مجھے آج تک یاد ہے۔

حکیم صاحب مرحوم کی ڈاک کا انتظام بہت اچھا تھا۔ انگریزی اور اردو کے اخبارات ہیں روزانہ مل جاتے تھے، میرا کام فقط اتنا تھا کہ میں روزمرہ کی خبروں اور بعض اہم تقاریر یا مضامین کا ترجمہ انہیں سنا دیا کروں۔ چنانچہ علی الصباح ناشتہ کے بعد میں اس خدمت کو انجام دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد حکیم صاحب اپنا ایڈریس لکھنے بیٹھ جاتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ حکیم صاحب کو مضامین کا ترجمہ سننے کی فرصت نہیں ہوئی یا یہ کہ وہ نواب صاحب مرحوم سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے تو وقت کی بجت کے خیال سے

میں قابلِ توجہ مضامین کا خلاصہ اردو میں تیار کر لیتا تھا تاکہ حکیم صاحب جب چاہیں بطور خود ملاحظہ فرمائیں۔
جہاں تک مجھے یاد ہے حکیم صاحب نے اپنا خطبہ صدارت پانچ چھ دن تیار کر لیا تھا۔ ایڈریس میں خصوصیت کے
ساتھ جنرل ڈائر پر نہایت سخت الفاظ میں تنقید کی گئی تھی اور وہ حصہ انہوں نے ہم سب کو سنایا بھی تھا۔

حکیم صاحب کو ہمیشہ سے اس امر کا شوق تھا کہ وہ جس ریاست میں جاتے وہاں کی قدیم یادگار چیرن
دیکھتے۔ پرانی قلمی کتابیں ملاحظہ فرماتے، پڑھتے شاہی فرامین پر نظر ڈالتے اور اہم سرکاری کاغذات کا بھی مطالعہ فرماتے
چنانچہ دو جگہ پہنچنے پر جب انہیں ذرا سکون ملا تو اب صاحب نے جو ان کے مذاق سے کما حقہ واقف تھے ان
ملاحظہ کے لئے ریاست کے گھوڑے پیش کئے۔ یہ گھوڑے خاص نواب صاحب کے مطبل کے تھے اور نہایت

بیش قیمت اور قد آور تھے جنک عظیم میں نواب صاحب مرحوم نے سلطنتِ بطلانیہ کی مقہور و بھراہمداد کی تھی اور
اور سرکاری فوج کے استعمال کے لئے بہت سے نایاب گھوڑے بھی ہم بچھڑائے تھے۔ ایک دو دن کے بعد نواب
صاحب نے حکیم صاحب موصوف کو لارڈ کیننگ آجمنائی کی وہ سند بھی دکھائی جو غدر فرود ہوجانے کے بعد ان کے
بزرگوں کو عطا کی گئی تھی اور جس میں بصلہ و فاداری وعدہ کیا گیا تھا کہ ریاست ابد الابد تک نواب صاحب کے
خاندان میں رہے گی۔ ان دنوں نواب صاحب موصوف خانہ جنگی میں مبتلا تھے اور حکیم صاحب سے انہوں کے ساتھ
فرماتے تھے کہ اب صرف یہ سند میرے پاس رہ گئی ہے، باقی تمام کاغذات دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے ہیں

اسی قبیل کا ایک اور واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جسے خود حکیم صاحب نے دو جگہ کی کسی صحبت میں بیان فرمایا تھا، وہ
فرماتے تھے کہ ”جب میں پہلی دفعہ ریاست ٹیکم گڑھ میں بغرض علاج گیا تو اُس وقت وہاں کے راجہ صاحب نے
نہایت فخر کے ساتھ مجھے وہ تلوار دکھائی جس سے ابو الفضل کو قتل کیا گیا تھا۔ اس قتل کی تفصیل کے سلسلہ میں
فرمایا کہ ابکرن نے شہزادہ سلیم کی سرکشی کی خبر سننے ہی ابو الفضل کو جو دکن کی مہم میں مشغول تھا جلد سے
دارالحکومت میں طلب کیا تاکہ رزم و بزم کا مرد میدان آکر اپنے ناخنِ تدبیر سے اس گتھی کو بھی حل

کر دے۔ چونکہ ابو الفضل سے شہزادہ سلیم کے تعلقات پہلے ہی سے کشیدہ تھے اور وہ خوب سمجھتا تھا کہ دارالخلافہ

میں ایسے قابلِ معتمد کی موجودگی اُس کی ساری خواہشات پر پانی پھیر دیگی، اس لئے اُس نے ٹیکم گڑھ کے
راجہ سے خفیہ ساز باز کر کے وعدہ کیا کہ اگر تم ابو الفضل کو دارالخلافہ پہنچنے سے پہلے ہی قتل کرادو تو تخت

نشین ہونے پر میں تمہیں ”سرآمد راجگان بندھل کھنڈ“ کے شاندار لقب سے سرفراز کر دوں گا۔ چنانچہ ابو الفضل

کو نہایت بے رحمی کے ساتھ عین عالمِ تنہائی میں قتل کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اگر بڑے جب یہ وحشت ناک

نہرُنی توشتِ خُرن میں اُس نے کہا کہ اگر سلیم کو تخت کی ضرورت تھی تو اسے چاہیئے تھا کہ مجھے قتل کر دیتا،

لیکن ابو الفضل کو نہ مارنا بہر حال وہ تاریخی تلوار آج حکیم گڑھ میں محفوظ ہے اور اُسے اس محبت اور فاداری

کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے جو اُس دور کے راجہ کو سلطنت منغلیہ میں تھی۔ اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حکیم صاحب جب ریاستوں میں علاج کے لئے تشریف لے جاتے تھے تو وہ اپنے اوقات کا بہترین استعمال کیا کرتے تھے۔ اس قسم کے قصے وہ بالعموم رات کا کھانا کھانے کے بعد سنایا کرتے تھے جو مرحوم کے غیر معمولی تاریخی ذوق کی زبردست شہادت ہیں۔

دو ہجرت کے زمانہ قیام میں حکیم صاحب سے تفصیلی گفتگو صرف رات ہی کو ہوا کرتی تھی، چنانچہ دس ساڑھے دس بجے تک کا وقت اسی قسم کی دلچسپ گفتگو میں گٹ جاتا تھا۔ کبھی وہ طبیبہ کالج کی تعمیر کے سلسلہ میں لارڈ ہارڈنگ کی مہربانیوں کا ذکر کرتے اور فرماتے کہ علم طب پر لارڈ موصوف کا بہت بڑا احسان ہے اس لئے کہ انھوں نے طبیبہ کالج کو قریل باغ میں اتنی بڑی زمین محض برائے نام قیمت پر دلوادی میں لے جب اس اجمال کی تفصیل و ریاست کی تو آپ سے فرمایا کہ طبیبہ کالج کی زمین کا مسئلہ مدتوں سے چیف کمشنر دہلی کے یہاں زیر غور تھا۔ یہ صاحب فی گز بہت زیادہ قیمت طلب کرتے تھے اور ہم برابر انکار پر انکار کرتے رہتے تھے، اس زمانہ میں دہلی میں لارڈ ہارڈنگ کے اعزاز میں ایک گارڈن پارٹی ہوئی۔ وہاں محفلوں سے ملتے ہوئے لارڈ ہارڈنگ میرے پاس بھی آئے اور باتوں باتوں میں پوچھا کہ زمین کا قصہ طے ہو گیا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ جتنی قیمت طلب کی جا رہی ہے وہ ہماری بساط سے باہر ہے، ہمیں زمین اول تو مفت ملنی چاہیے اور اگر قیمت ہی ملنی ہے تو قیمت برائے نام ہونی چاہیے۔ چنانچہ لارڈ موصوف نے اُسی وقت چیف کمشنر دہلی سے بتا کہ فرمایا کہ اس قضیہ کا فیصلہ جلد سے جلد حکیم صاحب کے منشا کے مطابق کر دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمین کا قصہ جو مدت سے زیر غور تھا نہایت آسانی کے ساتھ طے پا گیا اور جو قیمت طلب کی گئی وہ خود ہم سب کے اندازہ سے بھی کم نکلی۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا بے موقع نہ ہو گا کہ لارڈ ہارڈنگ حکیم صاحب کی غیر معمولی عزت کیا کرتے تھے جو بہت کم ہندوستانیوں کو نصیب ہوئی ہوگی، اور وہ اپنے خاص دوستوں سے حکیم صاحب کا ذکر کرتے وقت ہمیشہ یہ کہہ کرتے تھے کہ حکیم صاحب دہلی کے بے تاج بادشاہ ہیں۔

کبھی کبھی حکیم صاحب اپنی سیاحت انگلستان کے واقعات بھی بیان فرمایا کرتے تھے۔ سب باتیں تو مجھے یاد نہیں البتہ ایک بات ذہن میں محفوظ رہ گئی ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ باوجود حکومت ہند اور صاحب وزیر ہند کی سفارشلوں کے انھیں انگلستان کے متعدد کارخانوں میں دو سازی کے طریقہ نہیں دکھائے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اسے اپنی تجارت کا راز قرار دیتے ہیں اور اس کے بتانے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتے۔ یہ واقعہ ہے کہ حکیم صاحب اپنی سیاحت انگلستان کو کچھ زیادہ کامیاب

نہیں سمجھتے تھے۔ دایہ پر آپ متوطنینہ بھی تشریف لے گئے تھے، وہاں کا ایک واقعہ بھی حکیم صاحب نے سنایا تھا جسے میں ہدیہ ناطرین کرتا ہوں۔ فرماتے تھے کہ جب میں متوطنینہ کے اسٹیشن سے روانہ ہو کر اپنی جائے قیام پر اُتر تو گاڑی والے نے مجھ سے میرے اندازہ سے کہیں زیادہ دام طلب کئے جس پر میں نے کہا کہ یہ کرایہ بہت زیادہ ہے۔ میں نے اتنے ملکوں کی سیر کی ہے لیکن کہیں بھی اس قدر دام طلب نہیں کئے گئے۔ ابھی گاڑی بیان سے گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک ہندوستانی طالب علم وہاں آ نکلا اور یہ سمجھ کر کہ میں ہندوستانی ہوں مجھ سے اُردو میں بات چیت شروع کر دی۔ میں نے اُسے سارا قصہ سنا دیا، اس پر لڑکے نے گاڑی بیان سے (جو ابتدا ہی سے نہایت مہذبانہ گفتگو کر رہا تھا) یہ کہا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ کون صاحب ہیں، یہ بڑکی میں ہم تمام مسلمانوں کے محترم مہمان ہیں اور تمہیں ان سے مناسب کرایہ لینا چاہیئے۔ گاڑی بیان نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو یہ میرے بھی مہمان ہیں اور میں اب ہرگز ہرگز کرایہ قبول نہیں کر سکتا۔ چنانچہ باوجود اصرار کے گاڑی بیان نے ایک پیسہ تک نہیں لیا اور چلا گیا۔ جب تک حکیم صاحب متوطنینہ میں رہے یہ لڑکا ان کے بہت کام آیا۔ چلتے وقت حکیم صاحب کو خیال ہوا کہ مستورات کے لئے چند ترکی برقعے بھی تیار کرالیں، لیکن وقت اتنا نہ تھا اس لئے انہوں نے چند اشرفیاں اُس لڑکے کے حوالہ کیں اور فرمایا کہ اتنے برقعے سلو اگر بھجوا دینا۔ دہلی آ کر حکیم صاحب اشرفیوں کے واقعہ کو بالکل بھول گئے، لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب کچھ عرصہ بعد اُن کے نام اُس لڑکے کا پاس آ گیا۔ حکیم صاحب لڑکے کی ایمانداری کی بہت تعریف فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ پر اس کی ایمانداری کا بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ لندن میں بعض ہندوستانی طلباء کی جو حرکتیں حکیم صاحب کے مشاہدہ میں آئیں اُن سے وہ بہت رنجیدہ ہوئے اُن کی دلی خواہش تھی کہ ہمارے لڑکوں کو بیرونی ممالک میں جا کر اعلیٰ درجہ کا اخلاقی معیار پیش کرنا چاہیئے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرنی چاہیئے جس سے ہندوستان کے وقار کو صدمہ پہنچے۔

حکیم صاحب کی طبیعت میں ظرافت بھی بہت تھی، ایک دن فرما لے گئے کہ نواب صاحب دو جانے اگلے بڑے کمرے کو جو موصوف نے اپنے محل میں تعمیر کرایا ہے ”ٹائون ہال“ کہا کرتے ہیں اور انفلو انسرز کو جو اُن کے منہ سے صحیح نہیں نکلتا ”انفلورا انزا“ کہتے ہیں۔ چنانچہ وعدہ کیا گیا کہ جب نواب صاحب سے ہم سب کی ملاقات ہوگی تو اُس وقت اُن کے منہ سے یہ الفاظ سننے کا شرف ہم کو بھی دیا جائیگا۔ ایک دن باتوں باتوں میں حکیم صاحب نے انفلورا انزا کے بناہ کن انزات کا ذکر کیا اور پوچھا کہ آپ کی ریاست میں کیا حال رہا۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ حکیم صاحب انفلورا انزا نے تو غضب ہی دھار دیا، ہماری

ریاست میں روزانہ سیسیوں موتیں ہو جاتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کی باتوں سے حکیم صاحب جب حد سے زیادہ لطف اندوز ہوتے تو اپنی دلی مسرت کا اظہار ہلکے سے تبسم سے ظاہر فرما دیا کرتے تھے۔ یہ تبسم ان کی ایک ممتاز خصوصیت تھی اور وہ درحقیقت مختلف جذبات کی ترجمان ہوا کرتی تھی۔

ریاست سے چلتے وقت مجھ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس ایجنٹ کا ترجمہ بھی تم کر دو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ ترجمہ میں وہی ادبی شان قائم رکھنا چاہتے ہیں جو اردو ایڈریس میں موجود ہے تو آپ یہ خدمت مسٹر آصف علی صاحب کو سپرد کیجئے جو انگریزی علم ادب کا نہایت پاکیزہ مذاق رکھتے ہیں حکیم صاحب نے اتفاق فرمایا اور ترجمہ کی خدمت مجھ سے لے لی گئی۔

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ کوئی نہ کوئی سن دیا فتمہ حکیم ہمیشہ حکیم صاحب کی معیت میں رہا کرتے تھے، ان ہمیشہ خطوط کا جواب دینے کے لئے جو باہر کی دنیا ان کی خدمت میں طبعی مشورے اور علاج کی غرض سے بھیجا کرتی تھی۔ دو جانہ کے قیام کے دوران میں اس خدمت پر حکیم ذکی احمد صاحب فائز تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ روزانہ خطوط کا مطالعہ کرتے اور اگر شکایتیں معمولی ہوتیں تو خود نسخہ لکھ کر جواب بھیج دیتے، لیکن اگر ذرا بھی پیچیدگی ہوتی تو وہ اُسے فوراً حکیم صاحب کی توجہ میں لاتے اور ان سے نسخہ معلوم کر کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیج دیتے۔ ایک دن حکیم ذکی احمد ایک مریض کے حالات پر غور کر رہے تھے اور جب بچہ غور و فکر کے بعد انھیں کوئی دوا سمجھ میں نہ آئی تو کہنے لگے کہ مرض بہت پیچیدہ ہے، اگر یہ دوا تجویز کرتا ہوں تو اس سے نئی پیچیدگی کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اگر فلاں دوا لکھتا ہوں تو مرض میں زور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ الغرض وہ بہت دیر تک شش و پنج میں رہے اور جب خود کوئی فیصلہ نہ کر سکے تو انھوں نے معاملہ حکیم صاحب مرحوم سے رجوع کیا۔ حکیم صاحب نے سارے خط کو بغیر سے سنا اور فی الفور دوا تجویز کر دی۔ میں نے دیکھا کہ صبح دوا کا نام سننے ہی حکیم ذکی احمد بہت بے حال ہو گئے اور بعد میں مجھ سے کہا کہ ایسی ہی دوا کی ضرورت تھی جو تمام شکایات کو کم کرے اور ساتھ ہی کوئی پیچیدگی بھی پیدا نہ ہو لے دے۔ میں نے اپنے آٹھ دن کے قیام میں بار بار دیکھا کہ حکیم صاحب مریضوں کے خطوط کی جانب بہت متوجہ رہتے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مرحوم کو خدمت الناس کا شغف کس قدر زیادہ تھا۔ اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں جو اگرچہ دو جانہ کے قیام سے متعلق نہیں تاہم وہ قریب قریب اسی زمانہ کا ہے اور اس سے حکیم صاحب کے جذبہ خدمت انسانی پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ میری اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ ”شادی سے قبل میں اکثر بیمار کرتی تھی، میں سمجھتی تھی کہ مجھے مرض وق ہو گیا ہے۔ ہنسنے میں نے حکیم صاحب سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا اور اس خیال

سے آگرہ سے دہلی آگئی دہلی میں میں اپنی ہمیشہ کے یہاں قیام پذیر رہی۔ وہاں سے میں نے بغیر کسی سے مشورہ کے ایک خط حکیم صاحب کی خدمت میں بھیج دیا، چند دن کے بعد کیا دیکھتی ہوں کہ حکیم صاحب اپنی گاڑی میں تشریف لے آئے اور فرمایا میں اُس مرضیہ کو دیکھنے کے لئے آیا ہوں جس نے مجھے خط لکھا تھا۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ حکیم صاحب محض ایک خط کے لکھنے پر تشریف لے آئیں گے۔ غیر ہم نے نہیں اندر بٹھایا اور نہایت اطمینان سے سارا حال سنایا۔ حکیم صاحب نے مجھے ابھی طرح سے دیکھا اور فرمایا کہ دق کا خیال ایک دوہم سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اور میرا ہر طرح سے اطمینان کر دیا۔ دہلی کے لوگ اس حقیقت سے ابھی طرح واقف ہیں کہ حکیم صاحب نیز شریفی خاندان کے دیگر ارکان کی ہمیشہ سے یہ ایک نمایاں خصوصیت رہی ہے کہ وہ باہر سے آنے والے مریضوں کو اپنا سہانہ سمجھتے ہیں، خود ان کے گھروں پر باقاعدہ تشریف لے جاتے ہیں اور کوئی نفیس حتیٰ کہ گاڑی کا کرایہ تک بھی نہیں لیتے۔ حکیم صاحب کے لیڈر پیر پر "افضل الاشغال خدمت الناس" کی مشہور حدیث نقش تھی۔ کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ان کی زندگی جو دراصل ایثار اور قربانی کی زندگی تھی ہمیشہ اسی بلند سطح نظر کے مطابق بسر نہیں ہوئی۔

دو جانہ کے قیام کے بعد میں متعدد مرتبہ حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آخری مرتبہ میں نے انھیں اُس وقت دیکھا تھا جبکہ وہ شاہ امان اللہ خاں کو ایڈریس دینے کے لئے بمبئی تشریف لائے تھے۔ اس وقت وہ بہت خجیف تھے۔ لیکن یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ چند دن کے بعد ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ بہر حال یہ خطبہ خوانی غالباً اُن کی آخری پبلک خدمت تھی جو باری تعالیٰ نے اُن سے لی۔

یہ واقعات جو میں نے اوپر بیان کئے ہیں، معمولی ہیں اور اپنے اند کوئی خاص جاذبیت یا اہمیت نہیں رکھتے، لیکن انسانی زندگی انھیں چھوٹے چھوٹے واقعات پر مشتمل ہوتی ہے اور انھیں سے ہمیشہ انسانی سیرت کی عظمت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ میں نے صرف انہی باتوں کو قلمبند کیا ہے جو سوائے ایک واقعہ کے براہ راست میرے مشاہدہ میں آئی ہیں۔

آخر میں خدائے برتر سے دعا ہے کہ وہ حکیم صاحب مرحوم کی خدمات کو جو انھوں نے بنی نوع انسان کے لئے انجام دیں قبول فرمائے اور مرحوم کو اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی درجات عطا فرمائے۔ آمین۔



بلبل ہند سروحتی نائیڈو کے چند نغمے

(مترجمہ مسٹر ظفر قریشی دہلوی بی۔ اے)

(۱) ہندوستانی جلا ہے

طلوع صبح کے وقت اے عزیز جلا ہو! تم کیا بن رہے ہو
یہ نفیس اور خوبصورت کپڑا جس کا رنگ نیل کنٹھ کے پر کی طرح
آسمانی ہے، کیا ہے؟

یہ ایک نوزائیدہ بچہ کا جامہ ہے!

غروب آفتاب کے وقت اے عزیز جلا ہو!

تم یہ کون کپڑا بن رہے ہو؟
یہ چمکیلا کپڑا جو نرم اور پرتاؤس کی طرح سرخ و قرمزی رنگ کا ہے
تم کس لئے بن رہے ہو؟

ہم ایک عروس نو ملکہ حسن کے روئے روشن کیلئے نقابتیار کر رہے ہیں

اے عزیز جلا ہو!

چاند کی خاموش سرد اور غم آگیز کرنوں کی پھبکی روشنی میں
تم مغموم و متفکر و سرنگول بیٹھے ہوئے اس قدر سنجیدگی کے ساتھ یہ کون کپڑا بن رہے ہو؟
یہ سرخ کے پر کی طرح نرم اور بادل کی طرح سفید رنگ کا کپڑا، کس لئے بنا رہے ہو؟

ہم ایک مردہ کا کفن تیار کر رہے ہیں!

(۲) نستران

مست تیز اور زود اثر خوشبودار،
لطیف و نازک اور چمکیلے پھولوا
تمہاری اکھی ہوئی نکھڑیاں عطر و آتش کے گہوارے ہیں
ان نکھڑیوں میں :-

سرسوئی کا غم نہاں ہے،
سیتا کی آرزو میں وابستہ ہیں
درویدی کے ارمان پوشیدہ ہیں
زمینتی کا خوف و ہراس موجود ہے اور
شکستلا کے اشک ہائے خوئیں ہیں۔

(۳) گل مہر

اے بہار رنگیں کے دلنواز محسن!
تیرے جمالِ زرّیں کو کون پاسکتا ہے!
تیرا رنگ یا تو عروسِ نو کے لباس کی طرح سرخ ہے
یا کسی طائرِ وحشی کے بازوؤں کے مانند شعلہ گول
نہیں نہیں تو اُس من کی طلسمی روشنی کی طرح ہے جو
”شدیش ناگ“ کی پیشانی کو منور کئے رہتی ہے!

اے بہارِ معطر کے سر تاج! تیرا خیرہ کن جمال!
اور تیری عمارتِ چمک اور لالہ گول رنگت کا کون مقابلہ کر سکتا ہے؟
تو کسی زرّیں صبح کے منور بادلوں کی خیرگی کے مشابہ ہے۔
یا سطحِ آب کی چادرِ سیمیں کا لوز ہے!

یا اُس خون کی چمک ہے جو ایک راجپوت رانی کی حفاظت میں
ہزاروں خوددار سینیوں سے بہا تھا!

لہ راجپوت رانی سے مراد چوڑ کی مشہور رانی پدینی ہے جو ہندوستانی گیتوں کا ایک عام موضوع ہے۔

(۴) اشوک کا پھول

ہمارے ہندوستان میں ایک روایت مشہور ہے کہ اگر اشوک کی جڑ پر کسی خواہش پر
دو شیزہ کا پیر پڑ جائے تو اس کی بند کلیاں پھول کر چٹک جاتی ہیں اور اس کی
شاخوں میں گل ہائے نور پھولنے لگتے ہیں !

آہ ! یہ سرخ و زریں غنچے کبھی دو شیزہ کے بالوں میں آویزاں ہوتے ہیں
کبھی معشوقوں کے سیج پر پامال ہوتے ہیں
یا پھر ”شاخ عروسی“ بن کر اس کے دستِ حنا مالیدہ میں نظر آتے ہیں !

میرے محبوب ! اگر تیرا مبارک قدم میرے سینہ کو جس میں میرے عشق کے راز
سربستہ بند ہیں ایک بار بھی یا مال کر دے تو میرا بخت خفتہ بیدار ہو جائے
میرے قلبی جذبات اور دماغی تصورات گلِ نغمہ کی صورت اختیار کر لیں۔
جس کی ترنم ریز و نسیم بارِ پیکھڑیوں کا عسیمی اثر ہر راگیر کو از خود رفتہ بنا دے

(۵) نغمہ غم

اے پیسے ! اب تو مجھے اپنی داستانِ محبت نہ سنا،
بلکہ ان گزشتہ خواب ہائے سسرت کی یاد میرے قلبِ مضطرب میں پھر تازہ کر دے
جن میں تاروں بھری رات اور صبح صادق کے وقت میرا دل و جان سے
چاہنے والا عاشق آہستہ آہستہ میرے پہلو میں آجاتا تھا

دریا پر ہلکے ہلکے بادل منڈلا رہے ہیں — تارِ باراں میں پکھراج کی طرح
جڑے ہوئے آم کے پتے ہوا میں جھول رہے ہیں۔ پھولوں کی ڈالیاں
جنبش میں ہیں !

لیکن اے پیسے ! بارانِ رحمت اور ان تمام چیزوں کا حسن و جمال کس کام کا؟
جبکہ میرا حبیب ہی مجھ سے جدا ہے، اور مجھے اس کا دیدار پھر
نصیب نہیں ہو سکتا

اے پیسے! اپنی کہاں کی صدائے پیہم سے تو میرے دل کو کیوں دکھاتا ہے،
اب تو مجھے اپنی داستانِ محبت نہ سنا!
تو میرے دل میں ایامِ رفتہ کی یاد پیدا کر کے ایک طمس پیدا کر دیتا ہے
صبح کو میں تیرے منورِ جنگل میں طاؤس کو اپنے جوطے کی فرقت میں بیقرار ہو کر
چھتے چلاتے سنتا ہوں، میں کوئیل کی غم میں ڈوبی ہوئی کوک بھی سنتا ہوں،
جمن میں بلبل و قمری کا شیریں و دلنوا نغمہ بھی میرے گوش گزار ہوتا ہے۔
لیکن اے پیسے! تو ہی بتا کہ مجھے ان سُرِ مے موسیقی کے راگوں سے کیا تسکین
ہو سکتی ہے؟

سج تو یہ ہے کہ مجھے یہ نغمہ ہائے محبت و مسرت بالکل پسند نہیں
کیونکہ میں ہجرِ الِ نصیب ہوں، اور میرا دوست مجھ سے دُور ہے۔
اور بہت ہی دُور ہے!

من کا مندر

پہاڑے، پہاڑ کے گنجان درختوں کا لباس پہن رکھا تھا، اُسکی کمر پر تاریک بادلوں کا پکڑ تھا، لیکن مجھے
وہ تنگ اور پیرا راستہ مل گیا جو ہر تپتا مندروں کو جاتا ہے۔ مندر کی قدیم عمارت میرے سامنے تھی
اُسکا کلس اکاش کے دیوتا کی مانند ظلا میں اکیلا کھڑا تھا۔ ہوا پجاریوں کے گانے کی مدھم آواز کو اڑا کر
لا رہی تھی، گھنٹوں کے بجنے کی آواز صاف تھی، اور شور انگیز طوفان کی طرح پہاڑوں میں گونج رہی تھی
میری روح نے زنجیریں توڑ دیں اب وہ کائنات کی رفعتوں میں پرواز کر رہی تھی۔
آہ تڑکا ہو گیا، میں نے چونک کر کہا میں ایک درخت سے سہارا لگائے کھڑا تھا، میرا چہرہ آئینوں
سے نہم درہا تھا، اب مجھے مندر میں جانے کی ضرورت نہ تھی، میرا مندر میرا دل تھا۔
(ماخوذ از گجراتی)

جذبات ٹیگور

(از منشی اقبال بہادر سکینہ صاحب ایم۔ اے)

گیتا کے مطابق وہ کام جو محض ذاتی نفع کی خاطر کئے جائیں روح کو جکڑنے کا باعث ہوتے ہیں، ذاتی قربانی کا وہی کام ہے جو ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر کیا جائے اور جس کا موضوع اپنی ذات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کی نفع رسانی ہو۔ برہما جی جب اپنی ذات کو قربان کرتے ہیں تب ہی آفرینش کے موجب ہوتے ہیں۔ ان کی قربانی کی کوئی دوسری غرض نہیں ہے۔ اس لئے ہم اپنے فرائض کی ادائیگی میں جن میں ذاتی قربانی شامل ہو برہما کی اسپرٹ کا اعادہ کرتے ہیں۔

خوشی سچائی کا ایک جوہر ہے، جب ہم کو سچائی کا احساس ہوتا ہے تو ہمارے دل میں خوشی کی ایک لہر اٹھتی ہے جو اس سچائی سے جو ہمارے دل میں ہے موجزن ہو جاتی ہے۔ یہی بات تمام مذاہب کی سچائی کی تہ ہیں۔

وہ شخص جو سچائی کا احساس اس فوری خوشی سے کرتا ہے جو روح میں پیدا ہوتی ہے تمام شکوک اور خطروں سے بچ جاتا ہے۔

محبت وہ مقناطیس ہے جس کے لمس سے انسانی طبع قربانی میں مبدل ہو جاتی ہے۔

صلح اس اندرونی سرور کا نام ہے جو سچائی میں مضمر ہے نہ کہ بیرونی تبدیلیوں میں۔

حسن بگلاتا ہے کہ حقیقت سے ہمارا روحانی رشتہ ہمیشہ کے لئے قائم ہے، اور ہماری محبت اس کو اپنے نصف النہار پر پہنچاتی ہے،

تندیب و شائستگی اپنی آفرینش کے لئے آرٹ کی محتاج ہے۔ اس کی آفرینش محض اس لئے ہے کہ ہم روحانی کمال کے متعلق اپنے خیال کو چشم دید مناظر کا جامہ پہنائیں، اس کو مذہب کے آرٹ کا بیج سمجھنا چاہیے۔

سچائی علم الہی کا بے پایاں مشغلہ ہے، جبکہ واقعی وہ بے پایاں شے ہے جس کا تقاب سائنس کا مشغلہ ہے اور حقیقت اس بے پایاں کی تعریف ہے جو سچائی اور ذات شخصی میں توازن قائم رکھتی ہے حقیقت انسانی ہی وہ شے ہے جس کا ہمارے ضمیر کو علم ہوتا ہے جس سے ہم متاثر ہوتے ہیں اور جس کا ہم اظہار کرتے رہتے ہیں۔ جب ہم کو اس کا بدیہی علم ہوتا ہے تو ہم اپنے آپ سے واقفیت حاصل کرتے ہیں اور اس میں ہم کو خوشی محسوس ہوتی ہے، ہم اسی حقیقت میں رہتے ہیں اور ہمیشہ اس کی حدود کو وسعت دینے میں لگے رہتے ہیں۔ ہمارا آرٹ اور ہمارا لطیفہ ہماری اس تخلیقی کوششوں کا اظہار کرتا ہے جو انسان کے لئے لادبی ہے۔

اس زندگی میں یقین واثق ہی تخلیق کا کام کرتا ہے نہ کہ وہ مشین میں جو صناعی کرتا ہے۔ وہی طاقت جو اپنی قوت کو پس پشت رکھتی ہے، حسن کے پھول کھلاتی ہے نہ کہ وہ طاقت جو آستینیں چڑھاتی اور دوسروں کو نقصان پہونچانے کی استعداد پھیلے جاتی ہے۔ ہم کو جاننا چاہیے کہ مشین تب ہی تک اچھی ہے جب تک دوسروں کی مدد کرتی ہے نہ کہ اس وقت جبکہ وہ زندگی کا کچھ نکال لیتی ہے۔ ہم کو جاننا چاہیے کہ مائیں کی عظمت اسی وقت تک ہے جب وہ برائیوں کی بچائی کرتی ہے نہ کہ اس وقت جب دونوں ملکر ایک ناپاک شرک قائم کرتی ہیں۔

اگر میں اس سمت میں گامزن رہوں جس سے وہ آتا ہے تو میں اس سے دوری ہوتا جاؤں گا۔ اگر میں مقابل کے راستہ پر قدم زن ہوں تب ہی ہم صرف مل سکتے ہیں۔ اس کو شکل پیاری ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ اشکال کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ ہم صرف اشکال پر زندہ نہیں رہ سکتے اس لئے ہم کو غیر اشکالی کی طرف بڑھنا چاہیے۔ وہ آزاد ہے اس لئے اس کا کھیل حدود کی طرف مائل ہوتا ہے، ہم محدود ہیں اس لئے ہم کو آزادی میں خوشی نصیب ہوتی ہے۔ ہماری تمام نکالیت کا سبب یہی ہے کہ ہم اس راز کو ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ ایک گلے والا اپنی خوشی کو راگ کا جامہ پہنتا ہے، جو شخص اس راگ کو سنتا ہے راگ سے

خوشی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ پہلی حالت میں خوشی جو لامحدود ہے محدود راگ کی شکل اختیار کرتی ہے۔ دوسری حالت میں محدود راگ ہم کو لامحدود خوشی کا تجربہ کراتا ہے۔ پہلی حالت میں آزادی غلامی کی حالت میں تبدیل ہوتی ہے اور دوسری میں غلامی آزادی کی شکل اختیار کرتی ہے۔ صرف اسی طرح غلامی اور آزادی کا میل ممکن ہے۔ وہ گانا ہے اور ہم سنتے ہیں، جب وہ گاتا ہے وہ محدودات کی زنجیریں مصنوع کر لیتا ہے۔ جب ہم اس کے راگ کو سنتے ہیں ان زنجیروں کی بندشوں کو فتح کرتے ہیں۔

(ٹیکور کی کتاب مذہب انسانی سے ماخوذ)

از مولوی محمد رفیع صدیقی صاحب، کراؤن سائز، ۸۰ صفحات قیمت ۵/-
 ملنے کا پتہ: - لالہ کامتا پرشاد اگر وال پبلشرز لاہور آباد

انتخاب آئین اکبری

آئین اکبری ابوالفضل کی مشہور تصنیف ہے جس میں شہنشاہ ہند اکبر اعظم کے عہد حکومت کے قوانین جمع ہیں۔ مولوی رفیع صدیقی صاحب نے فارسی زبان کے طلباء کے استفادہ کے لئے اس کا ضروری انتخاب مرتب کیا ہے۔ شروع میں ایک مختصر دیباچہ ہے جس میں ابوالفضل کے مختصر حالات اور اس کی تصانیف کے ذکر کے علاوہ آئین اکبری کی خوبیوں اور ابوالفضل کی طرز نگارش پر روشنی ڈالی ہے اور آخر میں مشکل الفاظ و اصطلاحات کی تشریح کردی ہے۔ یہ کتاب ٹاپ میں چھپی ہے۔

از مولوی محمد رفیع صدیقی صاحب، کراؤن سائز، ۸۰ صفحات قیمت ۵/-
 ملنے کا پتہ: - لالہ کامتا پرشاد اگر وال پبلشرز لاہور آباد

انتخاب قصائد سلمان ساوجی

سلمان ساوجی فارسی زبان کا مشہور شاعر ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں عام دستور کے مطابق سلمان بھی شاہان وقت کے درباروں سے متوسل تھا اور ان کی مدح میں جو قصائد اس نے لکھے ہیں ان میں سے چودہ قصائد کا انتخاب اس مجموعہ میں شامل ہے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں سلمان کے حالات اور اس کے کلام پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ غالباً طلبہ کے مطالعہ کے لئے اس کو مرتب کیا گیا ہے۔

بدگمانی

(از سطر جے کرشن)

راج ناتھ نے مال یا پ کا سکھ نہ جانا، ایک سال کا تھا کہ مال کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جب پانچ سال کا ہوا باپ نے بھی داغ مفارقت دیا، چچی اور چچا ہی کو اُس نے اپنا والدین سمجھا۔ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اُنھوں نے بھی بیٹے ہی کی طرح اُس کی پرورش کی، وہ راج ناتھ کی آنکھوں کو نم نہ ہونے دیتے تھے، جس بات کے لئے وہ ضد کرتا وہ فوراً مہیا کر دیتے، جب کبھی وہ بیمار ہوتا اُس کی سچی رات رات بھر گود میں لئے بیٹھی رہتی، صبح و شام دونوں وقت نوکر گاڑی میں ہوا کھلانے لے جاتا، غرض اُس کی پرورش بڑے لاڈ پیار سے ہوئی۔ چچی اور چچا نے ہمیشہ اُس کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھا، مال کا تو اُسے خیال ہی نہ تھا لیکن باپ کی وہ اکثر یاد کیا کرتا تھا لیکن لذیذ مٹھائیوں اور خوشنما کھلونوں نے رفتہ رفتہ باپ کا خیال بھی اُس کے ننھے دل سے مٹا دیا۔

جب رجو آٹھ نو سال کا ہوا تو اکثر عورتیں اس سے پوچھتیں 'رجو تیری اماں کہاں گئیں' رجو خفگی کے لمحے میں کہتا میری اماں گھر میں ہیں، بلا دوں۔ بعض عورتیں جن کو خواہ مخواہ فضول باتوں میں لطف آتا ہے اکثر اس سے کہتیں "رجو یہ تیری چچی ہیں تیری اماں تو مدت ہوئی مر گئیں" اس پر رجو ناراض ہو کر کہتا "تم جھوٹ بولتی ہو یہی میری اماں ہیں۔"

(۲)

رجو اب اٹھارہ برس کا خوبصورت جوان ہوا، اُس کا رنگ شگفتہ اور جسم گٹھا ہوا تھا، اس کی میس بہنیک رہی تھیں چچی اور چچا دونوں اُسے آنکھ بھر کر نہ دیکھتے کہ کہیں اُسے اُن کی نظر بہ نہ لگ جائے لیکن دل ہی دل میں اُسے دیکھ کر چھو لے نہ سالتے تھے اس وقت وہ بی۔ اے فائنل کلاس میں پڑھتا تھا، اُس کے پروفیسر اس سے بہت خوش تھے۔ ٹینس کھیلنے میں تو اُسے ایسا کمال حاصل ہو گیا تھا کہ بڑے بڑے کھلاڑی اُسے دیکھ کر عیش عیش کرتے۔ اُسے رفقاء عام کے کاسوں سے بھی غیر معمولی رغبت تھی۔ چنانچہ ہر سال گرہ کی چھٹیوں میں وہ الہ آباد سے ملحق دیہاتوں میں جا کر غریب بیمار دل کو دوا دیتا

اور اُن کی تیمارداری بھی کرتا۔ اکثر وہ نادار مریضوں کے سر ہانے بیٹھ کر آنکھوں ہی میں راتیں کاٹ دیتا، اُس کی حجبی اُس سے کہا کرتی کہ بیٹا مریضوں سے دور ہی رہا کرو نہ معلوم کونسا مرض ہو کہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔ مگر جو ان باتوں کو ہنس کر ٹال دیا کرتا تھا۔

یونیورسٹی میں گرمی کی تعطیلات شروع ہو گئی تھیں اور راجو اپنے مکان آیا تھا کہ ایک روز اگر سے سے ایک رشتہ دار کا تار آیا کہ اُس کے ماموں کا انتقال ہو گیا۔ تار دیکھتے ہی راجو اور اُس کے چچا بابو رام شکر آگرہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ راجو کے ماموں آگرہ کے مشہور وکیل تھے، اُن کا کیتھ بڑا تھا، بیوی کے علاوہ دو کنواری لڑکیاں اور تین چھوٹے بچے تھے۔ دونوں لڑکیوں کی عمر شادی کے قابل تھی۔ وکیل جبا کے انتقال کے بعد کوئی اس کنبہ کی پرورش کرنے والا نہیں رہا۔

کر یا کر م ختم ہونے کے بعد ایک روز بابو رام شکر نے راجو کی مامی سے کہا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اب یہاں پڑے رہنے سے کیا فائدہ، سب لوگ ہمارے ساتھ چلی چلو، جو کچھ روکھا سو کھا پر ماتا دے اُسے سب ملکر خوش ہو کر کھائیں گے، راجو کی مامی راضی ہو گئیں اور کیوں نہ ہوتیں اب خدا کے سواے دنیا میں اُن کا اور کوئی دوسرا سہارا نہ تھا۔ چنانچہ گھر کا سب ساز و سامان فروخت کر دیا گیا۔ اچھی اچھی چیزیں نصف اور تہائی قیمت پر چلی گئیں اور بابو رام شکر سب کو اپنے ساتھ مکان لے آئے اُن کا مکان بہت چھوٹا تھا اس میں اتنے لوگوں کا گزر ہونا مشکل تھا، اس لئے انھوں نے پڑوس کا ایک مکان کرایہ پر لیکر ان لوگوں کو اسی میں ٹھہرایا۔

بابو رام شکر اور راجو نے اس کنبہ کی دلجوئی کرنا اپنا فرض سمجھ لیا تھا، دونوں ہمیشہ اسی کوشش میں رہتے تھے کہ چاہے کچھ ہو لیکن ان مصیبت زدوں کا دل دکھنے نہ پائے، دونوں لڑکے مدرسہ میں داخل کرا دیے گئے اور راجو اپنی فرصت کا زیادہ تر حصہ اپنی مامی کے یہاں گزارنے لگا، وہ ہمراہی اسی کوشش میں رہتا تھا کہ کسی طرح ان لوگوں کا غم غلط ہو جائے۔

(۳)

اسی طرح ایک مہینہ گزر گیا، مامی کے اصرار سے راجو اکثر وہیں کھانا کھا لیا کرتا تھا۔ راجو اور رتو (مامی کے دونوں لڑکے) کو پڑھانا، اس کی دونوں بہنیں لپٹا اور مکملتا جب اُسے داد اکہہ کر پکارتیں تو وہ مارے خوشی کے چھولانہ سماتا۔ اس کی مامی جب کبھی ان پر نضا ہوتیں تو راجو ان کو سمجھاتا کہ آپ انھیں کچھ نہ کہیں، یہ مجھے بہت غریزہ ہیں، اپنے جیتے جی میں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانے دوں گا۔ یہ سنکر مامی کے پزیرہ چہرے پر خوشی کی جھلک نمودار ہو جاتی اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے

ٹپک پڑتے، وہ رتجو کو دعائیں دینی لگتیں۔

رتجو کا ہر وقت مامی ہی کے یہاں رہنا سنا اُس کی چچی کو اچھا نہ لگتا تھا، چنانچہ کچھ دنوں تک تو وہ خاموش رہیں، لیکن ایک روز انھوں نے رتجو سے کہا کہ بیٹا تم تو اب گھر پر بالکل رہتے ہی نہیں ہو، نہ وقت سے کھاتے ہو نہ پیتے، نہ معلوم تم کو ان دنوں کیا ہو گیا ہے؟ رتجو نے ہنسکر جواب دیا "واہ اماں کھانا کیوں نہیں ہوں، آج ہی سویرے تمہارے سامنے کھانا کھا چکا ہوں۔" اس پر چچی نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا اب کیا کھاتے ہو پہلے البتہ جب دیکھو یہی کہا کرتے تھے کہ بھوک لگی ہے۔ اب تو تیری بھوک پیس بھی رخصت ہو گئی ہے، ذرا صورت تو دیکھو کیسی نکل آئی ہے؟ رتجو نے پھر ہنسکر کہا "اماں میری صورت کو کیا ہو گیا ہے، جیسا تھا اُس سے کہیں زیادہ موٹا ہو گیا ہوں، یہی کھانے کی بات تو کبھی کبھی مامی کے یہاں بھی تو کھا لیتا ہوں، وہ بھی تو مجھے خوب کھلاتی ہیں۔"

چچی نے منہ پھیر کر اُسی طرح خشک لہجے میں کہا، ماں تو یہ کہو کہ اب مامی کے یہاں کی سب چیزیں اچھی معلوم ہوتی ہیں، اب تو وہی تمہاری سب کچھ ہیں، میں کون ہوں۔ یہ لکڑا انھوں نے ایک آہ سرد بھری۔

رتجو کو اب ہوش آیا، وہ سمجھتا تھا کہ اماں یہ باتیں یوں ہی کہہ رہی ہیں، اُسے خیال بھی نہ تھا کہ انھیں اس کا مامی کے یہاں آنا جانا پسند نہیں ہے، اب تک اس کے برعکس وہ کہتا تھا کہ اماں اس سے خوش ہوتی ہو گئی، ان کی زبان سے اب ایسی باتیں سن کر اُسے دلی صدمہ ہوا۔ اس نے غمگین جے میں کہا "اماں میرے لئے تو تمہیں سب کچھ ہو اس سے کون انکار کر سکتا ہے، میں تو مامی کے یہاں اس سبب سے چلا جاتا ہوں کہ ابھی ان کا غم تازہ ہے ان کی دلجوئی کرنا چاہیئے..... اس کے آگے اس کی زبان رقت سے بند ہو گئی، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، لیکن چچی کے دل پر ان آنسوؤں کا کچھ بھی اثر نہ ہوا حالانکہ یہ آنسو بیچارے رتجو کی نیک نیتی خلوص اور محبت کے منظر تھے۔

بہر حال اُس دن سے رتجو نے مامی کے مکان میں آنا جانا بہت کم کر دیا، وہ اپنی ماں کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مامی کے ساتھ بھی اپنی ہمدردی میں کمی نہ کرنا چاہتا تھا لیکن چچی کے دل میں ایک گانٹھ پڑ گئی، جس قدر رتجو اُسے سلجھانے کی کوشش کرتا اتنی ہی وہ اور مضبوط ہوتی جاتی تھی۔ چچی اُس سے بولتیں لیکن باتوں میں اگلی محبت اور اگلا سا خلوص نہ تھا، ان کا لہجہ خشک تھا جس سے رتجو کے دل پر خواہ مخواہ چوٹ سی لگتی، اور وہ دل مسوس مسوس کر رہ جاتا، اس کی طبیعت

میں آتا کہ رو رو کر اپنی جان دے دے، جس کی گود میں مل کر وہ اتنا بڑا ہوا اسی کی زبان سے ایسی تلخ باتیں سن کر وہ تھلا اٹھتا تھا۔ لیکن فطرتاً سے اس کے آئسو نہ نکلتے، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کون پہلو اختیار کرے کہ اس کی ماں اس سے پھر اگلی سی محبت سے پیش آنے لگے۔

(۴)

رجو کئی دن تک مامی کے یہاں نہیں گیا، وہ گھر ہی پر رہتا اور کہیں نہ جاتا وہ ہر وقت خدا سے یہ دعا کرتا کہ ایشور مجھے ٹھیک راستہ بتلا کہ میں کیا کروں۔

ایک روز وہ اپنے ایک رشتہ دار کے یہاں گیا، واپسی پر وہاں اُسے جو پان ملا، اس کے کھلے ہی اُسے متلی ہونے لگی، شاید پان میں تبا کو پڑ گیا تھا، رجو کا سر حکر آنے لگا، مامی کا مکان بالکل قریب تھا وہ وہیں جا کر ایک چار پائی پر لیٹ رہا۔ اس کے بدن سے پسینہ نکلتے لگا، اور چہرہ سرخ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مامی گھبرا گئیں، پشپا اور مکلا نکھا بھلنے لگیں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد جب رجو کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو پشپا نے مہنسکر کہا "دادا معلوم ہوتا ہے کہ آج تم نے بھنگ پی ہے، رجو نے جواب دیا نہیں بھنگ تو نہیں پی شاید پان میں تبا کو کھا گیا، اُسی وقت مکلا بھی ہنستی ہوئی رتو سے مخاطب ہو کر بولی "اے رجو جا کر لواجی سے کہہ آ کہ دادا نے آج بھنگ پی ہے اُنھیں نشہ چڑھ گیا ہے جس کے اتارنے کے لئے دہی اور پڑے بھجیریں، پشپا نے بھی اس بات کی تصدیق کی اور کہا "ہاں رمو دوڑ جا دیکھ کج تجھے دہی پڑے کھانے کو ملیں گے، برجو تو بھی رمو کے ساتھ چلا جا۔ غرض رمو اور برجو دونوں دوڑ گئے، رجو نے کہا "پشپا تم نے یہ بُرا کیا، اماں مجھ پر خواہ مخواہ ناراض ہو گئی۔" یہ کہتا ہوا وہ بھی لڑکوں کے پیچھے جانے کے لئے باہر نکلا مگر دروازے سے باہر نکلتے ہی اس کا ایک دوست کیلاش مل گیا، وہ بولا "واہ یار کب سے تمھیں تلاش کر رہا تھا، مگر کہیں تمہارا پتہ نہیں چلا، خیر چلو روپ چند کے کمرے میں کورٹ پہن ہو رہا ہے، تم کو بلانے آیا تھا۔" رجو نے کہا "بھائی ذرا دیر کے لئے مجھے معاف کرو، میں بھی آتا ہوں ذرا گھر جا کر ایک ضروری بات کہہ آؤں۔" لیکن کیلاش نہ مانا، مسکرا کر بولا "اجی حضرت ابھی آپ کو گھر میں کون سی ایسی ضروری بات کہنا ہے، ابھی تو بیوی صاحبہ بھی تشریف نہیں لائی ہیں۔" رجو نے بہت کچھ عذر معذرت کی لیکن کیلاش نہ مانا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا۔ رجو نے مایوسانہ نگاہوں سے کیلاش کی طرف دیکھا مگر کچھ کہہ نہ سکا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر کوئی بھاری مصیبت آئی ہوئی ہے۔

(۵)

تاش کھیلتے کھیلتے تمام ہو گئی، رجو کا دل اندر ہی اندر بٹھل جاتا تھا۔ بہر حال چراغ جلنے کے وقت

جیسے ہی وہ مکان میں داخل ہوا چچی نے بگڑ کر کہا "اب تک تو کہاں رہا، اب تو تجھے بھنگ پینے کا بھی شوق پیدا ہو گیا ہے، آگے چلکر کانچہ چرس بھی پینے لگے گا۔"

رجو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، بولا "اماں تمہیں ناحق مجھ پر شبہ ہے، میں نے بھنگ نہیں پی "تو رمو اور بر جو بھوٹ ہی کتنے تھے؟"

"پشپا اور کملا نے مذاق میں تم سے کملا بھیجا تھا، میں گوپال چچا کے یہاں گیا تھا، وہاں پان شاید دھوکے سے تمباکو ڈر گیا تھا، کیونکہ اس کے کھاتے ہی میرے سر میں چکر آنے لگے، اور اندھیرا سا بھا گیا، چچی نے اور تیز ہو کر کہا "جھوٹا کہیں کا مجھے بھلائے چلا ہے نشہ تو تیری آنکھوں سے ظاہر ہے، دیکھ آگے چلکر اور کیا کرتا ہے۔"

رجوان باتوں کو نہ برداشت کر سکا، اس کے ساتھ سراسر بے انصافی ہو رہی تھی، اگرچہ اسکی ایک گوشمالی بھی کر دیتیں تو شاید اسے اتنا غم نہ ہوتا، اس نے بھی ذرا تیز ہو کر کہا "اماں تم تو مجھ سے ناحق ناراض ہو رہی ہو، میں نے بھنگ نہیں پی ہے۔"

بھنگ نہیں پی تو مامی کے یہاں کیوں پڑا رہا گھر کیوں نہیں چلا آیا، کیا انھیں لوگوں نے تجھے پال پوس کر اتنا بڑا کیا ہے؟ رمو کہتا تھا کہ سب تیرے پٹھیا بھل رہے ہیں اور تجھے ہوش نہیں آتا، رجو کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ زمین پر گرنا چاہتا ہے، اس نے پھر اسی تیز لہجے میں جواب دیا "بالکل غلط ہے میں تو روپ چند کے کمرے میں تاش کھیل رہا تھا یقین نہ ہو کیلاسٹ کو بلا کر دریافت کر لو۔" مگر چچی نے اس کی ایکٹ سنسنی اور اسی دھن میں جو کچھ دل میں آیا کہہ ڈالا۔ بابو رام شکر مکان پر موجود نہ تھے ورنہ شاید اس قدر طوالت نہ ہوتی، پڑوس کی چند عورتیں جنھیں کسی مکان میں پھوٹ پیدا ہونے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کسی نہ کسی بہانہ پر کہہ بچیں۔ ایک اپنے چھوٹے بچے کی آنکھ میں انجن لگوانے کے بہانہ سے آگئی، دوسری کو خانہ داری کے متعلق کوئی ضروری مشورہ لینا تھا۔ ان میں سے ایک ذرا منہ بنا کر بولی "ٹھیک ہے بن سیانی لڑکیوں کا لڑکوں سے ہنسا بولنا اچھا نہیں ہوتا۔" یہ سنکر رجو کے بدن میں اور بھی آگ لگ گئی اس نے ایک طرف شکمیں ننگا ہوں سے دیکھ کر کہا "تم جپ ہو تم سے کون صلاح پوچھتا ہے؟" یہ سنکر دوسری عورت بولی "تم لڑکیوں بولتی ہو تم کو کسی کے بچ میں پڑنے کا کیا اختیار ہے؟" رجو سمجھدار لڑکا تھا، دل میں سوچا کہ چاہے میرے اوپر جتنی زیادتی کیوں نہ ہو ان کو خوش نہ ہونے دوں گا یہ سوچ کر وہ باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد چچی بھی چپ ہو رہیں۔ رات کو جب بابو رام شکر مکان آنے تو رجوان کے سامنے جا کر زار و قطار روتے لگا، رام شکر نے تعجب سے کہا "میں رجو تم روتے کیوں ہو، کیا بات ہے؟" مگر رجو پہلے تو روتا ہی رہا

پھر جب اس کے آئسو تھے تو اس نے کل قصہ کہ سنایا، سب باتوں کو سنکر بابورام شکر نے کہا ”تو اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا بات تھی۔“

رجو نے جواب دیا ”میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے بھنگ نہیں پی، پشپا اور کملانے بول ہی اماں سے کہلا بھیجا تھا کہ میں نے بھنگ پی ہے۔“
رجو کے چالے مسکراتے ہوئے کہا ”اچھا تو تمہاری اماں تم سے ناحق خفا ہوئیں۔“
رجو سر پیچا کئے خاموش کھڑا رہا۔

ادھر رموا اور رجو نے جب کل قصہ اپنی ماں کو سنایا تو وہ لڑکیوں پر بہت خفا ہوئیں، پشپا اور کملانے دونوں رونے لگیں اور تھوڑی دیر بعد معافی مانگنے کے لئے اپنی بوا کے یہاں آئیں، بوا کے پاس پہنچنے ہی دونوں پھر بلک بلک کر رونے لگیں۔

رجو کی چچی ابھی تک بالکل خاموش بیٹھی تھیں، انہیں روتے دیکھ کر ان کا دل کھل گیا، انہوں نے بظاہر بے رخی سے کہا ”تم دونوں کیوں روہی رہو میں نے تمہیں تو کوئی بات بھی نہیں کہی ہے۔“
کملانے بولی ”بواجی دادا نے بھنگ نہیں پی تھی میں نے جھوٹ موٹ آپ سے یہ کہلا بھیجا تھا آپ چاہے پشپا سے دریافت کر لیں۔“

پشپا نے مسکتے ہوئے کہا ”ہاں بواجی دادا کا کوئی قصور نہ تھا، ہمیں نے جھوٹ بات آپ سے کہلا بھیجی آپ ہمیں جو سزا چاہیں دیجئے“ یہ کہہ کر وہ پھر مسکنے لگی۔

بابورام شکر رجو کو ساتھ لے ہوئے کھانا کھانے اندر آ رہے تھے، جب انہوں نے پشپا کو سسکنے نا تو بولے ”تم لوگ آج جھوٹ کیوں بولیں؟ بواجی اور دادا سے اس بات کی معافی مانگو۔“

چچی کا غصہ اتر چکا تھا، اب وہ دل ہی دل میں پھبتا رہی تھیں کہ انہوں نے بلا وجہ پیارے رجو کو اس قدر سخت سست کہا، وہ پشپا کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں ”بیٹی تم کیوں روتی ہو، میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔“

اتنے میں کملانے بولی ”اگر ناراض نہ ہوتیں تو دادا کو کیوں ڈانٹتیں۔“ یہ کہہ کر وہ سر نیچا کر کے زمین کی طرف تانکے لگی۔

چچی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ”ڈانٹتی کیوں نہ تیرے جھوٹ بولنے کی سزا تجھے کیسے ملتی۔“

(۶)

بابورام شکر اور رجو دونوں کھانا کھا کر باہری کمرے میں سوئے چلے گئے، پشپا اور کملانے مکان

چلی گئیں، رات کے گیارہ بج چکے تھے لیکن رجو کی آنکھوں میں نیند نہ آئی وہ سوچتا رہا کہ اماں کا دل میری طرف سے ابھی صاف نہیں ہوا، یہ خیال رہ رہ کر اس کے دل میں کانٹے کی طرح چھتا تھا۔ بارہ بجے کے قریب وہ اٹھا اور اپنی چچی کے کمرے میں دیے پاؤں داخل ہوا۔ وہ ابھی تک جگ رہی تھیں، رجو نے غور سے دیکھا، ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ وہ کچھ سوچ رہی تھیں رجو کے آنے کی انھیں خبر نہ ہوئی، مگر کیا ایک رجو نے پکارا "اماں" تو چچی نے چونک کر دیکھا کہ ان کے پاس رجو کھڑا ہے۔ وہ بھی لیٹر سے اٹھ بیٹھیں اور بولیں "بھیا رجو..... اس کے آگے ان کی زبان بند ہو گئی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رجو بھی رونے لگا، چچی نے اس کو گلے سے لگا کر کہا "بھیا بھلی باتوں کو بھول جاؤ۔"

رجو نے رقت آمیز لہجے میں کہا "اماں اب میرے مامی کے یہاں اٹھنے بیٹھنے کا برا نہ ماننا۔" چچی نے آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے کہا "بیٹا پہلے تیری اماں وہ ہیں بعد کہیں۔" اس وقت ان کے چہرے پر ایک روحانی مسرت کا ظہور تھا۔

مصنفہ بخشی معتمد خاں، کراؤن سائز، ۳۴ صفحات، مجلد قیمت ۵۰/-

اقبال نامہ جہانگیر

یہ وہ مشہور و معروف کتاب ہے جس کو کپتان ولیم ناسولیس نے بعد تلاش حاصل کر کے ۱۹۶۵ء میں ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی طرف سے شائع کیا تھا اور اب بعد صحت مولوی محمد رفیع صاحب نے مرتب کیا ہے۔

اس میں شہنشاہ جہانگیر کے زمانہ حکومت کے خاص خاص تاریخی واقعات کے علاوہ حکماء و شعراء وغیرہ کے مختصر حالات بھی درج ہیں۔ اس کے مصنف (معتمد خاں) جہانگیر کے بخشی تھے اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کے لئے یقین کیا جاسکتا ہے کہ ان کے چشم دید حالات ہیں۔ اس کی زبان فارسی ہے، سادہ و رواں، طرز تحریر دلچسپ ہے۔ فارسی زبان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔ یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے۔

تنقید

کلام حضرت اثر لکھنوی

(از سید محمد عسکری طباطبائی - بی۔ اے)

اُردو کے موجودہ ادیبوں میں ایک طرف تو وہ حضرات ہیں جو مشرقی علوم سے واقف مگر علوم مغرب سے بے بہرہ ہیں۔ دوسری طرف وہ اصحاب ہیں جن کی نظریں مغربی علوم سے ایسی خیرہ ہو گئی ہیں کہ انھیں اپنے علم و ادب کی خوبیاں نظر ہی نہیں آتیں۔ پہلا طبقہ اگر ادب میں مزید خوبیوں کا باعث نہیں تو دوسرا اپنی تنگ نظری سے اُس کے لئے نقصان رسال ہے۔ بہر صورت وسط کا طبقہ بہترین ہے، اور اس میں وہ حضرات شامل ہیں جو علوم مشرق و مغرب دونوں سے آگاہی رکھتے ہیں، دراصل یہی حضرات ادب اردو کی صحیح خدمت انجام دے سکتے ہیں، جناب اثر لکھنوی انھیں چند مبارک افراد میں جھنوں نے مشرق و مغرب کے درمیان صحیح راہِ علم کو کھولی ہے۔ اور استقلال کے ساتھ اسی پر گامزن ہیں۔ نہ صرف مشرقی ادب کی خوبیوں سے واقف ہیں بلکہ مغربی اصول تنقید سے بھی کما حقہ آگاہ ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اُن کی شاعری موجودہ زمانے میں پسندیدہ لگا ہوں سے دیکھی جاتی ہے۔

جو شاعری تصنع سے پاک ہوگی دل پر اثر انداز ہوگی، اثر کلام اثر کی جان ہے اور وہ اسمِ بسمیٰ ہیں ان کے احساسات نازک اور جذبات لطیف ہیں، خیالات میں بلندی اور انداز بیان میں جوش و ندرت ہے طبیعت میں شوخی و بذلہ سنجی کے ساتھ سوز و گداز بھی ہے۔ پلٹن کی بتائی ہوئی خصوصیتیں یعنی سادگی، جوش اور صلیت اُن کی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس وقت ان کی ایک غزل مشتے نمونہ از خروائے حاضر ہے جس سے معلوم ہوگا کہ اس فطری شاعر کے کلام میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔

یہاں پر میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غزل ان کی منتخب غزلوں میں نہیں اور نہ یہ اُن کی بہترین غزل ہے، میں اس پر خامہ فرسائی کے لئے محض اس طرح آمادہ ہو گیا ہوں جیسے کوئی خوشنما پھولوں کے گلہستے سے اکٹھ بند کر کے ایک بھول توڑ لے اور بعد میں اس کے رنگ دلو سے اپنے ذوق نظر اور

قوت شامہ کا صحیح اندازہ لگائیے۔

اب غزل ملاحظہ ہوا۔

کیوں کرے شکوہ محرومی درماں کوئی دل بُرا ہوتا ہے تجھ سے غم جاناں کوئی
غم عشق میں شکوہ تغافل آداب عشق کے خلاف ہی نہیں بلکہ دل بُرا ہونیکے بھی علامت ہے، اسی لیے
پہلے مصرعے میں ایک تغافل کیش کی طرف اشاری کی جارہی ہے، مصرعہ ثانی میں غم جاناں سے مخاطب ہے اور
ایسے پیار کے لمحے میں کہ شعر سے مجموعی طور پر ایک طربناک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ کہنے والے کی حقیقی
خوشنودی پر دل ہے مگر اس کی تر میں خود درد و اثر اور سوز و گداز پوشیدہ ہے جس سے ذہن سامع پر عکس
اثر ہوتا ہے اور وہ عاشق کی اُس خندہ پیشانی پر جس کے ساتھ وہ درد الفت اور محرومی درماں، بیک وقت
بداشت کرتا ہے، دل میں ایک جذبہ رحم و ہمدردی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ محرومی درماں کا یہ عالم
ہے کہ خود غم جاناں پیشان ہے کہ میں نے اس غریب کو کیسی کیسی بلاؤں، مصیبتوں اور ایذاؤں کا نشانہ بنایا
ہے اور یہ شکوہ بھی نہیں کرتا۔ لہذا غم کی دلہری کو کہتے ہیں۔ ”کیوں کرے شکوہ محرومی درماں کوئی“ دل بُرا
ہوتا ہے تجھ سے غم جاناں کوئی۔“

لے لیا حسنِ فنول ساز نے پیاں کوئی لوجلا شعلہ بدل جانب امکاں کوئی
روداد ازل کی طرف اشارہ ہے جب ”الست برکم“ کے جواب میں ”بی“ کہا گیا تھا۔ حسن اور حسن بھی
فنول ساز، آخر اس نے عشق سے پیاں و فالے ہی لیا۔ اور عشق کی سادہ لوحی دیکھنے کے اقرار و فاکر لے کر
تو کر لیا لیکن انجام کو نہ سوچا جس کا ایک فوری نتیجہ یہ ہوا کہ دل کو ایک شعلہ سپرد کر دیا گیا (یہ انیوالی مصیبتوں
اور اضطراب کی نشانی تھی) اور پھر فنول امکاں کی راہ تباہی گئی جو خود بلاؤں کا پیش خمیہ ہے۔ دوسرے
مصرعہ کا طرز ادا اور خصوصاً ”لو“ کا صرف ایسے محل پر ہوا ہے کہ آئندہ مصائب کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا
ہے۔ شاعر تو اتنا کمکر خاموش ہے کہ ”لوجلا شعلہ بدل جانب امکاں کوئی“ مگر سننے والا خود بخود مطلب پورا
کر لیتا ہے کہ اب خدا ہی خیر کرے دیکھئے کیا کیا مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔

بلاغت و دیکھئے کہ شاعر نے پہلے مصرعے میں ”پیاں“ کی کوئی تشریح نہیں کی اور صرف اس کی نوعیت
کی طرف دوسرے مصرعے میں ”شعلہ بدل“ کما اشارہ کر دیا جس سے مطلب صاف ہو گیا۔ یعنی انسان کو آستانِ حسن
سے التہاب و اضطراب عشق عنایت ہوا اور وسعت گہ امکاں کی رہ نور دی کا حکم ہو کر ارشاد ہوا کہ تیرے پیاں
عشق و وفا کا امتحان ہے، پہلے اپنے کو درخور لطف و عطا ثابت کر بھر باری خلوت خاص میں باریاب ہو گا۔
مصرعہ اولیٰ میں لفظ ”فنول ساز“ اور ثانی میں کلمہ استعجاب و اضطراب ”لو“ اُن تمام آلام و آفات اور

آزمایشوں کی محل تیارچ میں جو انسان کو خیر امکان میں پیش آیا لے تھے۔

جابر ہر طرف گور غریباں کوئی کج درپیش ہے پھر کار نمایاں کوئی

شعری تعریف یہ ہے کہ کانوں کے راستے سیدھا دل میں اتر جائے، سوچنے اور سمجھنے کی مہلت نہ دے اور کا مطلع ایسا ہی ہے۔ دوسرے مصرع میں ایک گہرا طنز پوشیدہ ہے۔ تخیل کی کار فرمائی دیکھیے کہ اسی طنز پر مشق کی مغرورانہ رقابت پیش نظر ہو جاتی ہے، یعنی جا تو رہے ہیں بکیوں کی قبریں برباد کرنے اور حال ایسی پر تکبر ہے کہ گویا کوئی بڑا کام کرنے جا رہے ہیں۔ ”پھر“ کا لفظ بہت اہم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی طرح پیشتر بھی ایسے ہی مظالم ڈھلائے جا چکے ہیں۔ گور غریباں بسا لے والے اسی سراپا ناز کے کشتہ ادا ہیں۔ زندگی میں ان غریبوں کو تباہ و برباد کیا اب ان کے نشانات مزار بھی مٹا دیے جائیں گے۔ ایک کار نمایاں وہ تھا دوسرا یہ ہے۔

پہلے پیدا تو کیے دیدہ حیراں کوئی مل ہی جائیگی رو منزل عرفاں کوئی

کس قدر بلند مطلع ہے، بیشک راہ منزل عرفاں کامل جاننا آسان اور دیدہ حیراں پیدا کرنا مشکل ہے۔ یہ حیرانی وہ نہیں ہے جو جہل سے پیدا ہوتی ہے (العلم حجاب اکبر) حقیقت یہ ہے کہ انسان جس قدر علم و عرفان کے منازل طے کرتا جاتا ہے اُس کا دماغ عاجز ہوتا جاتا ہے اور آخر ایک مدام حیرت و استعجاب کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ یہ وہی حیرانی ہے کہ طالبان حقیقت اگر اس وادی میں ثابت قدم نہیں تو منزل عرفان تک رسائی آسان ہوتی ہے، بلکہ ہی حیرانی میں معرفت ہے۔ حیرت ہی ”رہرو ہے جس کی نظر سے حجابات زمان و مکان اٹھ جاتے ہیں اور جو برسوں کی راہ دم بھر میں طے کرتا ہے۔ دیدہ حیراں حقیقت جادہ و منزل سے بھی بے نیاز ہے، جس طرف نظر اٹھ گئی وہی جادہ راستہ اور ادھر ہی منزل بھی پیش نظر ہوگی۔

دوسرے مصرع میں لفظ ”کوئی“ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دیدہ حیراں پیدا کرنے کے بعد یہ پابندی نہیں رہتی کہ کسی خاص راہ سے منزل کی طرف قدم اٹھے، ہر شے منزل مقصود کا جادہ بن جاتی ہے۔ پھول کی ایک پتھری نگہ آوارہ کا ایک جھینکا، ایک ذرہ، ایک قطرہ سب منزل تک پہنچا دیتے ہیں ہاں شرط یہ ہے کہ ”دیدہ حیراں“ کی نعمت مل چکی ہو۔ یعنی غور و فکر اور نفسیاتی تحلیل کے بجائے دل کی حسالت بیاض کو سادہ چھوڑ دینے کا ملکہ حاصل ہو چکا ہو تا کہ نقوش فطرت و حقیقت از خود مہر مہر کر اپنے اسرار ظاہر کریں۔ جب عقل و شعور کی در اندازی و رنگ آمیزی نہ ہوگی تو نقوش خالص اور فطرت کے ترجمان ہو ہی وہ نکتے ہیں جن تک عام شعر کی نظریں نہیں پہنچتیں۔ اکہیات کے ان گہرے مسائل پر اس

نیز روشنی ڈالنا حضرت اثر ہی کا کام تھا۔

جوش زن خوں ہے کہ نغموں کا ہر طوفان کوئی اس طرح چھیڑ گیا تا رگ ہاں کوئی
معاذ اللہ مطلع ہے یا ایک نغمہ ناز کہ جس میں احساسات گم ہوئے جلتے ہیں، اگر دل پوری طرح متاثر
ہو جائے تو تکمیل میں شور برپا ہو جاتا ہے۔ اور دماغ میں تاروں کی سی جھنکار پیدا ہونے لگتی ہے۔ مطلب سمجھنے
اور لکھنے کا کسے یا رہا ہے۔

شاعری کا اعلیٰ کمال یہ ہے کہ شعر کہتے وقت جو کیفیت شاعر کے دل پر طاری ہوئی تھی وہی شعر سننے
وقت سامع کے دل پر طاری ہو جائے۔ اس مطلع کو بار بار ٹھہر کر پڑھیے، دیکھیے بربطِ جاں سے نغمے
بھوٹ نکلتے ہیں یا نہیں

اپنی ہی نازم تمنا میں نہیں بار مجھے خانہ دل میں ہے اس شان سے ہماں کوئی
خانہ دل میں کسی کے ہماں ہونے کا تقاضا یہی تھا کہ عاشق آپ سے بیگانہ ہو جائے ہمت کی زیرنگی
دیکھیے کہ جب معشوق کا قریب نصیب ہوا تو عاشق اپنے آپ کو بھول گیا، اس کو عشق کی غیرت کہا جائے
یا حسن کی شان بے نیازی کہ محفل یا میں خیال غیر تو کجا خود عاشق کو بھی باریابی حاصل نہیں۔
مجھ کو بھولے ہوئے ارباب وطن یاد آئے یوں سستا نہیں اے شامِ غرباں کوئی
شعر ہے یا ایک نشتر کہ دل میں چھتا چلا جاتا ہے۔ مضمون فرسودہ تھا مگر حقیقی شاعر اثر لیکے کوئی بات
کدرے اور ضائع جائے یہ ناممکن ہے۔ ”یوں“ کے استعمال میں جو قوت صرف ہوئی ہے اس کی پناہ نہیں۔ اگر
”ستائے“ کی حدیں خطِ حدِ عالمہ بیان کی جاتیں تو یہ اثر نہ پیدا ہوتا۔

اشکِ خوں زیبِ فرہ پہنڈے لے دیدہ تر اپنے ہاتھوں سے لٹاتا ہے گلستاں کوئی
شعر صاف ہے مگر اثر سے خالی نہیں، دوسرے مصرعہ کی زبان دیکھیے، الفاظ میں شہد ملا دیا ہے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دانتوں میں انگلی دبائے کہہ رہا ہے ”اپنے ہاتھوں سے لٹاتا ہے گلستاں کوئی“
”زینبِ ثرہ“ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خانہ چشم کی تمام تر زینت کا انحصار اشکِ خوں ہی پر ہے
درے درے سے بحرِ آہنگِ انا البرق بلند وادی شوق سے گزرا ہے غزلِ نوال کوئی
اس شعر میں اثرِ الجذ کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ کوئی مستانہ وار نغمہ فشاں وادی سے گزر گیا اور
اب یہ عالم ہے کہ درے درے سے شور انا البرق نہیں ”آہنگِ انا البرق“ بلند ہے۔ ہائے کیا لفظ رکھا ہے
کہ کانوں میں نغموں کی صدا آنے لگتی ہے۔ ایک طرف تو کسی کی غزلِ خوانی نے درے درے کو مغرب خوشنوا
بنا دیا دوسری طرف اُسی کے شوقِ فراواں اور گرمیِ رفتار نے آن کے پیکر میں بجلیاں بھریں اب واوی

شوق کیا ہے ایک دنیا کے نعمہ و نور ہے کہ مجسم پیش نظر ہے۔

قطرہ ہے موج بدل، موج ہے طوفان بکنار بحر ہستی کے نہیں جوش کا پایاں کوئی

زندگی کو بحر بتایا اور وہ بحر جس کا قطرہ قطرہ موج بردوش اور ہر موج طوفان در آغوش ہے، یہ فلسفہ ارتقا ہے جو خاص شاعرانہ انداز میں نظم ہوا ہے۔ برکسان مشہور عالم جرمن فلسفی لکھتا ہے کہ ”حیات جو عالم میں جاری و ساری ہے بالذات آمادہ ارتقا ہے، دنیا برائیکمیل پارسی ہے“ یہی نقطہ حضرت اثر کے پیش نظر تھا۔ قطرے اپنے دامن میں موجیں چھپائے ہوئے ہیں اور موجیں طوفانوں کی پردوش کر رہی ہیں، ہر شے ہلکتی ہوئی ہے۔ خدا جانے حیات کن کن صورتوں میں نکلور پذیر ہوگی اور دنیا ابھی کیا سے کیا ہو جائیگی۔

فلسفیانہ مضامین کے نظم کرنے میں شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ مضمون سے فلسفے کی خشکی دور کرے اور اس کے نظم کرنے میں شاعری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ حضرت اثر کے شعر میں اس خوبی کا اندازہ لگائیے، وہی دلاویز استعارے ہیں وہی دلفریب ترکیبیں اور وہی مخصوص زور بیان جو شاعری کا طرہ امتیاز ہے۔

گل نظارہ سے آغوش تماشا بھر لے دیکھتا ہے تجھے لے دیدہ حیراں کوئی

کسی کا دیدہ حیراں ہے کہ بے خبر کسی دوسرے عالم میں ہے اور کوئی دیدہ حیراں کی بیار دیکھ رہا ہے کس قدر لطیف منظر ہے، اس موقع پر دیدہ حیراں کو یہ ناکید کہ ایسے میں جلوہ جن عالم ہے جی بھر کے ہا میں لوٹ لے کیا مزہ دے رہی ہے حقیقت میں یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ ”نظارہ ز جنبیدان مژگاں گلہ دار“ نہ کہ چشم تماشا خود حیرت فروش بن جائے اور نظارہ سے کیسے محروم رہے۔

”گل نظارہ“ ”آغوش تماشا“ اور ”دیدہ حیراں“ کتنی شگفتہ ترکیبیں ہیں، ان میں سے ہر ایک بجائے خود ایک شعر ہے۔

مدعا پوچھنے والے تری باتوں کے نثار اب وہ عالم ہے کہ حسرت ہے نہ اراں کوئی

کیا کہنا، عشق کی اداس شاعری کا تقاضا یہی تھا جناب اثر زبان کے تو مالک ہی ہیں اگر مضمون بھی لطیف ہو تو نور علی لور کیوں نہ ہو جائے۔ بس پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔

بھر ٹپتے ہوئے دل ٹھہرے، ٹھہر کر ٹپے پھر ہواناز سے برہم زن مژگاں کوئی

کتنی دلکش تصویر ہے ”برہم زن مژگاں“ ہونے سے مراد آنکھوں کی وہ خواب آلود کیفیت ہے جس میں پلکیں بار بار بے اختیار جھپک جاتی ہیں۔ اگر ناز حسن سے یہ کیفیت پیدا کی جائے تو اس کی دلفریبی کا کیا عالم ہوگا۔ اس ادا کے دیکھنے والوں پر جو اثر مرتب ہو سکتا ہے اُس کے اظہار کے لئے ایک شاعر

کو شاید ہی اس سے بہتر اسلوب بیان مل سکتا ہو جو حضرت آثر نے پہلے مصرعہ میں اختیار کیا ہے۔ جب تک تیغ نگاہ کے بھر پور وار ہو رہے تھے، دل مستقل طور سے ٹپ رہے تھے۔ اُدھر مرثکان کی صفحوں میں برہمی پیدا ہوئی اور ادھر دلوں کی حرکت ایک لمحے کے لئے رک گئی سکتا سا ہو گیا، پھر پکیں سی سی ہوئیں اور پھر رقص سبل ہونے لگا۔ ”برہم زن مرثکان“ جناب ان کی مخصوص ترکیبوں میں سے ہے۔ ایک جگہ اور کہا ہے نیند کے حیلے سے وہ برہم زن مرثکان ہوا ہنشیں اب ہم یونی تر سا کر گئے خواب کو قید امکان سے بھی دیوانوں کی وحشت نہ گئی اور تعمیر ہوان کے لئے زندان کوئی کس قدر بلند مضمون ہے اور کتنی بسیاحتگی کے ساتھ نظم ہوا ہے۔ یہ شعر یوں کہنا چاہیے کہ اُس خیال کے اثرات مابعد ہیں جو اس مطلع میں نظم ہوا ہے۔

لے لیا حسن فنوں ساز نے ہمال کوئی لو چلا شعلہ بدل جانب امکاں کوئی

عالم امکاں کو زندان قرار دیا ہے کیونکہ مختلف قیود عائد ہیں حسن فنوں ساز نے انسان کو اپنا عشق دیکر کیا اس لئے بھیجا کہ امکان یا مجازی دلکشی و لفری میں الجھ کر فرمان ”اہبطوا“ کا حقیقی منشاء آشوب کر دے اور آستانِ حسن سے نیاز مندی کا بیان، وقت آزمائش غلط ثابت ہو، حسن ہنگامہ زرا کی یہ ایک ادنیٰ شونہی ہے۔ دیوانگانِ عشق آئے اور مجاز کو حقیقت کا پر تو سمجھنے لگے۔ ہر شے میں اسی نگاہ نے زکو کا فرما دیکھتے ہیں اور سر دھنتے ہیں کبھی علانیہ اور کبھی چپکے سے کہتے ہیں کہ ”حصور آپ کا منصوبہ پورا نہیں ہوا“ لہذا اب کوئی اور زندان اس زندانِ امکان سے الگ تعمیر ہو۔ گویا درپردہ بالجامہ ہے کہ ان دیوانوں کو دوبارہ حرمِ ناز میں باریابی کا حکم ہو ورنہ فتنہ و شر، شور و فساد فرو ہوتے نظر نہیں آتے، اس الجانے حسن فنوں ساز کی بات بھی رکھی۔

شہ کی بنیاد وہی عظیم الشان مسئلہ ہے کہ حسن و عشق ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

ہوش رہتا ہے بس اتنا دمِ تحریک جنوں جیسے پھینے لئے جاتا ہے گریباں کوئی

عجیب و غریب شعر ہے، ہوش و حشر اور فراوانی جنوں کی ترجمانی کے لئے اردو زبان میں شاید اس سے بہتر کوئی پیرایہ بیان وضع کیا گیا ہو۔ شعر میں اُس عالم کی مصوری کی گئی ہے جس میں جنوں کی نقطے پر پونج جاتا ہے کہ دیوانہ خود اپنی وحشت کا پردہ چاک کر لے لگتا ہے اور اُسے اس کی ہوشی نہیں ہوتی کہ یہ کس کا فعل ہے، بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ کوئی دوسرا ایسا کر رہا ہے۔ شعر کی لطافت و راز اسی نکتے میں پوشیدہ ہے کہ جو بات ہوش کی علامت بتائی گئی ہے وہ خود بے ہوشی کی دلیل ہے لہذا کو ہوش کے عالم میں یہ محسوس ہوتا ہو کہ جیسے کوئی کہ یہاں پھینے لئے جاتا ہے۔ اُس کی ہیوشی

کا کیا ٹھکانا ہوگا، پھر طبعی ہوئی وحشت سے جو خلش سی دل میں پیدا ہو اُسے ہوش سے تعبیر کر دینا حضرت اثر ہی کا کام تھا۔ احساسات کی یہ نزاکت ایک فطری شاعری میں پائی جاسکتی ہے۔ دیکھیے گریبان کا مضمون اردو شاعری میں کس قدر پامال ہے لیکن جو شعر تقلید سے بیگانہ ہیں وہ ہر جگہ نازکی و جدت پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ جدت اداسی کا افسوں ہے جس نے اس پیکرِ مردہ میں از سر نو روح بھونک دی۔ شعر میں ”تحریک جنوں“ کا لفظ خاص ہے۔ اس سے وہ کیفیت پیش نظر ہو جاتی ہے جب طبیعت قابو سے باہر ہو جائے اور ہاتھ بلا ارادہ گریبان کی طرف بڑھنے لگے۔ خود لفظ تحرک میں یہ جادو موجود ہے۔ تحرک اور گریبان چھیننے میں جو معنوی ربط ہے وہ الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔ ذرا اور گہرا نظر سے دیکھئے تو اس لفظ کی کارفرمایاں معلوم ہوں، گویا جنوں ایک ساکت سمندر ہے جس نے کیا ایک سائنس لی کروٹ بدلی اور جزروید پیدا ہو گیا، اب جوشِ جنوں کا یہ عالم ہے کہ خود ہی اپنا گریبان چاک کئے ہیں اور دھوکا یہ ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص ہمارا گریبان چھیننے لئے جاتا ہے اور ہم اس کا ہاتھ پکڑ رہے ہیں یعنی اس کو اس فعل سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔

دیکھیے تو اندازِ بیان نے فنا کا کیسا وجہ دکھایا ہے۔ خودی نہیں بلکہ احساسِ خودی فنا ہو رہا ہے، مگر ہنگامِ فنا بھی خودی اپنا اقتدار قائم رکھنا چاہتی ہے۔ یہ معمولی خودی نہیں ہے جو مائل بہ فلسفہ بلکہ اس میں جذبہ خودداری بھی شامل ہے، ایسی خودی کو بھی نذر فنا کر دینا جس قدر مشکل اتنا ہی بصیرت افزا ہے۔ لفظ ”جیسے“ یہ نکتہ ہے کہ بیان واقعہ سے کیفیتِ قلب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، دل پر ویسی ہی حیرت و وحشت طاری ہے جو اُس وقت طاری ہوتی جب کوئی دوسرا شخص گریبان چاک کرتا۔ یہ نفسیات کے کیسے باریک مسائل ہیں اور فطرت کے کس قدر نازک پہلو۔ یہ مصوّر کا کام نہیں کہ وہ پردہ تصویر پر ان لطیف جذبات و احساسات کی ترجمانی کر سکے۔ یہ شاعری کا کمال ہے کہ وہ قلبِ انسانی کی عمیق ترین گہرائیوں سے ان سرستہ راز و دن کو معلوم کرے اور اپنے اشعار میں اُن کا حل پیش کرے۔

کارفرما وہ نگاہ غلط انداز نہیں آہ کیہ نکر جو حریفِ غم نہاں کوئی

معشوق کی نگاہِ غلط انداز کے ٹھوکوں سے عاشق کے دل میں ہر گھڑی غمِ عشق برداشت کرنے کا تازہ جرات پیدا ہوتے رہنا کس قدر نازک بات تھی۔ ایک باریک بین شاعر نے اس کی گرفت کر لی اور کس اثر آفرینی کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال دیا۔ مطلب یہ ہے کہ دل غمِ الفت اٹھانے کے لئے محبوب کے ذرا سے التفات کا سہارا ڈھونڈتا تھا۔ چاہے وہ نگاہِ غلط انداز ہی کی صورت میں کھول نہ ہوتا۔ اب اتنا سہارا بھی نہیں تو دل ہمت ہارے دیتا ہے اور عاشق ہے کہ بیتاب ہو جاتا ہے

وہ چاہتا ہے کہ کوئی تو ایسی سبیل نکلے کہ یہ دولت ہاتھ سے نہ جائے پائے۔
 شعر میں کس قیامت کا اثر ہے، معلوم ہوتا ہے کوئی تڑپ رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔
 کار فرما وہ نگاہ غلط انداز نہیں آہ کیونکر ہو حریف غم بہاں کوئی
 یہ بات "آہ" کے صرف سے پیدا ہوئی۔

عدل کے بدلے طلب ہوتی ہے میزانِ کرم پیش کر نیکو ہے بے برگی عصیاں کوئی
 میزانِ عدل میں دوپٹے ہونگے، ایک طرف اعمال نیک رکھے جائیں گے، دوسری طرف افعال بد یہاں
 اعمال نیک کا توپہ ہی نہیں (بے برگی عصیاں سے اشارہ ہے) پھر میزانِ کرم کیوں نہ طلب ہو جو اس مقدار
 غیر مثبت کا وزن بھی کر سکے۔

طبعِ آئینہ رحمت و عصیاں کے جادے میں بھی خوب خوب جولانیاں دکھائی ہیں۔ اگر اس عنوان کے
 ماتحت اُن کے منتخب اشعار جمع کئے جائیں تو ایک نادر ذخیرہ فراہم ہو جائے مثلاً
 تیری مرضی ہو جہاں بھیجے لے داؤدِ خشر مجھ سے دُہرائی نہ جا بیگی خطائیں اپنی
 نہ پڑھ فردِ عمل میری کچھ ایسے ہی معاصی ہیں کہ تیرے عفو کا اے میرے مالک امتحان ہوگا
 چشمِ عصیاں سے ڈھلک کر دامنِ رحمت میں تھا لغزشِ مستانِ اشکِ ندامت دیکھئے
 اک نظر اور تری شانِ کرمی کے شمار یاو عصیاں کی ابھی دل سے فراموش نہیں

خود بخود اشک بھرے آتے ہیں آنکھوں میں آثر شاید اب دل میں نہیں داغ فروزاں کوئی
 آنکھوں میں آنسوؤں کا آنا اس بات کی علامت ہے کہ دل کے سب داغ کچھ چکے ہیں۔ ورنہ اگر ایک
 بھی باقی ہوتا تو اس پانی کو جلا دیتا۔ وادیِ عشق میں یہ وہ منزل ہے جہاں بیدلی کا عالم ہوتا ہے آنکھوں
 میں اشک بھر گئے کو عام طور سے زندہ دلی کی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت آثر نے اس کو پُر دلی
 قلب کی نشانی بتایا ہے اور عدمِ داغ کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دل میں اب پہلا سرا
 ہوز کہاں، ورنہ اس کے کیا معنی کہ آنکھ تک آنسو آئیں اور دھواں نہ بن جائیں۔
 ایک مقطع اور ہے۔

ہے بڑی چیز آثرِ محرمیِ عشق و جنوں پہلے سمجھ تو سہی رازِ گریباں کوئی
 یعنی عشق و جنوں کی ظاہری علامت گریبان ہے جو بجائے خود ایک ایسا راز ہے کہ جس کا سمجھنا سوا
 ہے ہر شے ایک پردہ نظر آتی ہے جس کے چاک کرنے کو بھی چاہتا ہے۔ مگر ایک جواب اٹھتا ہے دوسرا

پیدا ہوتا ہے۔ حرم عشق و جنون تک رسائی بغیر چاک گریباں دشوار ہے۔

شعر میں گریبان کی حقیقت بتائی ہے، یہ چار گرہ کپڑا نہیں ہے بلکہ حجابات شہود و تعین ہیں۔ انسان ان کو تو پہلے اٹھالے پھر اسرار عشق سمجھنے کا مدعی بنے۔

ادب کے اشعار میں نے اُن چند خوبیوں کی طرف اشارے کئے ہیں جو صرف نچتہ کار اور اعلیٰ شعرا ہی کے کلام میں پائی جاسکتی ہیں۔ بندش کی جستی، زبان کی روانی، روزمرہ کی چاشنی، ردیف کی قافیے سے پوسنگی اور دیگر معمولی باتوں کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ یہ تو وہ راہیں ہیں جہاں سے ہر شاعر گزرتا مگر ذریعہ لیکن حضرت آثر اب اس منزل پر پہنچ چکے ہیں جہاں ان خوبیوں کا تذکرہ اُن کے لئے باعث ناز نہیں ہو سکتا۔

لالہ رام دیال اگر والا کی ہندی مطبوعات

حال میں راجیہ صاحب لالہ رام دیال صاحب پبلشر و بک سیلر لاہ آباد نے ہندی کی کئی قابل قدر کتابیں شائع کر کے ہندی ادب کی توسیع و ترقی میں خاص حصہ لیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہندی میں عام معلومات کی کتابیں آئے دن شائع ہوتی رہتی ہیں، کیا اچھا ہو کہ قدر شناسان اردو بھی اس طرف توجہ کر کے اردو ادب کی موجودہ کمی کو پُر کر کے کی کوشش کریں۔ ابھی تک اردو میں نئی معلومات کا ذخیرہ بہت ہی کمیاب ہے۔ یہ تینوں کتابیں یعنی ”سندر پروجے“ ”والیو پروجے“ اور ”پرکرت کی برلے“ مشہور مصنف شربان جلیپتی جترویدی کی تصنیف ہیں اور تینوں باتصویریں جس کی وجہ سے انکی جچسپی بہت بڑھ گئی ہے، ان کی عبارت سلیس اور طرز بیان نہایت آسان ہے اور کم عمر والے بچے بھی ان کو پڑھ کر معلومات حاصل کر سکتے ہیں، قیمت بھی زیادہ نہیں ہے، اول دو کتابوں کی قیمت ایک روپیہ فی کتاب اور تیسری کتاب کی قیمت صرف دس آنہ ہے۔ لالہ رام دیال صاحب نے اسی مصنف کی ایک اور قابل قدر کتاب ”اوبھت مہارنش“ بھی شائع کی ہے جس میں گیلیلیو، نیوٹن، ایڈسین، اور بوس وغیرہ نامور سائنسدانوں کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں اور ان سب کی تصویریں بھی دی گئی ہیں قیمت ۱۰ روپے ”ابھیمینیو بدھ“ شریتر راجندر شکل سرس کی دسپ منظوم تصنیف ہے، خود مصنف کا نام اس کتاب کی عمدگی کا ثبوت ہے اس کا حجم ۶۵ صفحات اور قیمت ۸ روپے۔ شایقین راجیہ صاحب لالہ رام دیال صاحب بک سیلر کٹرالاہ آباد سے طلب فرمائیں۔

منقید کتب

رس یعنی فلسفہ انبساط
مسنفہ مولوی حبیب الرحمن شاستری سنسکرت لیکچرار مسلم یونیورسٹی کالج علی گڑھ
ڈیوانی سائز ۸۴ صفحات جلد قیمت پچاس روپے کاغذ درجہ اول پیر درجہ دوم عدد
ملنے کا پتہ: ارشاد اینڈ کو، چوک بازار علی گڑھ۔

رس اردو دال حضرت کے لئے غالباً نیا موضوع ہے اور اس کی حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہونگے، لہذا مندرجہ بالا کتاب پر تبصرہ کرنے سے پہلے رس کے معنی اور اسکی اہلیت کو ذہن نشین کر لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ رس سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور انبساط یا لطف کے معنی میں مستقل ہوتا ہے لیکن اس لطف یا لذت کو جو مادی ہو رس نہیں کہا جاتا بلکہ اس و جہانی کیفیت کو کہتے ہیں جو کسی دلکش منظر کے دیکھنے یا پر لطف اشعار کے سننے سے انسانی قلب میں پیدا ہوتی ہے اور اس کتاب میں اُسی کیفیت کی تشریح کی گئی ہے اور اس کو ایک ربانی پرتو اور ذاتی تجلی بتلایا گیا ہے

دیباچہ اور تمہید کے علاوہ اس کتاب میں نو باب ہیں جن میں رس کے متعلق مختلف العقائد حضرات کے عقیدہ، ان پر تبصرہ، رس پیدا کرنے کے محرک، ان کا اثر، منقبات، جذبات مستقل، رس کی قسمیں، رس کے مائل اور رس کی حقیقت پر پڑی دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ جا بجا سنسکرت کے حوالے حاشیہ پر درج ہیں اور ان کا ترجمہ متن میں موجود ہے۔

چونکہ اینٹنڈ کے خیال کے مطابق رس خود خدا ہے اس لئے دیباچہ میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور آخری باب میں یہ ثابت کیا ہے کہ واقعی حقیقی مسرت یا قلبی لذت ایک پرتو ایزدی ہے۔

اس کتاب کا موضوع بالکل جدید ہے، اردو میں اب تک غالباً کوئی کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی مصنف مستحق ستائش ہیں جنہوں نے سنسکرت، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد اس مضمون پر یہ کتاب لکھی ہے جو اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ فلسفیانہ مباحث کے باوجود یہ کتاب اس قدر دلچسپ ہے کہ ابتدائی حصہ کو غور و تامل کے ساتھ پڑھنے کے بعد ناظرین کتاب

کو ختم کئے بغیر چھوڑ نہ سکیں گے۔ کیونکہ رس کے محرکات اور اثر وغیرہ کے سلسلہ میں سنسکرت ادب سے جو مثالیں دی گئی ہیں وہ بے حد دلکش ہیں، مصنف کا طرزِ تحریر سلجھا ہوا ہے، عبارت دلنشین ہے غرض ہر حیثیت سے یہ کتاب لائقِ مطالعہ ہے اور مصنف کا یہ خیال کہ ”رس کے مضمون کی حدت، تحقیقانہ بلند پروازی، شاعرانہ نازک خیالی، سنسکرت شعر کی فطری اور دلآویز مضمون آرائی مسلمان طلباء کے قلوب میں بھی علم سنسکرت کا دونا پیدا کرنے کا ایک بہت بڑا سبب ہوگی۔“ صحیح ہے کیونکہ ہندی اور سنسکرت کی شاعری میں بکثرت ایسی دلچسپ باتیں موجود ہیں جن کو اردو داں حضرات بالکل نہیں جانتے۔

کتاب کے آخر میں اس کتاب کے متعلق سنسکرت کے ماہرین کی رائیں درج ہیں اور ہر شخص نے مصنف کی کوشش کی داد دی ہے اور اسکو ہندو مسلم اتحاد کا پیش خیمہ کہا ہے۔
ہم مصنف کو یہ قابلِ قدر کتاب لکھنے پر مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اردو داں ہندو مسلمان حضرات اس کے مطالعہ سے کافی فائدہ اٹھائیں گے۔

از مولانا عبد الماجد بی۔ اے۔ - کراؤن سائز ۱۸۵ صفحات

مبادی فلسفہ

ٹٹنے کا پتہ: معارف پریس اعظم لکھنؤ

اردو کے مشہور مصنف مولانا عبد الماجد بی۔ اے (دربا بادی) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں آپ کی متعدد کتابیں شائع ہو کر قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں، خصوصاً ”فلسفہ جذبات“ و ”فلسفہ اجتماع“۔ یہ کتاب فلسفہ کی پہلی کتاب ہے اور چند قدیم متفرق فلسفیانہ مقالات کا مجموعہ ہے جو نظر ثانی اور ضروری ترمیم و اضافہ کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ دیباچہ کے علاوہ اس میں چھ باب ہیں (۱) فلسفہ و مذاہب فلسفہ پر ایک نظر (۲) بل کی منطق (۳) مقدمہ مکالمات برکے (۴) عادت و فلسفہ عادت (۵) نفس و مفردات نفس (۶) ماہیت جذبات۔ ابواب کے عنوانات سے ان کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

زبان و بیان کے لحاظ سے یہ کتاب صاف و سلجھی ہوئی ہے، اس کی عبارت میں وہی دلکشی ہے جو مصنف کا طرزِ امتیاز ہے۔ قیمت کتاب پر درج نہیں ہے۔

سہاگ اتیاہورانی کو سیکھ
مصنف پنڈت کرشن کانت مالوی، کراؤن سائز مترجمہ سچو دھری جگت
موبن لال صاحب رحمان حجم ۲۶۵ صفحات، جلد، قیمت یہ
ٹٹنے کا پتہ: - میجر ایشیو دپہ پریس، الہ آباد

یہ کتاب پنڈت کرشن کانت صاحب مالوی نے لڑکیوں اور نئی دہلیوں کے لئے ہندی زبان میں لکھی تھی جو بہت مقبول ہوئی اور اب اس کا ترجمہ ہمارے مکرم چودھری جگت موہن لال صاحب روال ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے مصنف کی خواہش پر اردو میں کیا ہے۔ اس کتاب میں شادی کے بعد عورت اور مرد کے فرائض نہایت وضاحت کے ساتھ دلچسپ پیرایے میں بیان کئے گئے ہیں اور عورت کس طرح شوہر کو اپنا گرویدہ بنا سکتی ہے، جسم کی صفائی حسب منشاء اور کایا لڑکی پیدا کرنا، بچوں کی حفاظت، ایسی چیزیں جو محل قرار نہ پائے، اس قسم کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور عصمت و پاکدامنی پر بھی بحث کی گئی ہے غرض شادی ہونے کے بعد عورت کو جس قسم کے معلومات کی ضرورت ہوتی ہے یا جو باتیں پیش آتی ہیں ان کے متعلق تمام ضروری ہدایات اس میں درج ہیں۔

مصنف نے کتاب کو دلچسپ بنانے کے لئے تمام مسائل پر غلط و کتابت کے ذریعہ سے اظہار خیالات کیا ہے یعنی ایک شادی شدہ عورت اپنی دوسری بہن کے نام جس کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے جو غلط لکھتی ہے ان میں تمام باتیں بتلا دیتی ہے۔ ترجمہ کی زبان بے حد سادہ ہے کہ معمولی لکھی پڑھی لڑکیاں بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتی ہیں، اس کے ساتھ ہی قابل مصنف کا انداز بیان بھی نہایت لطیف و دلچسپ ہے۔ یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے مگر لیتھو کی طرح کمزورنگ کی اکثر غلطیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً دلچسپ کو تھیرنا بریکر دلچسپ کمپوز کیا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر اختصار سے بھی کام لیا جاسکتا تھا، اور بعض اوقات ایک ہی بات کو مختلف مترادف الفاظ یا جملوں میں دہرایا گیا ہے، شاید اس وجہ سے کہ خطوط میں بے تحلف گفتگو کی نشان پیدائی گئی ہے۔ زن و شوہر کے تعلقات کے متعلق نہایت گانڈھی کے نظریہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ پہلے ملک ممکن ہو زن و شوہر کو صرف بھائے نسل کی غرض سے یک جا ہونا چاہیئے اور زیادہ بچے بھی نہ پیدا کرنا چاہیئے۔ اس کو اعتراض ہے کہ یہ نظریہ عوامانہ نہیں کیا جاسکتا تاہم ان کی رائے میں آج کل ہر سمجھدار آدمی کو اس کی خاص طور پر کوشش کرنا چاہیئے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے روز افزوں افلاس اور بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھتے ہوئے اہل ملک کو ان تدابیر کی طرف خاص طور پر متوجہ ہونے کی ضرورت ہے جن کی بدولت فی زمانہ اہل یورپ کثیر الاولاد کی مصیبت سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہندوستان میں کسی زمانہ میں اولاد کی زیادتی کو لوگ باعث برکت سمجھتے تھے لیکن اب وہ زمانہ نہیں رہا۔ اب سیاسی و تمدنی وجوہ کی بنا پر اس نظریہ میں تبدیلی کی اشد ضرورت ہے اور دیگر ملکوں کی طرح یہاں بھی اس کا خاص پروپیگنڈہ ہونا چاہیئے۔ اس تصنیف کے ذریعہ نوجوانان ملک کے روبرو اصلاح معاشرہ کے یہ تمام مسائل پیش کر دئے گئے اور ہم کو امید ہے کہ اردو دال جماعت اس ترجمے سے پورا فائدہ اٹھائیگی۔

مترجمہ کدرا تہ صاحب خورشید چھوٹی نقیض ۹۰ صفحات مجلد قیمت ۸

عورت اور مرد کے تعلقات

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس چھوٹی سی کتاب میں مشہور روسی فلاسفر و مصلح قوم ٹالسٹائی کے ان خطوط اور روزناموں کے دلچسپ اقتباسات و مضامین کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے جن میں مصنف نے عورت و مرد کے تعلقات پر اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ عورت و مرد کے باہمی تعلقات کے متعلق ٹالسٹائی کی رائے نہایت سخت ہیں، وہ دراصل برہمچریہ اور مجرد کے قائل و حامی ہیں۔ ٹالسٹائی شادی یا مناکحت کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں، اور مرد و عورت دونوں کے لئے نفسانی جذبات پر قابو رکھنے کی تاکید کرتے ہیں اور شادی کی اجازت بدرجہ مجبوری دیتے ہیں اس حالت میں بھی ٹالسٹائی کی رائے میں میاں بیوی دونوں کو کسی طرح بھی اپنی خواہشات کا شکار نہ بننا چاہیے بلکہ رسول میں ایک آدھ دفعہ خواہش پوری کرنی چاہیے۔ ٹالسٹائی یوہین ہمالک کے مرد و عورت کو رٹ شپ کو بہت بُری نظر سے دیکھتا ہے۔ بہر حال شروع سے آخر تک انھوں نے تامل کی زندگی کو پسندیدہ نہیں فرار دیا ہے بلکہ عورت و مرد دونوں کے لئے مجرد رہنے کی تلقین کی ہے، مہاتما گاندھی بھی بہت حد تک ٹالسٹائی کے موافق ہیں اور انھوں نے بھی اپنی کتاب شاہ راہ صحت میں اسی قسم کی باتیں لکھی ہیں، اس میں تو کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ خواہشات نفسانی کو دبا نا ہر طرح مفید ہے لیکن عام آدمی کے لئے ان نصائح پر عمل کرنا اگر نامکن نہیں تو مشکل ضرور ہے لیکن عورت مرد دونوں تھوڑی سی کوشش میں یہ بات آسانی سے کر سکتے ہیں کہ نفسانی خواہشات کے غلام نہ بنیں اور تامل کی زندگی بھی احتیاط کے ساتھ بسر کریں۔ بہر حال اردو دلائل جماعت کے لئے یہ ایک نیا نظریہ ہے اس لئے اس کتاب کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

مترجمہ مولانا ابوالبلاغ علاؤ الدین قادری ایم۔ اے۔ مرحوم۔ کراؤن سائز ۴۴ صفحات قیمت ۱۱

صفیدہ

مترجمہ کاچہ: منیر دارالبلاغ، ملتان اسٹریٹ، لاہور

یہ وہ نایاب شے ہے جس میں میر وزیر علی قسبا لکھنوی نے جان عالم و اجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ کے امرائے دربار نواب محسن الدولہ بہادر و نواب منور الدولہ بہادر کی ہم صفید و شکار کے دلچسپ حالات نظم کئے تھے اور مرتب مرحوم نے ایک قلمی نسخہ سے اس کو مرتب کر کے بعد تصحیح و تحقیق شائع کیا تھا شروع میں ایک مبسوط دیباچہ ہے جس میں شہنوی پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ضمناً شعر و شاعری کے متعلق ضروری و مفید باتیں لکھ دی ہیں۔ دیباچہ اور اصل شہنوی میں جن جن حضرات کے نام یا تعلیمات آئی ہیں ان کے متعلق ضروری نوٹ حاشیہ پر لکھ دیئے ہیں اور اس طرح دیباچہ اصل شہنوی سے زیادہ دلچسپ و کارآمد ہو گیا ہے۔ اسید ہے کہ شعر و سخن کے دلدادہ اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

کلام جوش

(از حضرت جوش ملیح آبادی)

اے حاجبوا!

خدا کے واسطے اے حاجبوں نہ دیر کرو
کہ پھر کوئی وطن آوارہ و جگر افکار
جگر کو خون کیے سختیاں اٹھائے ہوئے
دھڑک رہا ہے کلیجہ ہر ایک آنسو میں
جہیں کے نقش میں رنگِ سجد بھرنے کو
مرارِ فراق نہیں کوئی بھی حسد رائی میں
حریمِ ناز میں کوئی پکار کر کہہ دو
ملول و میکس و مجنون و عکس و بیمار
درِ حضور پہ حاضر ہے سر جھکائے ہوئے
پکارتا ہے کہ اب دل نہیں ہے قابو میں
ہوا ہوں دور سے حاضر سلام کرنے کو
زمین جگہ نہیں دیتی تری جدائی میں

قنا کا جام اب ان آنکھوں سے پینے دے
نظر وہ ڈال جوابِ جوش کو نہ جینے دے

مغموم درخت

سڑک، غلغلہ، شور، ہچل، غبار
کوئی ہے کہ اندر راہِ سوز و گداز
دور و یہ درختوں کی سیدھی قطار
سنے ان درختوں کی کلیوں کے ساز

اسی طرح اس مادی عہد میں
کہاں دل کہ شاعر کے نغمے سنیں

بست

(از منشی شہام موہن لال جگر بریلوی - بی - اسے)

لو آگیا پھر بست بچو
ہے صبح کا وقت کیا سماں ہے
کیا خوب ہوا ہے بھینی بھینی
نمھی جڑیاں بھدک رہی ہیں
پھلے ہیں نظر کے سامنے کھیت
سبب جو پڑی نکھر گئے ہیں
پتی پتی کو دھو گئی ہے
گیہوں جو میں ملی ہے سرسول
سرسول ہے دور تک برابر
سرسول سے پھن بست کی ہے
اسی سرسول کی ہے سہیلی
ہیں پھول مٹر کے کیسے خوش رنگ
آموں کے شجر پر آگیا بور
کیا فصل بہار لائی ہے راگ
جنگل کا سنگار کچھ نہ پوچھو
ہر سو ہیں کھلے ہزار ہا پھول
خوشبو سے لسا ہوا ہے جنگل

جنگل میں چلو بہار دیکھو
نیلا شفات آسماں ہے
خٹکی بھی ہے اور تازگی بھی
کیسی خوش ہیں چمک رہی ہیں
کیسے دلکش ہیں یہ ہرے کھیت
سو بج چمکا سنور گئے ہیں
سبب موتی پر دگنی ہے
پیلی پیلی اگلی ہے سرسول
سبزہ اوڑھے ہے زرد چادر
سرسول سے زمیں دھن بنی ہے
پھولی ہے بغل میں نیلی نیلی
آنکھیں ہوں گلابی جیسے خوش رنگ
جیسے دھلکے سر یہ ہومور
ٹیسو پھولا تو لگ گئی آگ
پھولوں کی بہار کچھ نہ پوچھو
خوشبو خوش رنگ خوشما پھول
گلزار بنا ہوا ہے جنگل

عالم میں کہاں ہیں یہ بہاریں
پیدا ہیں جو ہند کی زمیں میں

حضرت موسیٰ اور ایک سائل

(از منشی بشیشور پشاد منور لکھنؤی)

ایک مرد ذکی فہیم ہیشیار
محروم فراغ بالیوں سے
بے مے کا ایاغ ہو رہا تھا
جلتا تھا دیا نہ اُس کے گھر میں
مفقود تھا زندگی کا جوہر
تا باں نہ تھی شمع انجمن میں
رہتا تھا خطِ حبیب سے دلگیر
پارے کی طرح جاگ رہا تھا بے تاب
نظارہ کی راحتوں سے محروم
مالوس تمام نعمتوں سے
اک روز غریب تنگ آکر
تدبیرِ خجسات یوں نکالی
ہیں آپ نبی پاک اکرم
ذاتِ الٰہیہ باعثِ تاز
عجب پر کچھ آپ کا کرم ہو
ورگاہِ خداے خجسہ و بریں
افلاس لئے کر دیا ہے معذور
آنکھوں کو روشنی عطا ہو

لیکن بے زر غریب نادار
مغموم شکستہ حال یوں سے
مغلس کا چہرہ غمور رہا تھا
دنیا تار یک تھی نظر میں
راحت نہ تھی جان کو میسر
خنداں نہ تھا رے گلِ چین میں
حرفِ اولاد تھا نہ تحسیر
آئینہ قلب میں نہ تھی آب
رہتا تھا دام زار و مسموم
عاجز اپنی مصیبتوں سے
پہونچا موسیٰ کے پاس جا کر
کی عرض کہ اے جنابِ عالی
عرفان کے پیشوائے اعظم
خاصمانِ خدا میں خاص ممتاز
سامانِ سکونِ دل بہم ہو
یہ تین سوال پیش کر دیں
جلدی سے بلا یہ سر سے ہو دور
سرِ مایہ زندگی عطا ہو

اولاد کا رنج دور ہو جائے
حضرت نے سنی جو حالت زار
بولے نادان تم ہو کتنے
مکن نہیں آرزو بر آئے
کرتے فقط اک سوال اگر پیش
موسیٰ کا جواب سن کے سائل
میں حکم جناب سے ہوں مجبور
دیکھا میں کروں یہ روزِ منظر
اک بار گر فلکِ رسا میں
ہونا شستہ و طعام سے سیر
موسیٰ پابند تھے سخن کے
پہلے جو کچھ طلب کیا تھا
وعدے سے تھے آپ اپنے مجبور
درگاہِ کریم میں دعا کی
تھے صدق و صفا اثر سے ہمدوش
سائل کی طلب ہر اک برائی
دیکھا قسمت سے منہ پسر کا
دل صورتِ گلستاں ہر تھا

اس شمع سے گھر میں نور ہو جائے
تھا انکی زباں پہ حرفِ انکار
اک منہ سے سوال اور ملتے
خالق روئے طرب دکھائے
ہوتا منظور وہ کم و بیش
یوں عرض سخن پہ اب تھا مائل
صرف ایک ہی التجا ہو منظور
اک نور نگاہ صاحبِ فر
سونے کے ظروف بے بہا میں
ہو نعمتِ صبح و شام سے سیر
نقشِ حیرت بنے ہوئے تھے
اب تک مشمول التجا تھا
کرنا ہی پڑا سوال منظور
سائل کی طرف سے التجا کی
رحمت ہوئی اُسکی مائلِ جوش
کھوئی ہوئی پھر نگاہ پائی
روشن تھا اب چراغِ گھر کا
دولتِ ثروت سے گھر بھرا تھا

سائل کی بھی آن رہ گئی یوں
موسیٰ کی بھی شان رہ گئی یوں

(از جناب بسمل الہ آبادی)

دورِ سحر و شام سمجھتا ہوں میں
جینا ہے تو مرنا بھی پڑے گا بسمل
رازِ غم ایام سمجھتا ہوں میں
آغاز کو آغوشِ م سمجھتا ہوں میں

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی سالگرہ

از مسرتستہ پرشاد قدا، بی۔ اے،

عالم میں کس کی سالگرہ کی ہے دھوم دھام
تقریب کیا ہے آج کہ دو شیزہ ہزار
کیوں گار ہے میں باغ میں مرغان خوش گلو
فطرت کی دلفریباں کیوں جونوں پہ ہیں
زگس، گلاب، جوہی، چنبیلی، کہ موتیا
شتر برس کے سن پہ مشرف ہوا ہے کون
بس ہو گیا ہے حال مرے دل پہ آئینہ
فطرت میں سب اُسی ہی کے اغرائیں ہیں جن
فطرت کو ہے عزیز کہ اُس کا تمام عمر
ناروں کے دل کی بات سمجھنے کے واسطے
راہ حیات اُس نے سنا جو ہمارے
آنکھوں کے تل میں اُس نے بٹھائی ہے کائنات
حاصل کیا عبور وہ اسرارِ عشق پر
خاروں کو اُس نے پھول کا زیور بنا دیا
ذرے کو آفتاب سے ایسا ملا دیا،

پیش نظر ہے کس کا زمانے کو استہرام
دوش صبا پہ لائی ہے پھولوں کے بھر کے جام
جنگل میں مورناچتے پھرتے ہیں خوش خرام
کیوں شور کر رہی ہیں بسا ندیاں تمام
مرکار ہے ہیں کس لئے آفاق کا مشام
کس کی بلائیں لینے لگا ہے مرا کلام
ہاں واقعی مسرت و ہجرت کا ہے مقام
معروف جس کا نام ہے ٹیگور نیک نام
دید طلسم جلوہ فطرت رہا ہے کام
باغوں کے جلگنوں سے رہا ہے وہ ہم کلام
شمس و قمر سے لیتا رہا درس صبح و شام
روشن کیا چکور کے دل میں مہ تمام
بلبل کے ہاتھ پھول کو بھیجے کئی پیام
چشم غزال سے کیا صیدا فلول کو رام
زرہ بھی آفتاب پہ پھیلا رہا ہے دام

بروز فکرتاں سرد رہ سے کم نہیں
 فن سخن کو عیش سے تشبیہ دیں اگر
 اس کا کلام کیا ہے شرارے میں عشق کے
 انسان کو اُس کے دم نے فرشتہ بنادیا
 طول کلام عیب میں داخل ہے اے خدا
 فرض محال زور لگائے بھی تو اگر
 بہتر ہے اب کہ دست دعا کو دراز کر
 جب تک ہے رنگ و بو کی کشش اہل فکر کو

ٹیگور کا کلام ہو تب تک غزلے جاں
 زندہ رہے جہان میں ٹیگور کا پیام

نوروز

(از سید اعظم حسین مدیرِ ادب)

سرت سے ہیں زمین آسماں
 درختوں سے فطرت نے پھیلا ہے رنگ
 گلوں کی قبائیں گلابی ہوئیں
 معطر ہوا باغ اس طور سے
 ہو اعتدل پھر سنک کر چلی
 زراعت بھی کھیتوں میں تیار ہے
 ہر اک نخل گلزار گل بوش ہے
 زباں پر پیسے کی ہے "نی کسان"
 عجب دلوں نے ہیں انگلیں عجب
 مشاور سب روئیں گرداب میں
 بہ سرعت رنگوں میں لہو ہے نواں
 نگار تمنا دل انسر دز سے
 لگا ہوئے رہ رہ کے جی بے قرار

رنگا ہے نئے رنگ میں کل جہاں
 ہر اک شاخ پر سبز پھینکا ہے رنگ
 تو کچھ اور پھولوں کی آبی ہوئیں
 اڑیں خوشبوئیں ام کے پور سے
 چٹک کر مٹنے لگی ہر مکی
 کسانوں کی گرمی بازار ہے
 دلوں میں برندول کے بھی جوش ہے
 درختوں پہ گول ہے گرم فغاں
 عجب مستیاں ہیں رنگیں عجب
 نئے زور پیدا ہیں اعصاب میں
 کوئی دل نہیں تپتا ہے پھر چٹکیاں
 مرے ساز میں بھی نیا سوز ہے
 تقاضا ہے پھر ہو کوئی ہمکنار

محبت کی تجدید نوروز ہو
 وہ آئیں تو نوروز نوروز ہو

لطف سخن

(از لسان الہند حضرت عزیز لکھنوی)

حسن عالم سوزنا محدود ہونا چاہیے
ایک ہی جلوہ ہے جب نگاہ آئے شہود
حسن عالم ساز کا فیض تجلی عام ہے
بے نیازی! اب خطا کاروں کی ہمت بڑھ گئی
حسن نیت ہے دلیل حسن انجام عمل
شانہ و آئینہ کیا اے زلف شکن ایاز
ہر تجلی آفتاب آلود ہونا چاہیے
پھر وہی شاہد وہی مشہود ہونا چاہیے
ایک اک ذرہ یہاں مسجود ہونا چاہیے
باب تو بے کچھ دنوں مسدود ہونا چاہیے
سسی میں بھی جلوہ مقصود ہونا چاہیے
تیری زینت کو دل محمود ہونا چاہیے

کاش شتر گال کا پیہم یہ تقاضا ہے عزیز

ہر نفس کو تیرے خون آلود ہونا چاہیے

(از لسان الملک حضرت ریاض خیر آبادی)

نالہ نعمت بنے فریاد نہ منسریا رہے
ہو کے آزاد تیرے دامن صیاد رہے
کبھی خالی نہ ہو یہ گھر یونہی آباد رہے
صدقے لے تیرے فکں آئے نہ آئے دل میں
ہر گھڑی ساتھ ہے کیوں ابرو قاتل کا خیال
میں وہ بیل ہوں کروں ام محبت میں اسیر
ہمیں گلشن سے سوا ہے کہیں الفت اسکی
کیجئے کیا اسے رفتار زمانہ ہے یہی
کوئی کتیا یہ گزرتا ہے ادھر سے ہر روز
کس قدر بہن اتر انداز تبارک کافر
کوئی کہہ جائے کہ ناشاد مرا شاد رہے
گھر میں صیاد کے جیتک رہے آزاد رہے
شوق سے تیری طرح دلیں تری یاد رہے
تیری چٹکی میں یونہی ناوک بیدار رہے
میرے سر پر لئے تلوار نہ جلا د رہے
چارہ روز میں صیاد نہ صیاد رہے
ہم نہ ہوں تو بھی اتنی نفس آباد رہے
پایکل سرو رہے اور پھر آزاد رہے
ہم رہیں یا نہ رہیں میکدہ آباد رہے
اگلے دن ملتے ہیں بہت ہی جو خدا یار رہے

لائے کا پھول بنے داغ بنے رنگ بنے
چڑیاں کیسی خاکیا یہ زمانہ وہ ہے
دامن کوہ میں خون سرفراہ رہے
گورے ہاتھوں میں ترے خنجر فولاد رہے
ڈرے عشرتیں دم پریش اعمال ریاض
اسکی رحمت کے سوا کچھ نہ مجھے یاد رہے

(از جناب منور لکھنوی)

کیوں عیاں کرتا ہے اس کو جو نہاں ہے دل میں آگ
جب لگی دیکھی محبت کی کسی کے دلیں آگ
یہ نہ کرنا ورنہ لگ ہی جائیگی محفل میں آگ
چشمِ قہر آگین سے وہ برسا گئے محفل میں آگ
پھین کر دوزخ سے بھری کا سہ سائل میں آگ
چل ویلے وہ پھر لگا کر دامن ساحل میں آگ
یہ کسی منزل میں پانی ہے کسی منزل میں آگ
جب کبھی لگتی ہے تو لگتی ہے پہلے دل میں آگ
منج دریا نے لگا دی دامن ساحل میں آگ
خنجر قاتل میں پانی نالہ بسمل میں آگ
کیوں لگا دیتا نہیں تو پر وہ باطل میں آگ
ورنہ مثل طور روشن ہے ہر اک منزل میں آگ
لگ گئی ہے سوزشِ غم سے تن بسمل میں آگ
شوخی رنگِ حنا ہے یا کفِ قاتل میں آگ
کیا خبر بھری ہے کس نے میرے آبِ گل میں آگ

(بابو برگوند، یال سروا ستونشتر)

ہم صیفرو رہنے دو افسانہ ابر بہار
ایک مدت سے نقش کی زندگی ہے اور ہم
جب تصور بندہ کیا اُسکا وہیں مخمور ہیں
ذیر سے مطلب نہ کچھ ہم کو حرم سے واسطہ
دیکھے گلشن کی سرسبزی و شادابی کا رنگ
ایک دن وہ تھے کہ ہم تھے اور چمن کی سیر تھی
ابو نشتر کو جہاں دیکھا کہ سب کہنے لگے
آپ ہی دیوانہ ہے دیوانہ ابر بہار
کیا سُنلتے ہو ہیں افسانہ ابر بہار
میکشوں کے ساتھ ہے میخانہ ابر بہار
ہم تو ہیں لبسِ ساجدِ تجانہ ابر بہار
پتی پتی کہتی ہے افسانہ ابر بہار
ابو ہم ہیں اور فقط افسانہ ابر بہار
لیجئے وہ آگیا دیوانہ ابر بہار

علمی خبریں و رنوط

ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ کی ادبی کانفرنس کا تیسرا اجلاس الہ آباد میں ۵ و ۶ مای ۱۹۳۲ء کو وجیانگرم ہال میونسٹرل کالج الہ آباد میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر سرتیج بہادر سپرو صاحب صدر اکیڈمی اپنی سیاسی و فنیوں کے باعث افتتاحی اجلاس میں شریک نہیں ہو سکے، چنانچہ آنریبل سر شاہ محمد سلیمان صاحب (چیف جسٹس الہ آباد ہائیکورٹ) چیرمین کمیٹی استقبالیہ نے اپنے وزیر صدر اکیڈمی کی طرف سے معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ صاحب جنھوں نے جس طرح اکیڈمی کے ہر کام میں شروع سے اہمک غیر معمولی دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح آپ نے اس ادبی کانفرنس کی رہنمائی میں بھی اپنا بیش قیمت وقت بے دریغ صرف فرمایا۔ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سبکدوش کیٹی و شاعرہ غیر میں آپ شروع سے آخر تک تشریف فرما رہے اور اپنے ہدایات و مشوروں سے منتظمان کو مستفید فرماتے رہے شعبہ اردو کے صدر اردو کے نامور ادیب محسن۔ لاہور ہائیکورٹ کے محترم جسٹس سر عبدالقادر صاحب تھے۔ ہندی شعبہ کے صدر مہا مہوپا دھیال نے نہایت لگن و کثرت سے چار سالہ الہ آباد یونیورسٹی منتخب ہوئے تھے مگر ایک خانگی حادثہ کے باعث وہ کانفرنس میں تشریف نہ لاسکے اور ان کے بجائے ہندی کے مشہور و معروف ادیب رائے بہادر لالہ ستیا رام صاحب نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ سر عبدالقادر صاحب کا خطبہ کسی آئندہ نمبر میں ناظرین ہو گا۔ اردو ہندی شعبوں کے مباحث کا خلاصہ بھی آئندہ بیچ رسالہ ہو گا۔ فاضل سکریٹری اکیڈمی ڈاکٹر تارا چند صاحب نے اس اکیڈمی کی کارگزاری کے متعلق جو رپورٹ پیش کی اس سے یہ معلوم کر کے ہم کو مسرت ہوئی کہ گواہ سال گورنمنٹ صوبہ نے مالی زیرباری کے باعث پچاس ہزار کے بجائے صرف تیس ہزار روپیہ ہی کی امداد عطا کی جسکی وجہ سے اکیڈمی کو اپنے مجوزہ پروگرام میں تخفیف کرنا پڑی تاہم سال گذشتہ میں اکیڈمی نے چودہ قابل قدر کتابیں شائع کیں انہیں دو کتابیں ڈرائے چار شعرو سخن کے متعلق دو ادبی سوانح عمریاں دو تاریخی تصانیف ایک کتاب فلکیات دو بیالوجی اور ایک زراعت کے متعلق ہے۔ اس وقت پانچ دیگر تصانیف جنہیں تین تاریخی سوانح عمریاں ہیں اور ایک کتاب جغرافیہ اور ایک اقتصادیات کے متعلق ہے زیر طبع ہیں اور انیس دیگر مسودے منظور ہو چکے ہیں اور عنقریب ہی چھپنے کے لئے مطبع بھیجے جائیں گے۔ ان کی تفصیل یہ ہے :-

۳	سائنس	۱	فلسفہ	۶	ڈراما
۱	فن باغبانی	۲	شعر و سخن	۱	ادبی سوانح عمریاں

انکے علاوہ اس وقت اکیڈمی کے لئے چھتیس دیگر کتابیں زیر تصنیف ہیں، انکے مصنف بھی ملک کے مشہور معروف اصحاب کے زمرہ سے انتخاب کئے جا چکے ہیں۔

پچھلے سال سے اکیڈمی کا ایک اُردو ہندی کتابی رسالہ بھی مولانا اصغر و سطر رام چندر ٹنڈن کی ایڈٹری میں شائع ہو رہا ہے، اس کے بعض پہلوؤں کے متعلق ملک کے ادبی حلقوں میں بہت کچھ مباحثہ رہا ہے لیکن بحیثیت مجموعی دونوں رسالوں کا شمار بہترین پرچوں میں ہونے لگا ہے اور انکی کامیابی پر ہم ان کے قابل ایڈیٹروں کو مبارکباد دے سکتے ہیں۔

اس کانفرنس کے سلسلہ میں دو فاضل ادیبوں کے دو اہم لکچر بھی ہوئے جو اکیڈمی کی فرمائش پر خاص طور پر تیار کئے گئے تھے اور غریب کتابی صورت میں شائع ہونگے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جامعہ ملیہ دہلی کا لکچر اقتصادی اصول اور نقطہ خیال کے متعلق ایک معرکہ آرا تصنیف ہے، جس میں اس اہم موضوع پر نہایت دلچسپ و کشین پیرایہ میں بحث کی گئی ہے اور زمانہ حال کے تمام اقتصادی مسائل اور نظریے ایسے دلائل و برطریقے اور سلیس زبان میں پیش کئے گئے ہیں کہ اس بحث کے تمام دقیق نکات ایک معمولی شخص کے بھی ذہن نشین ہو جائیں گے۔ یہ لکچر بھی بہت ہی دلچسپ تھا۔ دوسرا لکچر نپٹ پدم سنگھ صاحب شرما کا ہندی اُردو یا ہندوستانی زبان پر بھی نہایت مفید و دلچسپ تھا۔

اس سال کانفرنس کے ساتھ ہندی اُردو شعاع بھی منعقد ہوئے۔ اُردو شعاع کے بعض غزلیات آئندہ ہر ناظرین ہونگی۔ اپنے طور پر دونوں جمعیتیں دلچسپ ہیں لیکن ہماری رائے میں اکیڈمی کو کسی شعاعوں میں کچھ نہ کچھ جدت پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

زمانہ کے کسی نمبر میں ہمارا جہر بھی سراج چوہان کے دربار کا موقع ہدیہ ناظرین کیا گیا تھا، اس نمبر میں ہم ان کے نامور حریف ہمارا جہر چند راٹھور والی قنوج کے شاہانہ دربار کا فوٹو پیش کر رہے ہیں۔ یہ دونوں ہمارے ایک دوسرے کے عزیز تھے لیکن بات ہی بات میں دونوں میں کدورت ہو گئی، اور ان کی باہمی جنگ نے ہندوستان کی قسمت کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔

زمانہ پاک بخشی کی پست و کتابیں

نصائح چانکیہ

یعنی نامور ہندو چانکیہ کے
شہور و معروف دیشیتی کا ترجمہ
از جناب سیدت ہنست راجہ صاحب
مدد گار خانہ سرکار عامرہ گورنمنٹ
نظام دام اقبال قیمت ۶
گل کردہ
لسان الملک حضرت نذیر لکھنوی
کا مجموعہ کلام جس کا ہر صفحہ ایک
چمن زار اور ہر شعر ایک خوش
رنگ پھول ہے قیمت ۷
لسان الغیب
شرح دیوان حافظہ مفصل سوانح
عمری ملک کے مشہور اہل علم
حضرات کی رائے ہے کہ یہ شرح
پاکستانی کے درجہ تک پڑھ چکی ہے
نصف اول سے حصہ دوم عام
کاس الکلام
شرح رباعیات عمر خرام منہ مصنف
سوانحی تمام ارباب سخن کا اسباق
ہے کلاس موضوع پر اس زیادہ دل آویز
یہ کتاب آج تک شائع نہیں
ہوئی۔
قیمت نین روپیہ ۷

قومی نمبر سالہ زمانہ

جس میں قابل دیدہ مضامین
نظم و نثر اور نئین و سادہ تصاویر
اور مہاتما گاندھی اور لالہ لاجپت
رائے ڈاکٹر سیر و ستر نایا ڈاکٹر
اقبال کے خاص بیانات اور
بہت سے قابل دیدہ مضامین نظم
و نثر شائع ہوئے ہیں قیمت ۷
اشرستان
ملک کے مشہور سخن سنج مرزا
جعفر علی خاں اتر لکھنوی کا دیوان
جس میں ہر شعر عم پر تاثیر اور ہر شعر
تیر و اشتر ہے قیمت ۷
مکمل عورت
دوا لڑکیوں کی تعلیمی و شہل حال
کا مقابلہ ایک یورپین اسکول
اور دوسری کو گینا دو یا لڑکیوں
کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ گینا
دو یا لڑکی تعلیمی و شہل
حالت میں بہتر ہے قیمت ۸
روحانی رانی
جس میں حسن و عشق کی سچی انسان اور
راز و نیاز کا دلچسپ کہ اور زیارت کی
دلکش مثال موجود ہے قیمت ۶

پریم بختیسی

یعنی اردو کے شہور فنانہ نگار شری
پریم چند بی۔ اے کے بہترین ناول
کا مجموعہ زبان کی لطافت اور
بیان کی صفائی قابل دیدہ ہے
حصہ اول ۴۴ حصہ دوم ۴۴
و نیائے راز
از ابو الفاضل راز چاند پوری
قدیم و جدید دلکش نظموں کا
مجموعہ ہر نظم بلحاظ موضوع مکمل
و نتیجہ خیر ہے مع تصویر مصنف
قیمت صرف ۷
باد گار قومی
جس میں ملک کے شہور ترین انشا
پردازوں کے ۱۵ مضامین اور
چار عکسی تصاویر ہیں کاغذ گھٹا
چھپائی صاف ہے قیمت ۷
ترجمہ امانت منظوم
بال گاندھ کا اصلی حصہ ہی ہے
اور جو پائیاں ہندی ترجمہ
اردو اشعار میں ترجمہ سوج
برشاد تصور قیمت ۷
بزم اجباب
اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ قیمت ۷

سیرا مصنفین

اردو انشا پرداز کی مکمل
تاریخ از جناب مولوی محمد عیسیٰ
صاحب بی۔ اے شعر اکی
طرح شماروں کا جامع تذکرہ
قیمت ۷
طریق دولت مند
یہ کتاب ہر شخص کے قابل خرید ہے
دولت کی جادو سب کو ہے مگر
دولت کمانے کے طریقوں سے
لوگ واقف ہیں اس کتاب
میں دولت حاصل کرنے کے
طریقہ نہایت خوبی سے بتائے
گئے ہیں قیمت ۷
اردو مضمون نویسی
مضمون لکھنے کے متعلق بابو
نامک پرشاد بی۔ اے پروفیسر
کی نہایت عمدہ کتاب ہے قیمت ۷
حیات بوہ
جس میں مصنف نے بیوگان کی حالت
زار کا سچا ذوق لکھا ہے اور کی نگاہ
مصیبتوں کا دلگداز سین سپاں
کیا گیا ہے۔
قیمت ۵

زمانہ پاک بخشی کا پورے طلب فرمائیے



ڈاکٹر ایس کے جرن

ڈاکٹر ایس کے جرن
پیمبر

منعت
اسٹار
SKB
جسٹ
۶۱۹۸۳

چاس سالوں سے ہندوستانی میڈیٹ دواؤں کے بے مثل موجد
(سفر حضر میں کام آنے والا)

REGD. ڈاٹر دواؤں کے نمونہ کا بکس

(اس میں مندرجہ ذیل بارہ قسم کی دوائیں ہیں)
نمبر (۱) "کافو" اصل عرق کافور میضہ کی خاص دوا نمبر (۲) "پون ہرا" عرق بودینہ نمبر (۳) "جلابن" جلاب کی گولی۔ نمبر (۴) "دب۔ دومہ" دوسری دوا نمبر (۵) "لال شر" بچے لڑکے اور بڑی سوتلی کی پیشانی نمبر (۶) "کولار یا" کولانک نمبر (۷) "یشٹینا" مقوی باہ کی گولی۔ نمبر (۸) "سرباٹا" درد سر کی ٹیکہ نمبر (۹) "رنگ رنگ" مرہم داد۔ نمبر (۱۰) "ہیلک" کٹے جلد وغیرہ زخموں کا مرہم۔ نمبر (۱۱) "در دانت" دانت کے درد کی دوا۔ نمبر (۱۲) "در کان" کان کے درد کی دوا۔
قیمت فی بکس دو روپیہ ۷۵، محصول دس آنہ ۱۰

REGD. "کولار یا"

(کولانک)

یہ دل۔ دماغ۔ اور کلیجہ کو طاقت پہنچانے میں بے مثل ہے۔ اس کے استعمال سے دل کی دھڑکن۔ کلیجہ کی کمزوری۔ تھوڑی محنت سے سانس کا بھجھو لٹا۔ دور ہو جاتا ہے اور شہت محنت کرنے پر بھی تکان نہیں ہوتی اس سے شراب وانیون کی بد عادت ترک ہو جاتی ہے اس کلمے کی آواز سیریلی ہوتی ہے۔ لکچر علم طباطب علم اور گائے والوں کو ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیے۔
قیمت فی شیشی ایک روپیہ دو آنہ ۷۵، قیمت نمونہ ۷۵، محصول سات آنہ ۱۰، نمونہ صرف ایکبٹ سے مل سکتا ہے۔

نوٹ ہماری دوائیں ہر جگہ دوا فروشوں اور درکاروں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ محصول بہت بڑھ گیا ہے اس لئے اس سے بچنے کے لئے اپنے مقامی ہمارے ایکبٹ سے خریدیے۔

(صیفہ نمبر ۶) پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

ایکبٹ :- کانپور نیا گنج میں محمد حفیظ محمد نصیر صاحبان



THE WOMAN'S TOMC

الطرس کا ڈی آیل العنبر کی آکسیرواں

ڈاکٹر اس کو جسمانی صحت کے لئے بہترین وہ اقرار دیتے ہیں
ہر گھر میں اس کا رہنا نہایت ضروری ہے

مان بہن اور بیٹی کے واسطے بہترین دوائی

Rio Chemical Co.

79, BARROW STREET

NEW YORK(U.S.A)

هفتاد و شش

خواجہ عشرت لکھنوی کی جدید تالیف چار سو پچاس
 آگرتہ موجودہ ہندو شعر کے حالات مؤثر و دلکش قابل
 دید جیدہ اشعار قیمت

نذر کرہ آب بقاگزشتہ و موجودہ شعرا کے حالات

شاعری کا مکمل سٹ چار جلدوں میں

لغات اردو مکمل ط

اصلی زمان اردو - متر و کات کا تشریح

ترجمان پارس اردو سے فارسی بنانیکی آسان ترکیب ۶

زبانہائی۔ اردو کے مستند قواعد

۱۶
مستحقین عشرت بکدوا احاطہ خالصا

القول

استاد

القلب زندہ باد
انتخاب لاجواب

زندگی میں آسودگی اور آرام اچھا نام اور اچھا کام نہ ہو تو زندگی ہی ناکام ہے لیکن جب آپکی صحت ہی اچھی نہیں اور جسم میں طاقت ہی نہیں تو ان کا حال کرنا غیر ممکن ہے۔ اگر آپ اپنی حالت میں انقلاب چاہتے ہیں تو اس کے لئے مقویات سرتاج عالم آئینک نگار گویاں کا انتخاب لاجواب ہو گا۔ یہ گویاں آپ کی جملہ شکایتوں فیض۔ بدھیمی۔ خون اور منی کی خرابی دیکھی۔ جربان۔ احتلام۔ سرعہ۔ انزال۔ دل و دماغ کی کمزوری۔ قوت ہاضمہ اور قوت حافظہ کمی اور جملہ شکایتوں کو دور کر کے پورا آرام بہو خاکے آسودگی عطا کر کے اچھے اور اہم کام کے انجام دینے کی بہت عطا کر کے نامور بنادے گی۔ قیمت فی ڈبیر ۳۰ گویاں عدد ۵ ڈبیاں عدد علاوہ محصول ڈاک۔ اسی طرح ہمارا اطلاعیہ کریں ہے۔ نام بیرونی نقائص دور کر کے اعلیٰ درجہ کی مردمی عطا کرنے میں پوری فتح حاصل کر چکا ہے۔ قیمت فی شیشی باخرو ویدہ صحت مند رستی کی پھر راہ راست کی رہبر اور سب سے عمدہ مضامین سے مزین کتاب کام شاستر بانکل مفت طلب فرمائیے۔

وید شاستری۔ جام نگر۔ کاٹھیاواڑ

ایجنٹ :- عبدالکریم اینڈ سنز مسٹن روڈ کانپور

میر اور سچے موتیوں کا سفید مسرہ مصدقہ

جناب امی گرامی ڈاکٹر آر۔ کرار صاحب ہاید
سی۔ آر۔ فیلو آف کمیسٹری لندن
آنکھوں کی بیماریوں و ترقی بیانی کی واسطے مفید ہے اور سب سے
بہتر و اندرونی ملکہ مس و افزہ و غیرہ کے غرض ڈاکٹر ول
دہندستان کے نامور حکیموں نے آنکھوں کی بیماری میں اور دوا
چھوڑ کر استعمال کئے ہیں۔

ہمارے سرمہ کا امتحان اور اس کی میانی
نکاحہ ایک بار بار سرمہ لگائے و ہفتہ میں روشنی بڑھائی
اور جلد تھیں چشم دور ہو گئے۔

(۲) سینک کی ضرورت نہیں ہوتی

(۳) دھند ٹوٹا کا آتو ہنسارخی کھلی سوزش۔ آنکھوں کے
سامنے اندھیر لکھوں کی اندرونی کوانی دور ہوتی ہے۔

(۴) کمزور نگاہ سے ناگسوی میں بہت جلد پرویجے۔

(۵) پر بال سیل۔ جلا جھوٹی۔ ابتالی متیانہ بنا خونہ۔ آنکھ

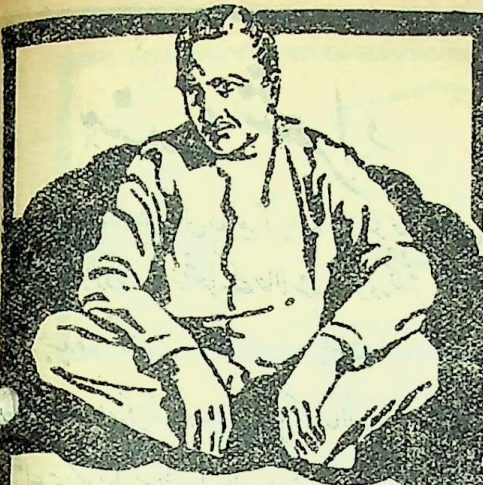
کے سامنے دور اس آمانہ ہو جاتا ہے۔ لکھنے پڑھنے سے آنکھ کا

مکان دور بہت جلد صاف کرتا ہے اور جلا امراض چشم کے

لے اکثر بہت ہوا ہے قیمت فیتولہ سے مخصوص لڑاک ۶

ملنے کا پتہ

مینجر کم کمپنی، نیا چوک کان پور



ایک کمزور آدمی کس طرح اپنی مراد نہ طا کو برہا سکتا

ایک کمزور آدمی کس طرح اپنی جسمانی طاقت اور مراد نہ قوت
کو برہا سکتا ہے؟ ہزاروں ڈاکٹر ول نے اس سوال کا یہ
جواب دیا ہے کہ ”سناٹو جن کے استعمال سے۔“

مشہور عالم طبیب ڈاکٹر مرگر ایک ایسے مریض کا ذکر کرتے
ہوئے جس کی مردانہ قوت انتہائی کمزور ہو گئی تھی بیان کرتے
ہیں کہ سناٹو جن کے استعمال کے چھ ہفتہ کے بعد اس کے
مریض کو پورے طور پر قوت مردی حاصل ہو گئی ہے۔

سناٹو جن نے اس شخص کو ہوائہ پہنچا یا وہ آپ کو بھی
پہنچ سکتا ہے سناٹو جن کی بدولت آپ کی تندرستی بہت اچھی
ہو جائیگی اور آپ کو پورے طور پر مردانہ طاقت حاصل ہوگی۔
اس کے ساتھ ہی اس شخص کو سناٹو جن کے ذریعہ آپ کو کمزوری و
نا طاقتی کی ہر علامت بر غلبہ حاصل ہو جائیگا۔

اس مشہور مقوی غذا کو آج ہی سے استعمال کرنا شروع کر دیجئے
ہر ایک تجزیہ دوز فروش اور دکاندار اس کی فروخت کرتا ہے۔

SANATOGEN

اصلی مقوی غذا
ہاتھ سے نہیں چھوئی جاتی

بازو کس می آید

گزارش مردمی از نیت

یہ تصافق ملک سے عہد آرٹ پر شائع ہوئی میں ان کو عوام پسندگی کا فخر حاصل ہے

[illegible]

زمانہ بک اکنسی کان پور سے منگائیے

ہم سزا

اشتیاق حسین قریشی صاحب اہم۔ اے کاوہہ دھبٹ ڈراما جس میں کم عمر عورت اور بزرگوار شوہر کے معاملات قدسے
ظرافت امیر میرا میں بیان کئے گئے ہیں۔ اچھی سوانحی اسٹیج کرنے کیلئے یہ ڈراما بہت مناسب ہے۔ طباعت
کتابت کاغذ بہت اچھا۔ یہ اردو کی ان کتابوں میں سے ہے جو تمام لوازم اشاعت سے آراستہ ہیں ۶/

گناہ کی دیوار (ڈراما)

مصنفہ اشتیاق حسین قریشی صاحب اہم لے۔ گناہ بری چیز ہے لیکن شقاوت قلب اور تکبر بدتر ہیں۔ گناہ کی دیوار
شاید ٹوٹ سکتی ہے لیکن شقاوت قلب اور تکبر کے بتوں کا توڑنا بہت دشوار ہے۔ یہ ایک باعصمت خاتون کا قصہ ہے
جسے کچھ عرصہ تک محبوبا عصمت فروشی کی زندگی گزارنی پڑی لیکن بالآخر خدائے اُس کی گریہ و زاری سن لی
اور اس زندگی سے نجات دلائی۔ قیمت ۴/

کھیتی (ڈراما)

مصنفہ محمد مجیب صاحب بی۔ اے (اکن) مسلمانوں کی ذہنی اور قومی بے رہائی کے لئے ایک دلچسپ ڈراما۔
ذہنی اور اخلاق کس سے پرچلانا چاہتے ہیں۔ زمانے کی مصلحتیں، قوم و ملت کی ضروریات سب پر ایک نظر
ڈالی گئی ہے اور ایک میاں بھی تجویز کیا گیا ہے جو رہائی کے دعویداروں کو پرکھنے میں کام آسکتا ہے۔
قیمت صرف ۶/

پردہ غفلت (ڈراما)

ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب اہم۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کاوہہ ڈراما جو انھوں نے قیام جرمنی میں لکھ کر وین چھاپا
تھا۔ مسلمان خاندانوں کی معاشرت کی سچی تصویر تسلیم نسواں آزادی نسواں اور پردہ پر سفید بحث، دلچسپ ظرافت
امیر اور نتیجہ خیز قصہ۔ طباعت عمدہ قیمت ایک روپیہ ۴/

Sri Pratap Singh
Public Library
Singapore.

3-5-32

نمائندہ

مرتبه: دیاندرین نگم، بی۔ اے۔

جلد ۵۸ اپریل ۱۹۳۲ء نمبر ۴

فہرست مضامین

پرنسپل مشر شاہ محمد سلطان چیت جسٹس للہ آبادی کوٹ۔ ہزارہینس بام صاحب نو انگر۔
تصاویر مشر وال چند پیر چند۔ آریل مشر بیگ۔ سر جیمس ڈیوڈ سفٹن گورنر بہار وڈلیہ۔

- ۱۔ مختارات
از مشر حامد اللہ آفریدی بی۔ اے۔ ... ۱۹۳ ... از جناب محمود اسراہیلی ... ۲۳۲
- ۲۔ سلطنت مغلیہ اور بنگال
از مشر ہری کرشن بی۔ اے۔ ایل جی ... ۲۰۲ ... از منشی گورنر لال اریب لکھنوی بی۔ اے۔ ... ۲۳۳
- ۳۔ علامہ محسن کا کوروی
از جناب طاہر حسن کا کوروی ... ۲۱۱ ... از پنڈت اندر میت شرما ... ۲۳۳
- ۴۔ مسر سروجنی نائیڈو کے چند نغمے
مترجمہ مشر ظفر قریشی دہلوی بی۔ اے۔ ... ۲۱۹ ... از مولانا سید احمد حسین احمد حیدر آبادی ... ۲۳۵
- ۵۔ اچھوت (رقصہ)
مازڈاکٹر اعظم کرپری سابق ایڈیٹر کبر آباد ... ۲۱۹ ... از منشی ملک چند محرم بی۔ اے۔ ... ۲۳۶
- ۶۔ تصحیح قاموس المشامیر
از سید احمد اللہ قادری نائب ایڈیٹر تاریخ ... ۲۲۶ ... از جناب جگر بلوی بی۔ اے۔ ... ۲۳۶
- ۷۔ تنقید کتب: عزیز اللغات۔ اردو سے قلم ہندوئی
از منشی ناراین پرشاد ورامتھر گوالیار ... ۲۳۸ ... از منشی ناراین پرشاد ورامتھر گوالیار ... ۲۳۸
- ۸۔ کلام شاد
از خان بہادر جناب شاد عظیم آبادی مرحوم ... ۲۴۱

زمانہ پریس کانپور سے شائع ہوا
ہفت روزہ
وقت ملک فیروز سے سالانہ مطبعہ رشتہ شامی مدہ ہندستان کیلئے ششماہی مطبعہ

علمی و ادبی کتب کے لئے حضرت انسیدیں میں ضروری و مرنگائیں

بزم خیال

اس میں اردو اور فارسی شعر کی مجالس کے لطائف و ظرافت اور جہتہ گوئی و حاضر جوابی کے نمونے جمع کئے گئے ہیں جو خوش مذاق شعرا کی تفریح کا بہترین سامان ہے قیمت (ایک روپیہ ۷۵)

ہندو توہار کی اصلیت

اس کتاب میں ہندی رام پرشاد صاحب نے سب سے پہلے اس کو ریشٹھائی کی اصلیت بتائی ہے ہندو توہار کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت نہایت واضح اور آسان زبان میں لکھی ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ہندوؤں کا اخلاقی اور تمدنی انتظام اور ہندو توہاروں کی ضرورت پر اظہار خیال کیا ہے قیمت فی جلد ۹

ہرام کی رہائی

ہندی جھڑی اور ہرام کی گرفتاری سے اس کا بڑھنا نہایت ضروری ہے قیمت ۷۵

خاک و سوانہ

منشی پریم چند کے مازہ ترین چودہ منتخب مضامین کا مجموعہ۔ پریم چند صاحب کے افسانے کی تعارف کے محتاج نہیں قیمت ایک روپیہ ۷۵

استحاب و دھبہ

اخبار اور دھبہ بچ لکھنے والے ان مضامین کا مجموعہ جو ۱۹۱۷ء میں اس میں شائع ہوئے تھے علاوہ ازیں بہت سا تفریح کا سامان بھی موجود ہے قیمت ۷۵

خیالات عزیز

مجموعہ مضامین مولوی عزیز مرزا صاحب جس کی باضابطہ رجسٹری کی گئی ہے حجم ۲ سو صفحات ٹائٹل خوشگنا زینین ہے۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ مع تصویر مصنف قیمت صرف دو روپیہ ۷۵

گلزارِ داغ

فیض الملک جناب داغ دہلوی کا شعور و مقبول دیوان ہے جو حال میں خوشی کے ساتھ شائع ہوا ہے داغ صاحب کا کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں قیمت بلحاظ دیوان صرف ۷۵

منویٰ حسن

یعنی شکستہ اور شیت منظوم حضرت سحر ہنگامی کے شاعرانہ کمال کا اعجاز اول ایڈیشن کی قیمت ۷۵ دوسرے ایڈیشن کی قیمت حسب مصنف نے نظر ثانی بھی کی ہے صرف ۸

مرقع ادب

حصہ اول و دوم مرتبہ جناب صفدر مرزا پوری اس میں ہندوؤں کے مشہور انشایہ پرداز و شعرا کے خطوط جمع کئے گئے ہیں جو انھوں نے اپنے احباب وغیرہ کو لکھے ہیں قیمت حصہ اول ۷۵ حصہ دوم ۷۵

ملنے کا پتہ: مینجر زمانہ پاک لکھنؤ سی۔ کان پور

زمانہ

نمبر

اپریل ۱۹۳۲ء

جلد ۵۰

مختارات

(از مسٹر حامد الشراف سر میر ٹھی، بی۔ اے۔)

ہر زبان میں بشرطیکہ وہ ایک زندہ زبان ہو، متروکات و نعمات کا عمل جاری رہتا ہے۔ الفاظ بھی انسانوں اور دوسرے جانداروں کی طرح پیدا ہوتے ہیں، پلتے ہیں، تربیت پاتے ہیں اور اس تربیت کے مطابق مذہب اور شالیستہ یا غیر مذہب اور ناشالیستہ ہوتے ہیں، تندرست و توانا ہوتے ہیں، حلیل اور نحیف و زار ہوتے ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے ہیں، ملکوں ملکوں کی سیر کرتے ہیں، ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا کر مستقل طور پر قیام کر لیتے ہیں، وہاں کے رسم و رواج اور اطوار و خصائل اختیار کر لیتے ہیں اور ہر جاندار کی طرح یہ بھی ایک دن مر جاتے ہیں۔ لیکن الفاظ آسانی سے نہیں مرتے، بہت اڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہیں، جب کوئی لفظ مر جاتا ہے یا اس قدر حلیل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا نہ کر سکے تو اس کی جگہ دوسرے الفاظ لے لئے جلتے ہیں۔ یہ دوسرے الفاظ یا تو بالکل نوموود گویا لفظوں کی نئی نسل سے ہوتے ہیں یا پھر کچے پلائے کسی دوسرے ملک سے آ جاتے ہیں، جو الفاظ مر جاتے ہیں یا ترک کر دیئے جاتے ہیں، اُن کا شمار ”متروکات“ میں ہوتا ہے اور جو الفاظ زبان میں نئے داخل ہوتے ہیں یا کسی

مخصوص مفہوم کو ادا کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اُن کا شمار "نقارات" میں ہوتا ہے لیکن الفاظ کے ترک و اختیار کا مسئلہ زبان کے نہایت اہم اور نازک مسائل میں سے ہے، یہ کسی مخصوص فرد یا جماعت کے بس کی بات نہیں ہے کہ زبان کے کسی لفظ کو ترک کر دے یا کسی نئے لفظ کو اختیار کر لے، بلکہ اس کا انحصار تمام تر زبان کے فطری ارتقا پر ہے، البتہ ایسا ضرور ہوتا ہے کہ بعض اوقات صرف ایک شاعر یا ادیب چند الفاظ کو اپنی تصنیفات میں ترک کر دیتا ہے اور پھر کچھ مدت کے بعد وہ الفاظ استعمال میں نہیں رہتے گویا وہ تمام اہل زبان کے نزدیک متروک قرار پاتے ہیں اس کا سبب عموماً یہ ہوتا ہے کہ زبان کی ترقی کی رفتار میں بعض الفاظ اُس کا ساتھ نہیں دے سکتے جوں جوں زبان سمجھتی جاتی ہے اہل زبان کو الفاظ کی مصنوعیت یا فصاحت و عدم فصاحت کا اندازہ ہوتا جاتا ہے اور جو الفاظ بآئین شائستہ مفہوم ادا نہیں کر سکتے یا قلیل اور غیر فصیح ہوتے ہیں اہل ذوق حضرات اُن کے استعمال سے گریز کرنے لگتے ہیں۔

نقارات ہر زبان میں دو صورتیں اختیار کرتے ہیں، ایک تو یہ کہ ایسے علوم و فنون کے واسطے جو پہلے زبان میں موجود نہ تھے علمی اصطلاحات وضع کرنے کے لئے الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ اصطلاحیں عموماً دوسری ترقی یافتہ مشترک زبانوں سے لی جاتی ہیں، مثلاً اردو ہے، یہ زبان آئین زبانوں کے سنسکرت اور ایرانی خاندان سے متعلق ہے۔ مگر اس میں کثرت سے عربی اور ترکی زبانوں کے لفظ بھی رائج ہیں اور ان دونوں زبانوں میں سے ایک سامی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری تورانی خاندان سے پس ہم اردو میں ہر سہ خاندان السنہ کے الفاظ علمی اصطلاحوں کے لئے اختیار کر سکتے ہیں۔ دوسری صورت نقارات کی ادبیات میں ظہور پذیر ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ جب کبھی کسی لفظ کا استعمال عام طور پر ترک کر دیا جاتا ہے تو اس کی جگہ کوئی نیا لفظ لے لیتا ہے، یا کسی مفہوم کے نازک پہلوؤں کو واضح کرنے کے لئے کبھی کبھی کوئی مصنف نیا لفظ استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اگر وہ لفظ ذوقِ سلیم کے مطابق ہوتا ہے اور حقیقت میں اس کی مدد سے کسی مخصوص مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے اور وہ مفہوم انسان کے طبعی رجحان کے مطابق ہوتا ہے اور عام حسیات و جذبات کی ترجمانی کرتا ہے تو وہ لفظ رفتہ رفتہ رائج ہو جاتا ہے۔ نقارات کی بھی یہی دوسری صورت ہے، جو اس مضمون کا موضوع بحث ہے۔

ان میں سے پہلی صورت یعنی "اصطلاح سازی" تو اس مخصوص علم کے ماہرین سے متعلق ہوتی ہے جس کی وہ اصطلاحیں ہوں اور اُن کے وضع کرنے کا حق انہیں ماہرین کو حاصل ہے اور اُن کے رد کر دینے یا قبول کر لینے کا حق بھی اُن اصحاب کو حاصل ہے جن کو اُس علم سے عام طور پر واسطہ پڑتا ہو، لیکن

ادبیات کے لئے ”لفظ سازی“ کا حق کسی فرد واحد یا کسی جماعت کو نہیں پہنچتا۔ ادبیات نام ہے الفاظ میں جذبات و حسیات و امور ذہنیہ و واردات قلبیہ کے اظہار کا، اور چونکہ ان چیزوں کے اظہار کی ضرورت ہمیشہ پڑتی رہتی ہے اس لئے ہر زبان میں اگر وہ زبان بالکل ابتدائی حالت میں نہ ہو، ان کے لئے الفاظ کا ایک وافر ذخیرہ موجود رہتا ہے اور بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ نئے الفاظ کی ضرورت پڑے۔ پس اگر کوئی صاحب ذوق شاعر یا ادیب اپنے مفہوم کے کسی پہلو کو واضح کرنے کے لئے نیا لفظ اختیار کرتا ہے تو جب تک زبان میں اس کے لئے جگہ نہ پیدا ہو جائے یعنی جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہماری زبان میں کوئی لفظ موجود نہیں ہے اس وقت تک وہ نیا لفظ زبان میں رائج نہیں ہو سکتا۔

محکم ہے کہ بعض اصحاب کو اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو کہ ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے متعدد مترادف الفاظ بھی تو ہوتے ہیں، اس لئے اگر کسی مخصوص مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہماری زبان میں کوئی لفظ موجود بھی ہے تب بھی ایک نئے لفظ کے اضافہ سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوگا۔ میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں ہے، کسی زبان میں ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے متعدد الفاظ کا رائج ہونا مشکل ہے۔ چند الفاظ بالکل مترادف نہیں ہو سکتے ان کے معانی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا خواہ وہ کتنا ہی نازک ہو۔ زبان چاہے کتنی وسیع کیوں نہ ہو بالآخر محدود ہوتی ہے اور خیالات ہمیشہ غیر محدود ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی زبان ایک بیکار اور فضول لفظ کا بار برداشت نہیں کر سکتی۔

اس کے برخلاف قریب قریب ہر زبان میں ایسے الفاظ ضرور ملیں گے جو دو یا دو سے زیادہ معانی میں مستقل ہیں، مثلاً ”تیکا“ اردو میں کئی معنوں میں بولا جاتا ہے، یعنی ایک قسم کی گاڑی، تنہا، بے نظیر، وہ سپاہی جسے گھر بیٹھے تنخواہ ملے۔ یا ”لاکھ“ کے بھی دو معنی ہیں، سو ہزار اور ہرچند۔ یا ”چھلی“ بھی کئی معنوں میں مستقل ہے، مامی، بازو کا گوشت، ایک زیور جو کانوں میں پہنتے ہیں۔ یا ”چاک“ ہے، اس کے بھی کئی معنی ہیں، دامن کا کھلا ہوا حصہ، کھار کا پتہ، کھرباٹی، کوڑا کی دراز۔

اس تمام گفتگو سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کسی مخصوص مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہمارے یہاں کوئی لفظ رائج ہے تو ہم صرف اس بنا پر کہ یہ لفظ تو بہت دنوں سے رائج ہے اور پرانا ہو گیا ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے، یہ کوشش کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتی، ہم نئے لفظ بنا کر لوگوں کے حلق میں زبردستی ٹھونس نہیں سکتے۔ جو الفاظ کسی نہ کسی سبب سے زبان کے اندر اپنی جگہ پیدا کر لیتے ہیں اور عام طور پر رائج ہو جاتے ہیں صرف وہی زبان کا جزو بن سکتے ہیں۔

دور حاضر میں حیدر آباد نے اردو کو جس قدر فائدہ پہنچایا ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور وہاں کی تعلیم نے جو بعض نئے ادیب پیدا کئے ہیں ان کی قابلیت، طباعی اور ذہانت کی تعریف نہ کرنا ناقص ہوگا۔ لیکن ان میں سے بعض اصحاب نے موقع بے موقع اپنی تصانیف میں نئے الفاظ کی بھرمار کر دی ہے اور ان میں کثرت سے ایسے الفاظ ہیں جن کے لئے ہماری زبان میں نہایت موزوں اور فصیح الفاظ پہلے ہی سے موجود ہیں۔ اس طرز عمل سے زبان کو تو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا، مگر ان کی تصانیف ضرورتاً قابلِ فہم بن جاتی ہیں۔

مثلاً ڈاکٹر غلام محی الدین صاحب زور ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نے اپنی کتاب ”روح تنقید“ میں ”کلاسیکل لٹریچر“ کے لئے ”دبستانی ادب“ استعمال کیا ہے، اول تو کلاسیکل کے لئے ہمارے یہاں مستند اور قدیم ادب ایک مدت سے مستعمل ہے۔ دوسرے ڈاکٹر صاحب نے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ قطعاً کلاسیکل کے مفہوم کو ادا نہیں کرتا۔ دبستانی ادب سے زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ درسی ادبی کتابیں جو مدرسوں اور مکتبوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کلاس کے معنی مکتب یا جماعت کے سمجھے اور ان معنی میں یہ لفظ انگریزی میں اور خود ہمارے یہاں رائج بھی ہے لیکن کلاسیکل لٹریچر ایک ادبی اصطلاح ہے اور اس میں لفظ کلاسیکل کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے۔ انگریزی زبان کے مستند ادیب اور نقاد میٹھوارنا لڈ نے کلاسیکل کے معنی یہ لکھے ہیں :-

“The work that belongs to the class of the best.”

اور ولیم ہنری ہڈسن نے اپنی مشہور کتاب ”این انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی آف لٹریچر“ میں ”کلاسکس“ کی تعریف اس طرح کی ہے :-

A ‘Classic’ may be simply defined as a book which has stood the test of time, and by its stability and permanence, and the universality and persistency of its appeal, has given unmistakable assurance of immortal life.”

ظاہر ہے کہ ”دبستانی ادب“ سے یہ مفہوم ہرگز واضح نہیں ہوتا۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب موصوف ”بت تراش“ کے لئے ”محبوبہ ساز“ لکھتے ہیں، بت تراش ہماری زبان میں ابتداء سے مستعمل ہے۔ میر تقی میر فرماتے ہیں :-

خدا ساز تھا آدب بت تراش ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں

”کامیاب“ جیسا عام اور کثیر الاستعمال لفظ بھی ڈاکٹر صاحب کو پسند نہیں، اس کی جگہ آپ نے ”کامگار“ کو دیدی ہے۔ صنایع کی جگہ آپ ”فن کار“ اور استقلال کی جگہ ”دیر پائی“ استعمال فرماتے ہیں۔
ڈاکٹر صاحب نے بعض انگریزی محاوروں کا بھی لفظی ترجمہ کر دیا ہے، مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں:-
”انھوں نے اردو میں ایک خاص رنگ پیدا کیا اور ان کے رنگ میں ابتدا اور انتہا دونوں انھیں تک رہے۔“

یہ ترجمہ ہے ”He was the first and the last“ کا، یہ مفہوم اردو میں اس طرح ادا کیا جاسکتا تھا جو ہمارے روزمرہ کے خلاف نہ ہوتا۔
”انھوں نے اردو میں ایک خاص رنگ پیدا کیا جو انھیں پر ختم ہو گیا۔“ یا یوں کہہ سکتے تھے ”جو شروع بھی انھوں نے ہی کیا اور ختم بھی انھیں پر ہو گیا۔“

حیدرآباد کے نوجوان ادیبوں نے ایک اور دلچسپ ترجمہ ”Bird's eye view“ کا طائرانہ نظر کیا ہے، یہ ترجمہ نظر کو ضرور کھینچتا ہے لیکن جو لوگ انگریزی نہیں جانتے وہ شاید اس کا مفہوم کسی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ دوسرے یہ کہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بھی ہمارے یہاں ”سرسری نظر“ مستعمل ہے، پھر کسی دوسرے لفظ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یا مثلاً ہمارے صوبہ کی مشہور نیم سرکاری جماعت ”ہندوستانی اکاڈمی“ نے ”سہ ماہی“ کے بجائے ”تماہی“ کو رواج دینے کی کوشش کی ہے، سہ ماہی ایک مدت سے ہماری زبان میں مستعمل ہے اور تماہی سے بدرجہا زیادہ فصیح اور خوش آواز ہے۔

بظاہر اس لفظ کے جاری کرنے کی کوشش کا مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ ہندی اور اردو قریب تر ہو جائیں۔ مقصد ضرور اچھا ہے لیکن رسالے کے سرورق پر صرف ایک ایسے فارسی لفظ کی جون بدل کر جو مدت سے ہماری زبان میں رائج ہے یہ مقصد کیونکر حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اسی رسالے میں یعنی ”ہندوستانی“ کے پہلے نمبر میں کثرت سے ایسے فارسی اور عربی الفاظ اور ان الفاظ کی اجنبی ترکیبیں موجود ہیں جن کے بجائے اردو کے نہایت سادہ اور سلیس الفاظ مل سکتے تھے۔ مثلاً عمال، قبیح، زاویہ نگاہ، طول الف الملوکی، عصبیت، نشاۃ الثانیہ، احتشام، اختلاف سوز، گمانگت انگیز، شمشیر سہیت را تملان نوازی، خیالستان تہذیب، پر خزن آواز، پردہ مستور، پر فکر شایستہ خیالی وغیرہ۔ میں اس قسم کے الفاظ اور ترکیبوں کو قطعاً ناجائز قرار نہیں دیتا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ بعض مواقع ایسے پیش آتے ہیں جہاں ان کے بغیر کام ہی نہیں چل سکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ جس رسالے کے اراکین ادارت ”سہ ماہی“ جیسے سادہ اور کثیر الاستعمال لفظ کو محض اس بنا پر ترک کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں ”فارسییت“ ہے۔

وہ خود اپنی تحریروں میں فارسی کی اجنبی اور غریب ترکیبوں کے استعمال کو کس اصول کی بنیاد پر جائز سمجھتے ہیں۔

اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ میں خدا نخواستہ ہندوستانی اکاڈمی کے مخالفوں میں ہوں، ہرگز نہیں، میرے نزدیک اپنی عمر کے پہلے چار سال ہی میں اکاڈمی نے نہایت عمدہ اور قابل تعریف خدمات انجام دی ہیں اور اپنے وجود کو اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے لئے مفید ثابت کر دیا ہے۔ اسی طرح اکاڈمی کے آرگن ”ہندوستانی“ میں بھی اکثر مضامین نہایت پر مغز اور پر از معلومات ہوتے ہیں۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا مقصد محض ایک جزوی معاملہ پر نہایت خاص نیت کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار ہے۔

بہر حال میں نئے الفاظ کا ذکر کر رہا تھا، ایک اور نیا لفظ دکن کے ایک نئے رسالے کے سرورق پر دیکھا، ”ماہوار“ کی جگہ اس پر ”ماہ نامہ“ لکھا گیا ہے، آپ کو یاد ہو گا کہ پہلے اردو کے جو اخبار ہر روز شائع ہوتے تھے وہ ”روزانہ“ اخبار کہلاتے تھے۔ چند سال سے ایران کے بعض اخباروں کی دیکھا دیکھی پہلے اخبارات نے اس لفظ کی جگہ ”روز نامہ“ لکھنا شروع کیا چنانچہ اب آپ ہر روزانہ اخبار کے سرورق پر یہی لفظ پائیں گے۔ لیکن روزمرہ میں ابھی تک یہ لفظ دخل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی جگہ وہی قدیم لفظ ”روزانہ“ مستعمل ہے۔ اب ”روز نامہ“ کے قیاس پر یہ جدت کی گئی ہے کہ ایک نیا لفظ ”ماہ نامہ“ گڑھ لیا، ممکن ہے آگے چلکر ”ہفتہ نامہ“ ”سہ روز نامہ“ ”سہ ماہی نامہ“ یا ”تہاہی نامہ“ بہت سے نئے لفظ بن جائیں۔

خدا بخشے مولوی وحید الدین سلیم بانی پتی بڑے طبع اور ذہین آدمی تھے اور لفظ سازی میں تو یرطولی رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم نے اپنی قابل قدر کتاب ”وضع اصطلاحات“ میں صدہا نئے لفظ بنائے ہیں ان میں سب سے زیادہ دلچسپ نئے مصادر ہیں، مثلاً دفتر سے دفتر، اشک سے اشکانا، برف سے برفانا، ثمر سے ثمرانا، جذبہ سے جذبانہ، جسم سے جسمانا، حسن سے حسنانا، سچ سے سرخانا، قطرہ سے قطرانا، قلم سے قلمانا، نظر سے نظرانا وغیرہ۔ ان مصادر کے پیش کرتے وقت مولانا نے اس اہم کتبہ پر غور نہیں کیا کہ جن اسماء اور صفات سے یہ مصادر بنائے گئے ہیں وہ ایک طویل عرصہ سے ہماری زبان میں رائج ہیں، اگر ضرورت ہوتی تو یہ مصادر ان الفاظ کے ساتھ ہی ساتھ یا کچھ عرصہ بعد ضرور زبان میں داخل ہو گئے ہوتے جس طرح دوسرے اسماء و صفات سے مصادر بن کر رائج ہو گئے۔ اصل یہ ہے کہ ہر زبان میں لفظوں کی درآمد و برآمد فطری طور پر ہوا کرتی ہے جن الفاظ کی ضرورت پڑتی ہے وہ کچھ عجیب غیر محسوس اور نامعلوم طریق سے زبان میں آکر داخل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ میں نے مندرجہ بالا سطور میں عرض کیا ہے۔ یہ نہیں ہوا کرتا کہ ہم پہلے

سے الفاظ بنا کر لوگوں کو مجبور کر دیں کہ وہ اپنی تحریر و تقریر میں ان الفاظ کو استعمال کریں، کوئی زبان بولنے والوں سے الفاظ حاصل نہیں کیا کرتی بلکہ لغت الہ الفاظ کا مجموعہ ہوتے ہیں جو زبان میں جاری ہوں۔ ابھی چند سال کی بات ہے کہ جب اول اول "ایروپین" ہمارے ملک میں آئے تو زبان کو ان کے لئے ایک لفظ کی ضرورت پڑی۔ ہمارے اخبارات و رسائل نے کوشش کی کہ ان کو "طیارہ" کہا جائے لیکن عوام نے اس لفظ کی طرف قطعاً توجہ نہ کی اور سب ایک زبان ہو کر "ایروپین" کو "ہوائی جہاز" کہنے لگے، یہاں تک کہ خود اخبارات و رسائل کو اسی لفظ کے استعمال پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی طرح ایران میں جب ریل چلی تو خود بادشاہ وقت نے کوشش کی تھی کہ اس کو "کال سکے بجاری" کے نام سے یاد کیا جائے اور تمام سرکاری کاغذات اور احکام میں ریل کے لئے یہی لفظ استعمال کیا گیا تھا، لیکن پبلک نے اس لفظ کو قبول نہ کیا اور عوام میں ریل کے لئے "ترن" رائج ہو گیا جو "ٹرین" کا مفرد ہے۔

ایران کے ذکر پر مجھے یاد آیا کہ شاید اب سے بہت مدت پہلے وہاں بھی بعض بدلت پسند حضرات نے مروجہ اسما و صفات سے نئے مصادر بنانے کی کوشش کی تھی، اس امر کا اندازہ وہاں کے ایک مشہور اور خوشگو شاعر طرزی انشاک کے کلام سے ہوتا ہے۔ طرزی نے ازراہ تمسخر و ظرافت بہت سے نئے مصادر بنائے ہیں، مثال کے طور پر اس کے چند شعرویل میں درج کرتا ہوں۔

تا ابدے تودیدہ جنویدہ ایم ما	نشناختند خلق کہ چو نیدہ ایم ما
قامت خمید و دل چو نقطہ سیاہ داغ	از عین دشین و قاف تو نویدہ ایم ما

گر در فراق روے تو کاہیدہ ایم ما	کہ چوں کنای ز حسن تو ماہیدہ ایم ما
افتادہ دل بہ چاہ ز رخسار قیاز لطف	جل المین زلف کہ چاہیدہ ایم ما

اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم	بکا نون ہجرت کسا بیدہ باشم
خورد و خواب بر من حراسیدہ باشد	اگر در غمت خورد و خوابیدہ باشم

از بلکہ قزوین بصف اہاں سفیرم	بے خرچی و بے اسپ خرا ماں سفیرم
یارال سطرید نہ جمعیت و من ہم	یک قافلہ با جان پریشاں سفیرم

ترکیم دوتا یم و آنکہ عرب یم در دیل کو تہ نظر اس بوالعجب یم
شعبان رمضان کرب و بلام متعجب بے آتش جہا یم بے ناں رحب یم

لیکن اس بحث سے نتیجہ نکالنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ میں اردو میں ایک سرے سے نئے الفاظ کے استعمال کا مخالف ہوں، میرا مقصد صرف یہ ہے کہ جس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہماری زبان میں الفاظ موجود ہیں اس کے لئے کوئی نیا لفظ جاری کرنے کی کوشش کا رآمد ثابت نہ ہوگی، حقیقت یہ ہے کہ ایک زندہ زبان میں نئے الفاظ کا استعمال ناگزیر ہے لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے زیادہ تر نئے علوم کے لئے اصطلاحات کی صورت میں نئے الفاظ زبان میں داخل ہوتے ہیں۔ ادبیات میں یا زندگی کے معمولی واقعات و حالات کے بیان میں نئے الفاظ کی ضرورت صرف اسی وقت پڑتی ہے جب کہ موجودہ لفظ میں نقل ہو یا پورے طور پر اس سے مطلب ادا نہ ہو سکے یا اظہار خیال کا کوئی ایسا پہلو اختیار کیا جائے جو بالکل نیا ہو اور اس کو وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کے لئے بعض مستعمل الفاظ کمزور یا بے بس ثابت ہوں، اصطلاحات علمیہ کے علاوہ اردو میں آجکل جن نئے الفاظ کے جاری کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ان میں سے بھی بعض ضروری ایسے ہیں جو شاید زبان میں مستقل جگہ اختیار کر لیں گے اور ہمارے روزمرہ میں داخل ہو جائیں گے مثلاً ایک لفظ ہے ”شاہ کار“ فارسی میں پہلے یہ لفظ ”بیگار“ کے معنی میں مستعمل تھا، اب جدید فارسی میں اسے انگریزی کی ادبی اصطلاح ”ماسٹریس“ کے معنی میں استعمال کرنے لگے ہیں اور اسی معنی میں ہم نے یہ لفظ فارسی جدید سے اردو میں اختیار کر لیا ہے، یہ بہت اچھا لفظ ہے اور شاید سب سے پہلے اسے رسالہ ”معارف“ اعظم لکھنے اختیار کیا تھا لیکن ہماری زبان کے اکثر ادبی رسائل نے اپنے تجارتی مقاصد کی بجا آوری کے لئے اس کی وہ مٹی پلید کی ہے کہ خدا کی پناہ، اب ہر رسالہ ”بہتر سے بہتر شاہکار“ پیش کر رہا ہے اور اس کا کوئی نمبر ایسا نہیں ہوتا جو بہترین شاہکاروں کا مجموعہ نہ ہو چنانچہ اس بے اعتدالی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابھی سے اس لفظ کی اہمیت اور اس کے معانی کا وقار کم ہونے لگا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زبان میں رفتہ رفتہ یہ لفظ اپنے قدیم معانی یعنی ”بیگار“ کی طرف عود کر رہا ہے۔ لفظ اچھا ضرور ہے لیکن اس کے استعمال میں ہمیں بہت احتیاط کی ضرورت ہے اور جس مخصوص مفہوم کو ادا کرنے کے لئے یہ لفظ اختیار کیا گیا ہے اس کو صرف اُسی تک محدود رکھنا چاہیئے۔

نئے الفاظ میں سے دو لفظ ”حزنیہ“ اور ”طربہ“ بھی اچھے ہیں، ”یہ“ ”ٹریجڈی“ اور ”کامیڈی“ کے لئے اختیار کئے گئے ہیں اور جو مفہوم یہ ادا کرتے ہیں اس کے لئے ہماری زبان میں الفاظ موجود نہ تھے۔ یہ دونوں الفاظ مختصر بھی ہیں اور خوش آواز بھی۔

”ہباشٹر“ کے لئے ”ناشر“ اور ”پرنٹر“ کے لئے ”طابع“ بھی ایسے الفاظ ہیں جو آسانی سے زبان میں داخل ہو جائیں گے۔ مولوی وحید الدین صاحب سکیم مرحوم کے مصادر میں سے بھی دو چار ایسے ہیں جن کے لئے غالباً زبان میں جگہ نکل آئے گی، مثلاً برق سے برقانا میرے نزدیک بہت اچھا مصدر ہے اور جو مفہوم اس سے ادا ہوتا ہے اس کے لئے ہمارے یہاں کوئی لفظ موجود نہ تھا، منور کرنا اور روشن کرنا ان دونوں مصادر سے ضیا و نور کی وہ شدت ظاہر نہیں ہوتی جو ”برقانا“ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ استعارہ کے طور پر زیادہ وضاحت اور صفائی کے ساتھ بیان کرنے کے معنوں میں بھی یہ لفظ استعمال ہو سکتا ہے۔

کچھ عرصہ سے ہمارے بعض مصنف خصوصاً بعض رسائل کے مضمون نگار صاحبان فارسی اور عربی کے غریب اور اجنبی الفاظ اور ترکیبیں بے تکلف اردو میں استعمال کر رہے ہیں، یہ بھی ”لفظ سازی“ کی ایک صورت ہے، میرے نزدیک اس طرز کے مضامین لکھنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جن کے پاس خیالات کی کمی ہے اور وہ محض الفاظ کی نمائی فوج سے اپنی عبارتوں کو شاندار بنانا چاہتے ہیں، خیر یہ تو قابل توجہ نہیں کیونکہ ان کے عارضی ”رنگ و بو“ کا زبان پر کچھ اثر نہیں پڑتا، دوسرے وہ ہیں جن کے خیالات میں جدید تعلیم نے وسعت پیدا کر دی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر کے انہار میں دقت محسوس کرتے ہیں اور نہایت نیک نیتی کے ساتھ یہ کوشش کرتے ہیں کہ دوسری مشترک زبانوں سے الفاظ حاصل کر کے اس کمی کو پورا کر دیں۔ اس وقت کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھیں اپنی زبان پر عبور حاصل نہیں ہے، ان کی عمر کا زیادہ حصہ انگریزی زبان کے حاصل کرنے میں صرف ہوا ہے۔ اردو زبان کے مستند اور قدیم ادب کے مطالعہ کا انھیں موقعہ نہیں ملا اور وہ نہیں جانتے کہ جس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے انھیں دوسری زبانوں کا دست نگر ہونا پڑتا ہے اس کے لئے خود ہماری زبان میں بہتر سے بہتر سادہ اور سلیس الفاظ موجود ہیں۔ مطالعہ کا رواج ہمارے یہاں بہت کم ہو گیا ہے، یہ خامی صرف ہمارے جدید تعلیم یافتہ حضرات ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہماری قوم کے اکثر لہجوان اپنی مادری زبان کے ادب کا مطالعہ نہیں کرتے، خود ہماری زبان کے اکثر شعرا اسی مرض میں مبتلا ہیں، معدودے چند حضرات کو چھوڑ کر قریب قریب ہر جگہ کثرت سے ایسے شعور ملیں گے جنہوں نے اردو کی مشہور اور مستند کتابوں کا مطالعہ بھی نہیں کیا ہے۔ جب یہ حالت ہے تو ظاہر ہے ان لوگوں کو زبان پر کیونکر قدرت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس لئے سب سے اہم اور سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے اسلاف کے ادبی کارناموں کا مطالعہ نہایت توجہ اور غور کے ساتھ کرنا چاہیے اس کے بعد ادبیات میں ”مختارات“ کا مسئلہ شاید زیادہ اہمیت اختیار نہ کرے گا۔

سلطنت مغلیہ اور بنگال

از مسٹر ہری کرشن بی۔ اے، ایل۔ ٹی،

ہمایوں کی وفات کے بعد جب اکبر تخت سلطنت پر بیٹھا تو تمام ہندوستان مغلیہ حکومت کے دشمنوں سے بھرا پڑا تھا۔ بابر کی قلیل مدت حکومت اور ہمایوں کی بے سرو سامانی کی وجہ سے مغل سلطنت کو استحکام حاصل نہ ہو سکا تھا۔ شیر شاہی رعب و داب کی آمد ہی نے بظاہر نئی سلطنت کے نازک پودے کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر عدم آباد کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ لیکن اکبر کی اعتدال پسندی اور صلح کل حکمت عملی سے پھر پرانی شاخوں میں نئے نئے پتے بکھوٹ بکھوٹ نکلے اور دیکھتے دیکھتے مغل راج ایک تناور درخت بن گیا۔ اکبر کا ابتدائی زمانہ دشمنوں کے زیر کرنے میں صرف ہوا تھا، اسی سلسلہ میں تقریباً بیس سال تک اس کو فتح بنگال کے لئے متواتر لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ ۱۵۵۶ء میں داؤد خاں بنگال کا آخری پٹھان فرمانروا شکست کھا کر قتل ہوا اور بنگال ممالک محروسہ میں شامل ہو گیا۔ لیکن سلطنتوں کے تبادلاً سے دل تبدیل نہیں ہوتے۔ افغان سردار جو بظاہر مغل راج کے مطیع ہو گئے تھے، اندرونی طور پر اس کے خلاف رہتے تھے جس کی وجہ سے اکبر اعظم کو اپنے تمام دوران حکومت میں اور نیز جہانگیر کو اپنے قیام حکومت کے کچھ حصہ تک اکثر پریشانیوں اٹھانی پڑیں۔ اسی زمانہ میں ہمارے ہیر و پرتاب آدیتھ کا ظہور ہوا ہے جس طرح رانا پرتاب نے اپنی تمام عمر قیام آزادی کے لئے اکبر کے خلاف لڑائی میں صرف کردی اسی طرح آدیتھ پرتاب نے بنگال کی آزادی حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام زندگی وقف کر دی تھی۔

پرتاب آدیتھ جلیسور کے راجہ کا لڑکا تھا، لڑکپن کے زمانہ میں وہ مردانہ کھیلوں، شجاعانہ کرتبوں اور جنگجویمانہ تقریحوں کا شائق تھا۔ اس کو داؤد خاں اور اس کے پٹھان ہمراہیوں کے جنگی کارناموں کے سننے کا سیر شوق تھا، لیکن اس کے باپ کو اس کے جنگی جذبات ایک آنکھ نہ بھالتے تھے۔ وہ سیدھا سادہ صلح کل اور مذہبی خیالات کا دلدادہ امن و عافیت پسند تھا۔ اس کو یہ کسی طرح منظور نہ تھا کہ بیٹھے بٹھے مفت میں سلطنت مغلیہ کی دشمنی مول لے۔ وہ اپنے لڑکے

کے رویہ کو سخت ناپسند کرتا اور دل ہی دل میں اس کی جانب سے گرہ تھا تھا بہت غور و خوض کے بعد اُس نے یہ راہ نکالی کہ آدیتہ پر تاپ کو اگر بھیجے تاکہ وہاں مغلیہ سلطنت کی شان و شوکت سے مرعوب ہو کر وہ راہ راست پر آجائے اور اُس کو اپنے اُن ساتھیوں سے نجات حاصل ہو جائے جن کے دل مثل اس کے حب الوطنی کے جذبات سے پُر تھے۔ اور جو مثل داؤد خاں کے مغلوں سے لڑ کر اپنے آبائی ملک بنگال کو اُن کی دستبرد سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آدیتہ کو اگرہ روانہ کر دیا گیا اور شکر چکرو دی بھی جو اس کا ہراڑ تھا اس کے ساتھ گیا۔ شہنشاہ اکبر غلام نہایت فرخ دلی سے اُن کا خیر مقدم کیا، اور ان کی صاف گوئی اور شجاعانہ رویہ سے جن کا اظہار دوران قیام دارالخلافہ میں ہوا نہایت متاثر ہوا۔ اکبر اکثر پر تاپ سے اُن سرداران بنگال کے بارے میں تذکرہ کیا کرتا تھا جن کی متواتر بغاوتیں اُس کو چین نہ لینے دیتی تھیں۔ انھیں تذکروں کے دوران میں اکبر کے دل پر پر تاپ کی باتوں کا کچھ ایسا اثر پڑا کہ اس نے اس کو جیسور کی حکومت کا فرمان شاہی عنایت کیا۔ اس کے عوض میں پر تاپ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ تمام بقایا مالگداری جو ساہا سال سے کسی طرح وصول نہ ہوتی تھی تحصیل و جمع کر کے شہنشاہ معظم کی خدمت میں روانہ کر دے گا۔ پر تاپ کی عدم موجودگی میں اس کے نوجوان ہمراہیوں نے اپنی جماعت کی باقاعدہ تنظیم کر لی تھی۔ اور بہت سے سرداران بنگال کو اپنا شریک کار بنالیا تھا۔ ان لوگوں نے خفیہ طور پر شاہی مالگداریوں کی رقوم کثیر پر خوب ہاتھ صاف کیا تھا اور اس دستبرد سے کافی دولت فراہم کر لی تھی۔ ان کی جماعت میں بالخصوص جفاکش دیہاتی و کاشتکار شریک تھے جو عموماً شاہی عمال کے مظالم و جور و جفا کے نشانہ بنے ہوئے تھے۔ سرکاری عمال تحصیل لگان و مالگداری کے لئے رعایا پر ہر ممکن سختی و تعدی روا رکھتے تھے جس سے رعایا نے بد دل ہو کر ابھی لگان و مالگداری ادا نہ کرنے کا غم اُبھرم کر لیا تھا اور اس طرح خود غرض عمال کی بیجا حکمت عملی و کوتاہ اندیشی و فاشکاری سے سلطنت بالکل مستحکم ہونے کے زوال پذیر اور رعایا خوشحال و جاں نثار ہونے کے بجائے برباد و غدار ہوتی جا رہی تھی، اور سلطنت مغلیہ کے دشمنوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ سیاسی حالات نے جس وقت پر تاپ شاہی فرمان لیکر بنگال و الہ پور پہنچا اور اپنے والد بزرگوار کو جیسور کے تخت حکومت سے معزول کر کے اس کا معین ریاست پر قابض ہو گیا اور اپنے دوستان قدیم کی مدد سے ہماراجہ پر تاپ آدیتہ کا لقب اختیار کیا۔

جس زمانہ میں پر تاپ اگرہ میں مقیم تھا اس نے مغلیہ افواج کی ترتیب و تنظیم و نیز طریقہ جنگ کو بہت غور و خوض سے مطالعہ کیا تھا اور گجرات اور راجپوتانہ کا طویل و سخت سفر اختیار کر کے اس نے

وہاں کے سیاسی و دیگر حالات سے بھی بخوبی واقفیت حاصل کر لی تھی، نیز ان طریقوں سے کماحقہ آگاہ ہو گیا تھا جن کی بدولت اکبر دور دراز صوبوں اور ماتحت و باجگذاں راجاؤں پر نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کرتا تھا۔ اس قدر وسیع تجربہ اور عملی معلومات سے مالا مال ہو کر جب پرتاپ نے حکمرانی شروع کی تو شروع ہی میں بہو یاں سرداروں میں سے جن کی تعداد بارہ تھی اور جو بنگال کے نہایت ہی طاقتور سرداروں میں تھے زبردست ترین سرداروں کو اپنا شریک کار بنالیا۔ ان میں سے بعض لوگ اور مفتوح ہو کر اس کے شریک ہوئے اور بعض بغیر کسی قسم کی جنگ و پیکار کے اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس زمانہ میں روڈانامی پرتگالی بحری ڈاکو کی قابلیت و جرأت کا سکھ اہل بنگال کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ دریائے گنگا کا ڈیلٹا اس زمانہ میں پرتگالی بحری ڈاکوؤں کا ٹھا و ماوی تھا۔ ان کے باعث رعایا سخت عذاب میں مبتلا رہتی تھی مقامی حکام رعایا کی حفاظت کرنے کے قطعی ناقابل تھے چھوٹے چھوٹے سرداروں میں بنگال منقسم تھا جن کا وقت باہمی جنگ یا ذاتی تفریحات و مشاغل میں صرف ہوتا تھا، پھر یہ تھے خشکی کے شیران کا پرتگالی بحری ہنگوں سے کیا مقابلہ، وہ قہر خداوندی کی طرح نازل ہوتے، لوٹ مار کرتے اور رعایا کو زبردستی جہازوں میں ڈاکر دور دراز ملکوں میں لجا کر بطور غلاموں کے بیچ ڈالتے تھے

اراکان کے راجہ کا ان بحری ڈاکوؤں سے ناک میں دم تھا مگر وہ بھی فرمانروایان بنگال کی طرح بحری جنگ کے طریقوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کی سرکوبی کرنے سے محذور تھا۔ ان لوگوں نے دریائے گنگا کے دہانہ پر سان دیپ نامی جزیرہ میں اپنی نوآبادی قائم کر لی تھی، جہاں پر گرفتار شدہ اہل بنگال کو غیر مالک کو رو انکی سے پیشتر بطور قیدیوں اور غلاموں کے رکھا جاتا تھا۔ یہاں پرتگالیوں نے ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ بھی بنالیا تھا جہاں ان کا گولہ بارود و سامان حرب مہیا تھا اور جہاں وقت ضرورت پناہ گزین ہوتے تھے۔ یہ قلعہ اور نوآبادی روڈا و دیگر پرتگالی سرداروں کی جگہ رہا لیش تھی۔ پرتاپ نے اپنے بہادر جہاں نثاروں کے ساتھ ان پرتگالی بحری ڈاکوؤں سے جنگ کی اور ان کو شکست فاش دیکر روڈا کو گرفتار کر لیا جو آئندہ ہمیشہ تمام جنگوں میں پرتاپ کا دست راست ثابت ہوا۔

اکبر اعظم کی حکمت عملی پر عامل ہو کر پرتاپ نے بنگال کے ہندو و مسلمان حاکموں کی تعداد کثیر کو اپنا رفیق بنالیا اور تمام مقامات پر جو جنگی اہمیت رکھتے تھے بڑے بڑے قلعے تعمیر کرائے اس طرح ۱۵۹۹ء تک اس نے خفیہ طور پر اپنی طاقت کو نہایت مضبوط بنالیا لیکن بایں ہمہ اس

سلطنت مغلیہ کے خلاف جنگ کی ابتدا اپنی طرف سے نہیں کی۔

ان ایام میں شیر خاں مخانب سلطنت مغلیہ بنگالہ کا گورنر تھا، اس نے ایک شخص موسومہ شنکر کو کسی تصور پر قید کر دیا لیکن شنکر کسی تدبیر سے جیل خانہ سے نکل بھاگا، شیر خاں بھی اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا اور پرتاپ کی زمینداری میں داخل ہو گیا۔ اس پر پرتاپ نے اس سے جنگ کی اور شکست دیکر پاکر دیا۔ اس کے بعد پرتاپ نے سپت گرام کو فتح کیا جو جنوبی بنگال کا تجارتی مرکز تھا پھر اُس نے پٹنہ تک فتوحات کا سیلاب بہا دیا، اس طرح اچھے اچھے زمیندار برباد ہو کر حلقہ بگوش ہو گئے اور پرتاپ کے اشاروں پر کام کرنے لگے۔

جب یہ خبر اڑتی اڑتی اکبر تک پہنچی تو وہ بہت پریشان ہوا بلکہ غصہ سے اس کا تمام جسم تھرا گیا، فوراً ہی اپنے مشور سپہ سالار عظیم کو اس مہم عظیم پر بھیجا، پرتاپ نے راستہ دیا، عظیم اس چال کو نہ سمجھا اور کھیلے بندوں موجودہ حکمت تک جا پہنچا، عظیم یہ سمجھا کہ غنیم اقتدار شاہی سے مرعوب ہو کر روپوش ہو کر بغیر لڑے بھڑے شکست سے ہم آغوش ہوا لیکن جب آنکھ کھلی تو خود کو گرفتار بلا اور چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں پھنسا پایا، تین طرف سے پرتاپ کی فوجیں حملہ آور تھیں اور دریا کی طرف سے روڈا اپنے جہازوں سے آتشباری کر رہا تھا۔ بالآخر عظیم غنیم کی چالوں کا شکار ہوا۔ وہ عزت و عظمت کے پھر پرے اڑا تا آسمان سے باتیں کرتا آیا تھا لیکن اپنی کم فہمی سے معہ بیس ہزار سپاہ کے پیوند خاک ہوا

اس فتح عظیم سے پرتاپ کل بنگالہ کا فرمانروا ہو گیا۔ اراکان اور اڑیسہ کے راجاؤں نے اس کے ساتھ عہد نامے کئے۔ اس کے بعد وہ اپنی سلطنت کی تنظیم میں مصروف ہوا۔ اس کا حال مشہور پرتگالی سیاح فون سیگا نے حوالہ قلم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پرتاپ کے زمانہ میں مذہبی آزادی کا ناما تو سچو نکا جارا تھا۔ عیسیٰ بہ دین خود موسیٰ بہ ایمان خود کا تقارہ جج رہا تھا۔ ہر شخص اپنی مذہبی روایات پر عمل کرنے پر خود مختار تھا۔ پرتگالیوں کو حبسوں میں گرجا بنانے کی اجازت دی گئی سودا گروں کے ساتھ ہر قسم کی رعایتیں کی گئیں، تجارت کی گرم بازاری تھی، رعایا آباد و خوشحال تھی، دربار علماء و شعرا و سے بھرا ہوا تھا۔ حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس پر پرتاپ نے ہاتھ رکھا ہو اور اُس نے ترقی نہ کی ہو لیکن بقول انیس ۷

دنیا میں کسی کی کبھی کیساں نہیں گزری

یہ حالت بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہی، اس طرف تو خود پرتاپ کے دربار میں لعین و حسد کے شکار بہت سے مارا ستیں پیدا ہو گئے، دوسری جانب جب عظیم کی شکست و تباہی کا حال اکبر کو معلوم ہوا تو وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا۔ اس کی وفات کے بعد جب جہانگیر سربراہی سلطنت ہو کر سفید سیاح کا مالک ہوا تو اس نے دور اکبری کے شجاعت و تدبیر کے آفتاب راجہ مان سنگھ کو بنگالہ کی مہم پر روانہ کیا پرتاپ نے مان سنگھ کو عظیم کی طرح بے خوف و خطر جنوبی بنگال کے دلدلی مقامات تک چلا جانے دیا، مگر وہاں پہنچتے ہی برسات شروع ہو گئی تو پرتاپ نے راجہ مان سنگھ کی فوج کی رسد بند کر دی اور وسائل آمد و رفت مسدود کر دیے۔ فوجیں گر سنگی اور برساتی دباؤی امراض کے چنگل میں ٹڑپنے لگیں۔ مان سنگھ مصائب کے گرداب میں بایوسی کے عالم میں ہاتھ پیر مارنے لگا اور عظیم کی حسرت خیز موت کی تصویر اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی، اگر کچھ عرصہ یہی حالت اور برتی تو مان سنگھ بھی مع کل فوج کے راہی عدم ہوتا۔ مگر عین اس موقع پر پرتاپ کے خاص معتمد علیہ جھوانند نے دغا کی۔ مان سنگھ نے اس کے دلی منشا کو معلوم کر کے فوراً ہی اس سے ساز باز کیا، اس دغا بازی و سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جھوانند نے تمام غلہ کا ذخیرہ مان سنگھ کے حوالہ کر دیا، اب کیا تھا مغلیہ فوج کے دل بڑھ گئے، اور انھوں نے تازہ دم ہو کر جیسور پر بڑھاوا بول دیا، لیکن پرتاپ کی جلے ہالیش کا پتہ جو جنگلوں میں تھی کسی طرح نہ چلتا تھا۔ مان سنگھ سازش و تدبیر سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں مصروف تھا، آخر پرتاپ کا ایک خاندانی بھائی جو اس کی عظمت کو دیکھ کر آتش حسد سے جل رہا تھا مان سنگھ سے مل گیا اور ایک دن مان سنگھ کے معتمد سرداروں کو پیٹ کے بل جھاڑیوں میں سے نکال کر لے گیا اور پرتاپ کا قلعہ اور وہاں آنے جانے کے تمام پوشیدہ و خفیہ راستے دکھا دیے۔ پھر کیا تھا مان سنگھ نے یکایک حملہ کر دیا اور شمع آزادی کا پروانہ پرتاپ اپنے ہی مارا ستینوں کا شکار ہو کر اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ لڑتا ہوا میدان جنگ میں کام آیا اور اس طرح بنگال سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گیا۔



علامہ محسن کا کوروی^۱

(از جناب طاہر محسن صاحب)

مولانا محمد محسن^۲ محسن کا کوروی مولوی ہادی علی اشک مرحوم کے شاگرد تھے۔ اول میں پوری میں چند دنوں عمدہ نظارت پر کام کیا پھر بعض حکام اور اکثر اہباب کی تحریک سے وکالت کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اس زمانے میں صدر دیوانی عدالت آگرہ میں تھی چنانچہ آپ نے بھی آگرہ ہی میں پریکٹس شروع کی، مگر عدت کے ہنگامہ کے فرو ہونے کے بعد میں پوری میں قیام اختیار کیا اور وہیں وفات پائی۔

مولانا محسن کا قد میانہ رنگ گندمی اور چہرہ گول تھا۔ چہرہ پر چھپکے چند داغ بہت خفیف تھے۔ داڑھی مختصر تھی اور خضاب لگاتے تھے۔ انتقال سے چند سال پیشتر داڑھی بڑھالی تھی اور خضاب ترک کر دیا تھا آواز میں نرمی اور ملائمت خلقی تھی۔ مولانا محسن کے کلام کا بیشتر حصہ لغت میں ہے۔ چونکہ آپ کو شہرت و عزت اور شاعرانہ وقعت اور دنیاوی صلے کی خواہش نہ تھی اس لئے آپ کی نظم سے خلوص عقیدت کا رنگ ٹپکتا ہے۔ گل و بلبل کے پیش پا افتادہ مضامین سے آپ استرا کرتے تھے۔ مبالغہ و ستعار کو نہایت خوبی سے نظم کرتے تھے۔ مضامین کی بلندی، الفاظ کا شان و شکوہ، بندش کی چستی، تشبیب و گریز اور خاتمہ و مناجات میں خاص طرز کے موجد تھے۔ آپ کی چند تصانیف کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ سہرا پائے رسول اکرم (۲۶۱۶ ہجری) ایک نئے انداز کا سہرا لکھا ہے، اس کا خاتمہ بھی نئے انداز کا ہے

ہے یہ امید کہ جب گرم ہو بازارِ نشور خود کسے بادِ شہِ بارگہ عالم نور
لو سہرا پائیں تم دو عوینِ حور و قصور میں کہوں واہ مجھے یہ نہیں ہرگز منظور

مفت حاضر ہے مگر اس کی یہ تدبیر نہیں
کھوٹے داموں کے یوسف کی یہ تصویر نہیں

۲۔ ابیات لغت (۲۱۶۲ ہجری) اس قصیدے کی تفسیر حضرت امیر بینائی مرحوم نے بھی کی ہے،

۱۵ تاریخ ولادت ۱۲۴۲ ہجری، تاریخ وصال ۱۸ صفر ۱۳۱۲ ہجری

اور خوب نصیحتیں ہے۔

۳۔ چتر شہنشاہی (۱۲۷۲ھ ہجری) یہ مسدس ایک عزیز دوست کی طرف سے واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی مدح میں لکھا تھا جس کے چند بند بدیہ ناظرین ہیں۔

عزیز مصر جب تک مشتری ہو مہر قیصر ہو قمر پرویز زہرہ مثل شیریں ناز پرور ہو
دیر چرخ توقعات میں کسری کا ہمسر ہو ہو کیواں مثل کے میخ بہرام دلاور ہو

اکلی جان عالم بادشاہ ہفت کشور ہو
فلک پر سات اختر ہیں زیں پر ایک اختر ہو

رہے جب تک بکام تشنہ کمال محبت باری رہے برسات میں ہر چار سو چھائی ہوئی بلی
متاع کاروان ابر گوہر بار ہو پانی کنویں میں آب شیریں ہو بجائے یوسف مصری
ترا فیض اے سحاب مرحمت ہر دم قزول تر ہو
کنواں ہو نہ ہو، گنگا ہو، قازم ہو، سمندر ہو

ہے جب تک بہت لشکر کشی نفور و خاقان کی رہے خوزیری کا نقشہ دماغ بکلا ہاں میں
کمال جو ہر شمشیر سازی ہو صفا ہاں میں چلے تیغ پری پیکر پری کی چال میداں میں
تو اعدا پر مظفر اور ترا الشریا دور ہو

کمر میں ذوالفقار اور بازوؤں میں زور حیدر ہو

رہے تاخیر حسن پاک جب تک طوسینا میں عزیز مصر بے کنعاں رہے مشہور دنیا میں
آمارا ہو پر زادول کا دل میں چشم بینا میں ہو ذکر گوہریاں گوگل میں بندر بن میں تھرا میں
تو محبوب جمال اے یوسف پاکیزہ نظر ہو

کشتیا بروج والوں میں پر زادول میں اندر ہو

۴۔ مثنوی صبح تحلی (۱۲۸۹ھ ہجری) اس میں نئے انداز سے حضور اکرم کی ولادت باسعادت کا حال بیان کیا ہے

۵۔ فغان محسن (۱۲۸۹ھ ہجری) یہ مثنوی اپنے ایک دوست کی ہمدردی میں اپنی بیماری کے بعد لکھی تھی۔

۶۔ نگارستان جسکو پیاری باتیں بھی کہتے ہیں (۱۲۹۳ھ ہجری) اس میں حضرت محسن نے عشق و محبت کی سچی تصویر کھینچی ہے۔ ایک جگہ محبوب اپنے محبوب سے اس طرح خطاب کرتا ہے۔

نہ وہ صورت نہ وہ سیرت تیری ہائے کیا ہو گئی حالت تیری

اڑ گیا رنگ ترا ہو ہو کر بہ گیا خون دل آسو ہو کر

۷۔ واجد علی شاہ کا مخلص ہے

چہرہ ڈو با ہوا حیرانی میں
 زردی چھائی ہوئی رخساروں پر
 چھپ گیا چاند ستارا ہو کر
 بند آنکھیں کئے روتا دیکھا
 دیکھ بھرا آئیں تری پھر آنکھیں
 خون میں ڈوبی نگاہیں کیسی
 جال پھیلائے ہیں منتر والے
 جان لیتے ہیں نکھرنے والے
 بیٹھے بٹھلائے یہ سودا تجھ کو
 دل لگا ہے تو پشیمانی کیوں
 ہوش میں آؤ سمجھ والے ہو
 شو کمیں ایک نہ مانی آخر
 چاندنی پچھلے پہر کی کب تک
 تمام لے دل تجھے دلبر کی قسم
 دوستانہ تجھے سمجھاتے ہیں

عرق آیا ہوا پشیمانی میں
 سرسول پھولی ہوئی انگاروں پر
 اڑ گیا آئینہ پارا ہو کر
 رات ہم نے تجھے سوتے دیکھا
 یاد آئیں کوئی کافر آنکھیں
 ہیں مری جان یہ آہیں کیسی
 بال کھولے ہوئے گھونگر والے
 تم سلامت رہو مرنے والے
 کیا ہوا میرے کہنا تجھ کو
 جان کی فکر مرے جانی کیوں
 تم تو بے مے پیئے متوالے ہو
 مٹ گئی تیری جوانی آخر
 روشنی شمع سحر کی کب تک
 سراٹھا تجھ کو مرے سر کی قسم
 نہیں سنتا ہے تو ہم جاتے ہیں

۷۔ میراج خیر المرسلین (۱۹۳۲ء ہجری) یہ وہ لایہ تصدیق ہے جس نے حضرت محسن کے کمال کو ہندوستان میں مسلم کر دیا، اس میں ہندوستان کی برسات سے تشبیب شروع ہوتی ہے، چند اشعار منتخب یہاں لکھے جلتے ہیں:-

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
 راکیاں یکے سلوٹوں کی برہمن نکلیں
 ابکی میلا تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا
 ڈوبتے جلتے ہیں گنگا میں تبارس والے
 قمریاں کستی ہیں طوبی سے مزاج عالی
 نوز کی تپلی ہوئی پردہِ ظلمت میں نہال
 شب بخوراند حیرے میں ہے ابدل کے نہال

پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
 تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
 نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
 نوجوانوں کا سینچر ہے یہ بڑھوا منگل
 لالہ و باغ سے ہندوے فلک کہیں کسل
 چشم خورشید جہاں میں ہیں ہمارے سبل
 لیلی محل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آبل

چو کیا ہمیں کے چنچے لگائے ہے بھبھوت
یا کہ ہیرا کی ہے پریت پہ بچائے مکمل
لہریں لیتا ہے جو بجلی کے مقابل سبزہ
چنچ پر ہادلہ پھیلا ہے زمیں پر مغل
سبزہ خط سے ہوا ہونے لگی سرخی لب
چمن حسن سے لال اڑ گئے بن کر بزل
پھول ٹوٹے ہوئے پھرتے روشوں پر ہیں نسیم
یا سڑک پر ہیں ٹپکتے ہوئے گلوں کوئل
۸۔ چراغِ کعبہ (۱۳۱۰ ہجری) اس میں واقعہ معراج کو نظم کیا ہے۔ براق کی تعریف میں شعر ہے
چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل
کھیت اس کا بہشت خلد جنگل
تیسرے آسمان کی سیوڑیں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، لہذا سرکارِ دو عالم کا سراپا
نئے انداز کا لکھا ہے:-

اس گردن صاف کی بلندی
تکبیرِ فریضہ سحر کی
رعنائی قاصدِ مناسب
روزے میں اذانِ وقتِ مغرب
بہشت کی تعریف میں کیا لا جواب شعر فرمایا ہے:-

کیا کیجئے بیاں صفتِ فضا کی
پھلوا ری جنابِ کبریا کی
مقامِ اعلیٰ پر پہنچے تو کس انداز سے شاعرانہ رنگ میں نئے قسم کے مضامین بیان کئے ہیں:-

پے سایہ قد رسولِ باری
تھسا یہ مغلِ خاکساری
سجدے کے لئے جھکا ہوا تھا
سرِ عرش پر اور زمیں پہ ماتھا
پٹی میں جما جمالِ دل خواہ
جس طرح چنے پہ قتل ہوا شیر

۹۔ مثنوی شفاعت و نجات (۱۳۱۰ ہجری) اس کا ہر عنوان تاریخی مادہ ہے
۱۰۔ حشر و محنت افزا (۱۳۱۰ ہجری) یہ مثنوی بھی آپ اپنی نظیر ہے۔ اس میں قیامت کا حال اور وہاں
کی پریشانیوں کا ہر کی میں چند شعر مدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

اڑا پہلے رنگ اب ہے اڑنا حال
بچا ابکی اچھا رنگ گل کا جال
ہوئی رونق دہر خانہ خسراب
وہی حریف مینا وہی آفتاب
یہ مرقہ کا سا بچہ اپنے لگا
کہ ہر جسم گل گل کے ڈھلنے لگا
نہ سو جہاں مانے کا کیا ہے چلن
ہوا چشمِ مردم میں جالا کفن
نخل آئے عرباں نئے روپ میں
چلے اُٹھ کے ترخانے سے ٹھوپ میں
محبت ہوئی قیس سے ناامید
لیو ہو گیا گو گن کا سفید
یہ بے الفتی ہے خدا کی پناہ
کہ کعبہ بھی قبلے کی بھولا ہے اہ

Sri Pratap Singh
Public Library
Bijnagar

آرتھیل سرشاہ محمد سلیمان

(چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ)

آرتھیل سرشاہ محمد سلیمان صاحب چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ کی تقرری کی خبر ہندوستان کے طول و عرض میں بڑی مسرت سے سنی گئی، آپ پہلے سلمان اور دوسرے ہندوستانی ہیں جو اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوئے ہیں۔ چنانچہ زمانہ میں آپ کے حالات زندگی اور مشاغل کا بیان خالی از دیکھسی نہ ہوگا۔

سرشاہ محمد سلیمان صاحب ۳ فروری ۱۸۸۲ء کو بیکانیر میں پیدا ہوئے، صوبہ متحدہ کے مشرقی اضلاع میں آپ کا خاندان بڑی عزت و وقعت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد میں علم و تصوف کا خاص چرچا تھا۔ شاہ گرم دیوان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار بہرہ ضلع اعظم گڑھ میں ہے سلسلہ نقشبندیہ کے نامور بزرگ اور حضرت ملا محمود صاحب (مصنف شہرہ آفاق کتاب شمس بازغہ) اسی خاندان کے شمس و قمر تھے۔ سرشاہ محمد سلیمان صاحب کے والد محترم مولوی شاہ محمد عثمان صاحب مرحوم اپنے زمانہ کے ایک ممتاز وکیل تھے۔ آپ جو بچپن میں وکالت کرتے تھے مگر تمام صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ میں جہاں کہیں شرع محمدی کی اہم گتھیوں کے سلجھانے کی ضرورت ہوتی آپ ہی کو دعوت دی جاتی۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے وقت پنڈت موتی لال نہرو آج بھائی نے فرمایا تھا کہ آج قانون کا ایک زبردست ماہر ہمارے درمیان سے اٹھ گیا ہے۔ سرشاہ محمد سلیمان صاحب نے اپنے فائز پیر بزرگوار کی صحبت میں آنکھیں کھولیں، چند ہی سال کے اندر آپ نے عربی و فارسی کی درسی کتابیں ختم کر کے انگریزی شروع کی، حضرت مولانا امیر شاہ عبدالعلیم صاحب اسی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز شاہ محمد سلیمان صاحب کے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ یہ ہو نہا ریحہ دنیا میں آفتاب بن کر چلے گا۔ چنانچہ ان دعائیہ کلمات کا حرف حرف صحیح ثابت ہوا۔ آپ نے بہت ہی کم سنی میں میٹرک کا امتحان اول درجہ میں پاس کیا تھا۔ اس امتحان میں تمام صوبہ میں آپ چہارم نمبر پر کامیاب ہوئے تھے۔ آپ کے علمی ذوق کا یہ حال تھا کہ ریاضی کے دقیق مسائل کے حل کرنے میں جب آپ مشغول ہوتے تھے تو اپنے کمرے سے آٹھ دس گھنٹہ تک

باہر نکلتے تھے اور ریاضی سے آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ انٹریس کے بعد شاہ صاحب مہرج الہ آباد یونیورسٹی میں داخل ہوئے اور ایف۔ اے کا امتحان بھی اول درجہ میں پاس کیا، او بی۔ اے میں تمام یونیورسٹی میں اول نمبر پر پاس ہوئے، اس امتحان میں بھی آپ کا خاص مضمون ریاضی تھا۔ بعد ۱۹۱۶ء میں آپ

گورنمنٹ سے تعلیمی وظیفہ حاصل کر کے انگلستان تشریف لے گئے جہاں آپ کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے اور وہاں سے ایم۔ اے اور قانون کی ڈگری حاصل کی اور ڈبلن یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی ڈگری لیکر ۱۹۱۲ء میں ہندوستان واپس آئے۔ آپ سول سروس کے امتحان میں بھی شریک ہوئے تھے مگر انتخاب میں نہ آنے پر آپ نے قانون کی طرف توجہ کی، اگر آپ سول سروس میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو آج کسی ضلع میں کلکٹر یا کمشنر ہوتے مگر وہ ناکامیابی ڈاکٹر صاحب کے لئے عین کامیابی ثابت ہوئی۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ پر فائز ہو کر آپ تمام صوبہ متحدہ کی عدالت دیوانی کے حاکم اعلیٰ ہو گئے۔

حکومت کی دو شاخیں ہیں انتظامی و عدالتی (ایگزیکوٹیو و جڈیشل) اول الذکر کا حاکم اعلیٰ گورنر ہوتا ہے اور دوسری کا چیف جسٹس ہائی کورٹ۔ اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سر شاہ محمد سلیمان صاحب نے ہندوستانیوں میں نادراغزاز حاصل کیا ہے۔

بہر حال ۱۹۱۲ء میں وطن تشریف لائے پر شاہ صاحب نے جو پوری میں اپنے والد محترم کے ساتھ وکالت شروع کی مگر ایک سال کام کرنے کے بعد آپ ہائی کورٹ میں منتقل ہو گئے اور تھوڑی ہی مدت میں ہائی کورٹ الہ آباد کے قانون دال حضرات کی اول صف میں آ گئے۔ ۱۹۱۹ء میں آپ قائم مقام جج ہائی کورٹ مقرر ہوئے اور ۱۹۲۳ء میں مستقل جج ہو گئے اور ۱۹۲۹ء میں ناٹ کا خطاب حاصل کیا۔ آپ نے اپنے فرائض منصبی بڑی جفاکشی، آزادی اور غیر جانبداری سے انجام دیے۔ یہ بات اکثر دینتر مشاہدہ میں آپ کی ہے کہ شاہ صاحب قانون کے دقیق سے دقیق مسئلہ کو بڑی آسانی سے عام فہم بنا دیتے ہیں۔ آپ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ صرف جو تیسری برس کی عمر میں مستقل جج ہائی کورٹ ہو گئے۔ آپ کے تعلقات بار اور بیچ دونوں کے ساتھ ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء کو جب آپ نے اپنے جلیل القدر عہدہ چیف جسٹس کا چارج لیا تو ہر طبقہ کے ہندو مسلمانوں میں خوشی کا اظہار کیا گیا۔ اعلان تقرری کے وقت بھی آپ کے پاس ملک کے ہر گوشے سے صد ہاتار اور خطوط مبارک آنے لگے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف پھیلتیس سال ہے، ہمارا خیال ہے کہ بہت ہی کم اصحاب کو اس عمر میں ایسا اعلیٰ اعزاز نصیب ہوا ہوگا۔

قانون کے علاوہ سر شاہ محمد سلیمان صاحب کو تعلیمی، ادبی اور معاشرتی مسائل سے بھی غیر معمولی دلچسپی

چنانچہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی اصلاح و ترقی میں شاہ صاحب نے وہ بے نظیر خدمت انجام دی ہے جس کی مثال دورِ حاضر میں کیاب ہے۔ چند سال سے مسلم یونیورسٹی کا نظام خراب ہو رہا تھا اور اڑلی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو گئی تھی، آخر کار یکم صاحبہ بھوپال نے سربراہ اہم رحمت اللہ صاحب (موجودہ صدر اسمبلی) کی صدارت میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر فرمایا۔ کمیشن کی رپورٹ مرتب ہونے اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی برطرفی کے بعد یہ سوال سامنے آیا کہ کمیشن کی مجوزہ اصلاحات کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جائے۔ آخر کار یہ اہم خدمت سر سلیمان صاحب کے سپرد ہوئی اور آپ یونیورسٹی کے والس جانسکر مقرر ہوئے۔ تقریباً ایک سال تک برابر ہر ہفتہ شاہ صاحب الہ آباد سے علیگڑھ جاتے رہے اور مائیکورٹ کی تعطیل کے زمانہ میں بھی آپ نے برابر علیگڑھ ہی میں قیام کر کے یونیورسٹی کی خدمت انجام دی۔ اس سلسلہ میں آپ نے اپنے عزیز وقت اور روپیہ کی وہ قربانی کی ہے جس کی مثال مسلمان لیڈروں میں بہت کم ملے گی۔ بہر حال آپ نے مسلم یونیورسٹی کو استوار اصولوں پر قائم کر کے حکومت اور پبلک میں مقبول عام بنادیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سابق والس سرانے ہند اور گورنر صوبہ متحدہ نے آپ کی شاندار اہم خدمات کا علانیہ اعتراف کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سر سلیمان نے اس سطرے وقت پر دارالعلوم علیگڑھ کی جو خدمت انجام دی ہے اس کے احسان سے مسلمانان ہند کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے ہیں۔ آپ نے حکومت ہند کے اعلیٰ افسران سے بھی ملکر یونیورسٹی کے لئے پندرہ لاکھ کی امداد منظور کرائی جو سالانہ قسطوں کی صورت میں اب تک مل رہی ہے۔

آپ نے کئی مرتبہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی صدارت کے فرائض بھی نہایت خوبی و کامیابی سے انجام دیے۔ کانفرنس مذکور کے شعبہ اصلاح و تمدن کے صدر کی حیثیت سے شاہ صاحب نے ۱۹۲۷ء میں بمقام مدراس ایک قابل قدر جامع خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس میں اصلاح معاشرت کے جملہ پہلو پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ حالی زندگی کی اصلاح اور صنف نازک کی اصلاح و ترقی کے مسائل سے شاہ صاحب کو خاص دلچسپی ہے۔ اپنی صلاحی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے آپ نے انگریزی اور اردو میں ریفارمر نام سے ایک اخبار الہ آباد سے اپنی نگرانی میں جاری فرمایا۔ آپ الہ آباد یونیورسٹی کی مجلس انتظامیہ کے بھی ایک ممتاز رکن ہیں اور یونیورسٹی مذکور کے کاموں میں برابر عملی حصہ لیتے رہتے ہیں۔

ان علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ سر شاہ محمد سلیمان صاحب کو خاص ادبی ذوق بھی ہے۔ آپ ہندوستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ کے نہایت سرگرم رکن و رہنما ہیں۔ ادبی کانفرنس کے اجلاس ۱۹۳۱ء

کی صدارت کرتے ہوئے ہندی اور اردو زبانوں کی اصلاح و ترقی پر آپ نے ایک بلند پایہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اکیڈمی کا ہر شعبہ آپ کی امداد و رہنمائی کا رہن منت ہے۔

شاہ صاحب کے والد محترم مولوی شاہ محمد عثمان صاحب عربی و فارسی کے جید عالم تھے، شعر و سخن سے بھی آپ کو خاص دلچسپی تھی، آپ کی کئی ایک شہنویاں اور غیر مطبوعہ دیوان اردو سر سلیمان صاحب کے پاس موجود ہے۔ حضرت مولانا آنسی رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی غزل ارشاد فرماتے تو مولوی عثمان صاحب مرحوم کو سب سے پہلے سناتے۔ ان دونوں بزرگوں میں ایسی بے تکلفی تھی کہ ایک ایک مصرع اور الفاظ کی نشست پر پرول بخت رہتی تھی۔ حقیقتاً جو پوری اور متعدد شعر و ہر وقت مولوی صاحب موصوف کی صحبت میں رہتے تھے۔ ایسی ادبی صحبت میں پرورش پانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آنریبل سر شاہ محمد سلیمان کو بھی اردو ادب سے خاص ذوق ہے۔ چنانچہ اردو اور فارسی ادب کی نمایاں کتابوں کا ایک ذخیرہ آپ نے جمع فرمایا ہے۔ زبان اردو کے رسالوں میں زمانہ کا پور، ادبی دنیا لاہور، اور معارف اعظم گڑھ آپ ہمیشہ مطالعہ کرتے ہیں اور حسب فرصت آپ نو طبع ادبی کتابوں پر نوٹ و حواشی بھی لکھتے رہتے ہیں۔ کوئی رسالہ یا کتاب اٹھا کر دیکھئے جا بجا نشانات اور نوٹ نظر آئیں گے۔ آپ اہل ادب اور شعرا کی بڑی عزت فرماتے ہیں۔ ہر سال ہندوستانی اکیڈمی کی ادبی کانفرنس اور مسلم ہوسٹل کے مشاعرے کے موقع پر ایک مختصر اور محدود اہل ادب اور شعرا کی محفل شاہ صاحب کی قیام گاہ پر بھی منعقد ہوتی ہے۔

شاہ صاحب کے ادبی ذوق کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے شہنویات تیسر انتخاب غزلیات تیسرا، انتخاب قصائد ذوق کے تین مجموعے مرتب فرمائے ہیں اور ہر ایک پر مختصر دیباچہ اور نوٹ بھی تحریر کئے ہیں۔ یہ مجموعے بدایوں کے مشہور نظامی پریس میں طبع ہو کر شائع ہو گئے ہیں۔ ان انتخابات کے مطالعہ سے آپ کے علمی ذوق کا پورا پتہ چلتا ہے۔ اردو شعرا کا کلام انھیں اصولوں پر انتخاب کیا جائے تو اردو ادب کے لئے بہت ہی مفید ہو۔

الہ آباد کی ہر علمی اور معاشرتی اصلاح کی تحریکوں میں آپ اور لیڈی سلیمان صاحبہ برابر عملی حصہ لیتی رہتی ہیں۔ لیڈی سلیمان صاحبہ طبقہ نسواں کی اصلاح اور تعلیم کے وسائل کی بہمرسانی کے لئے ہر وقت کوشاں رہتی ہیں، آپ الہ آباد کے زمانہ کلب کی صدر ہیں۔ زچہ و بچہ کی نگہداشت کی غرض سے جو مختلف مرکز الہ آباد میں قائم ہوئے ہیں ان کی ترقی اور مقبولیت کے لئے لیڈی صاحبہ محترمہ ہمہ وقت کوشاں رہتی ہیں۔ سر سلیمان صاحب نے "عید طنز" کی سوشل تحریک کی بھی بنیاد ڈالی ہے جس کے ضمن میں

الہ آباد میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مواقع پر ایک طرز ترتیب دیا جاتا ہے جس میں ہندو اور مسلمان معززین شریک ہو کر ایک دوسرے سے بنگلیہ ہوتے ہیں۔ اس طرح پر ہندوستان کے دو بڑے طبقے یکجا جمع ہوتے اور خورد و نوش میں شریک ہو کر اخوت انسانی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہ تحریک متحدہ قومیت ہند کے حق میں نہایت مفید ثابت ہو رہی ہے۔

سرشاہ محمد سلیمان صاحب کا اخلاق بہت وسیع ہے۔ ہر شخص کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی اور نپاکی سے پیش آتے ہیں۔ آپ کی صحبت میں چند منٹ گزارنا گونا گوں دلچسپیوں کا موجب ہوتا ہے۔ ایک ہی بار کی ملاقات اور چند ہی منٹ کی گفتگو کے بعد ہر شخص یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ مجھ سے زیادہ بے تحلف کوئی دوسرا شاہ صاحب کی خدمت میں نہیں ہو سکتا۔ سچ ہے انسان کا ظاہری اخلاق اس کی دلی شرافت کا آئینہ ہوتا ہے اور جو ہر شرافت اپنی حقیقی جھلک دکھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سرشاہ محمد سلیمان صاحب چار بھائی اور ایک بہن ہیں اور شاہ صاحب سب میں بڑے ہیں۔ آپید سے چھوٹے شاہ محمد سفیان صاحب جو پور میں قیام رکھتے ہیں اور جامداد خان دانی کے انتظام و انصرام میں مشغول رہتے ہیں، دوسرے بھائی شاہ محمد سلیمان صاحب الہ آباد میں وکالت کرتے ہیں اور تیسرے شاہ محمد حبیب صاحب ابھی زیر تعلیم ہیں۔ آپ کے تین صاحبزادے اور ایک دختر نیک اختر ہیں جن کے نام شاہ احمد سلیمان، شاہ محمود سلیمان اور شاہ حامد سلیمان اور سلمہ بی بی ہیں۔ یہ سب بچے الہ آباد کے مختلف انگریزی اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔

سرسلیمان صاحب کے گزشتہ کارناموں کو مد نظر رکھ کر یقین ہے کہ آپ حیف جسٹس عدالت عالیہ کے اہم فرائض بھی نہایت خوبی و کامیابی سے انجام دینگے اور یہ حقیقت بہت ہی جلد دنیا پر روشن ہو جائیگی کہ ہندوستانی بڑے سے بڑے اور اہم ذمہ دار عہدہ کے فرائض کی انجام دہی کی اہلیت رکھتے ہیں۔



بلبل ہند سر جی نیڈو کے چند نغمے

(مترجمہ مسٹر ظفر قریشی دہلوی، بی۔ اے)

ایک دیہاتی گیت

میرے گھر بھرے ہوئے ہیں اور منزل دور، طویل اور سُنسان ہے۔
آہ! میں کشتی والے کی بالسنری سنکر اس قدر دہوش کیوں ہو گئی تھی!
افسوس مجھے کیا ہو گیا تھا؟

رات کے تاریک سائے بھوتوں کی طرح آہستہ آہستہ زمین پر چھا رہے ہیں۔
آہ! ذرا سنا تو! کیا یہ سفید پرندوں کی آواز ہے

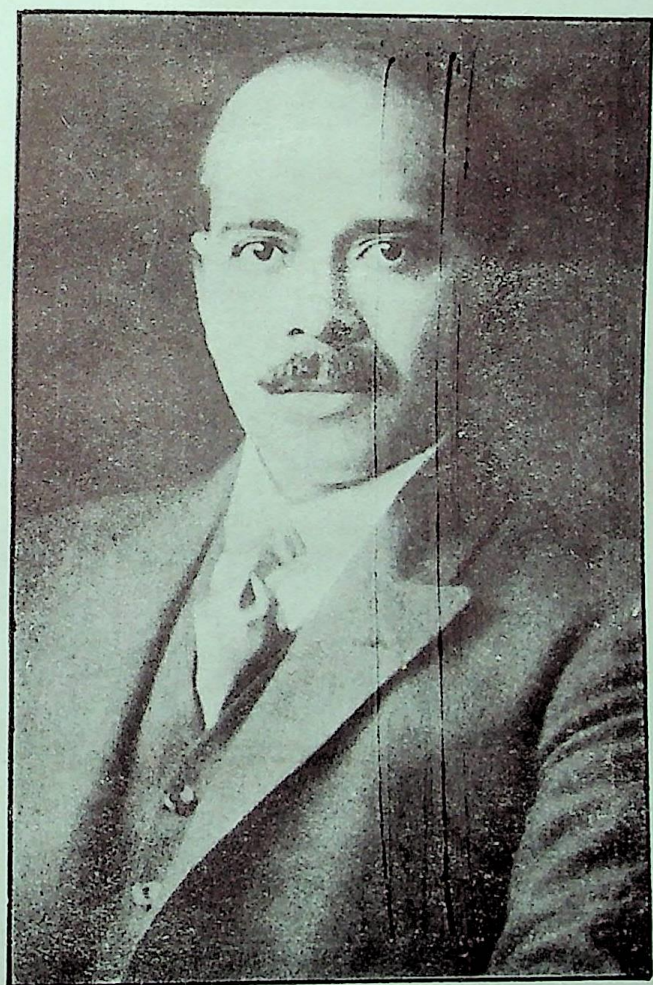
کیا یہ اٹو کی آواز آرہی ہے!
اس وقت تو مسافر نواز چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی کرنیں بھی نہیں ہیں!
اور راستہ تاریک اور بھیانک ہے!
آہ! اس اندھیرے میں کہیں کوئی سانپ نہ کاٹ لے!

رام رے رام! میں تو مرجاؤنگی — آہ!!
میرا بھائی اپنے دل میں کیا کہیگا کہ آج کہاں رہ گئی؟
میری ماں انتظار کرتے کرتے تھک کر رو کر کہتی ہوگی کہ ہے پرانا! میری بیٹی کو صبح سلا ہو چکا
آج جہنا اس قدر چڑھی ہوئی ہے۔

جہنا کا پانی دیوانہ وار چڑھ رہا ہے
رات کی تاریکی بھی اس طرح بڑھ رہی ہے جیسے کوئی سیاہ پرندہ اپنے پر پھیلائے ہو۔



عز هائی نس جام صاحب نہانگر چانسلر
چیمبر آف پرنسس ۱۹۳۲ ع



آنریبل سر جے ڈبلیو بیور مشہور تجارت گورنمنٹ ہاں

آہ! ایسے میں اگر طوفان آگیا تو میں کیا کرونگی؟ کہاں جا کر پناہ لوں گی؟
 آہ بادلوں کی کڑک سے، بجلی کی تڑپ سے کیسے بچونگی؟
 اے میرے خدا! مجھے اس طوفان سے بچا
 میرے پیروں کو صحیح راستہ پر ڈال دے اور منزل تک پہنچا دے اور نہ میں مر جاؤنگی!!
 رام رے رام ہے رام!

سپنیرے کا گیت

میری بالنسری کے گیتوں کے جادو سے بچکر تو کدھر جا رہا ہے؟
 کیا بھولوں کے اُس معطر کنج میں چھپے گا جس میں چاند کی کرنیں جذب ہو رہی ہیں؟
 کیا وہاں جا رہا ہے جہاں گلہری مزے کی نیند سو رہی ہے اور کوئے اسکے گرد پاسبانی کر رہے ہیں؟
 کیا تو اس جنگل میں جا رہا ہے جو یا سیمینی تنگوفوں کی صورت میں نوراگل رہا ہے؟

میرے محبوب دیوتا! تو کہاں چلا؟
 میں تیرے لئے میٹھا میٹھا سفید دودھ لایا ہوں
 جنگل کا تازہ سُرخ و شیریں شہد بھی حاضر ہے!
 میں تجھے سفید اور سرسبز سرکنڈوں کی ٹوکری میں لئے لئے پھرونگا۔
 میں تجھے محل کے اس گل بداماں حصے میں لیجاؤنگا
 جہاں زر پوش دو شیرکان جال "زرتارا بنساط" کو اپنے گلہائے مسرت کی پنکھڑیوں میں پروکر
 "تبسم" کی ایک "نقاب گل" بنا رہی ہوگی!

تو آہستہ آہستہ چُنکائیں مارتا ہوا کدھر جا رہا ہے؟ کیا اس جنگل میں جہاں حیات بخش زیتون نے
 ایک سیبل آتشیں بہار کھا ہے؟
 کہاں جا رہا ہے اے محبوب
 آ! — اے خواہشات کی سپیں تن کرن ماہتاب!!

ناگ پوجا کا تہوار

اے چکنے والو ہوشیار ہو جاؤ !
ہم نے پہاڑی غاروں، ٹیلوں اور بڑے درختوں میں تمہارے منتخب شدہ مندر کو ڈھونڈا
آہ ! اپنے خواب پرور سروں کو اوپر اٹھاؤ

جس میں قدامت کی عقل و دانش کے خزانے پوشیدہ ہیں
اور اے دیوتاؤ ! اپنے پیکار سمول کو مترنم نغموں پر جنبش دو۔
ہم تمہارے لئے شیریں دودھ چٹکی انجیر اور سفید شہد لاتے ہیں
تمہارے گرد ہوا میں ایک مقدس ہالہ بنانے کے لئے۔

ہم نے برت رکھا ہے اور خشک لبوں سے ہم تمہاری تعریف میں شیریں بول نکال رہے ہیں
ہم پر جوش دلوں سے تمہاری توصیف میں سرنگوں اور دست بستہ ہیں !
آہ ! ہماری حقیر نذروں کو قبول کرو۔

تاکہ ان پر سال بھر تک برکت قائم رہے۔

آہ ! ہماری دلی دعائیں قبول کرو !

ہماری مجبور بے بس زندگیوں کی پاس بانی کرو۔

ہماری صابراہ مشقتوں کو بھی تکمیل تک پہنچاؤ !!

ہمارے عزیز تصورات کو جواہرات کی طرح اپنے چمکوں میں شکل کرو !

اور جب ہم محو خواب ہوں تو اپنے خمیدہ پھٹوں کو پھیلا کر ہماری حفاظت کرو۔

ہمارے دل مضطرب کی اُنگوں کو سکون و راحت بخشو !!

تمہاری رفتارِ ندی کی روانی کی طرح تیز ہے، تمہاری آواز شبنم کی خاموش باریش کے مشابہ ہے

تم ایسے لطیف و غیر محسوس ہو جیسے بجلی کی چمک !

آہ ! تم ایسے تابناک ہو جیسے سورج کی کرنیں !

آہ ! اے پیران دانشمند تم ہم و فراست کے مخزن ہو !

تم صدیوں کے اس طلسمی سکوت کے منظر ہو

جس میں مکر زندگی، موت، صبر و جوش، ہستی و نیستی سبھی ایک ہو جاتے ہیں !!!

اچھوت

(از ڈاکٹر اعظم کریمی سابق ایڈیٹر اکبر الہ آباد)

شکرو اچا راہنی جھونپڑی میں بیٹھنا میل پی رہا تھا، قریب ہی اس کا اکلوتا (دکا بیٹی جیسی عمر قریباً دس سال کی ہوگی) کھیل رہا تھا۔ بیٹی کے سوا شکرو کا اس دنیا میں کوئی اپنا نہ تھا وہی اب اس کی ٹوٹی ہوئی جھونپڑی کا چرلغ اور ضعیفی کا سہارا تھا، دن بھر کی محنت مزدوری سے جو کچھ مل جاتا اسی میں دونوں کا خرچ چلتا۔ لیکن دودن سے اُسے کوئی مزدوری نہ ملی تھی کیونکہ آجکل وہ گاؤں کے زمیندار نیڈت رام پرشاد اوتھی کے یہاں بیگار کر رہا تھا۔ زمیندار کو سرکار نے راجیہاب کا خطاب دیا تھا جس کی خوشی میں بڑا جشن منایا جا رہا تھا حاکموں کی دعوت ہو چکی تھی اور صبح کو نیڈلوں کا بھوج ہونے والا تھا۔ دن بھر کی بیگار سے فرصت پا کر تھوڑی دیر ہوئی شکرو اپنے چھٹی پا کر اپنی جھونپڑی میں قدم رکھا تھا۔ بیٹی نے باپ کے گلے سے پیٹ کر کہا ”بابا! موکا (تھکوا) دھوتی منگا دو۔“

شکرو اپنے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ”مالک کے یہاں کام ختم ہو جائے تو کچھ انام (انعام) ملی دی ماں تو کا (اسی میں تھکوا) دھوتی منگائے دیہول (منگا دو نگا)“

بیٹی نے بال ہٹ سے کام لیا ”اول ہوں، میں تو ابھن لیہوں، (ابھی تو نگا) مالک کے یہاں سب لوگ نیک نیک کپڑا پہنے ہیں ہم ہوں پہنہ (مالک کے یہاں سب لوگ اچھے کپڑے پہنے ہیں میں بھی پہنوں گا)۔“

مگر یہ بال ہٹ کسی راج کٹور یا ریس نہ وہ کی نہ تھی بلکہ ایک فاقہ کش غریب چار کے لڑکے کی گھٹی شکرو اپنے کہا ”پاگل نہ بن ہم گریب وہ امیر ہماراں کا کام کا بلہ وہ چاہیں تو دن ماں بار بار کپڑا لیں ہم ان کی ریس کیسے کر سکتے ہیں (ہم غریب وہ امیر ہمارا اور ان کا کیا مقابلہ وہ اگر چاہیں تو دن میں کئی مرتبہ کپڑا بدل سکتے ہیں ہم ان کا ساتھ کیسے دے سکتے ہیں)۔“

بیٹی نے بھولے پن سے کہا ”ہم کا گریب ان کا امیر کو بنا لیں ہے“ (ہیں غریب اور ان کو پیر کس نے بنایا ہے؟)

”بابا! شکرو اپنے تہقہ مار کر کہا ”تو بڑا پاگل ہوں (ہے) بھگوان بناؤں ہیں (نے بنایا ہے)“

اور کو بنائے سکتا (بناسکتا) ہے۔
 ”تو بھگوان ہم کا امیر کا ہے، نہیں بنائے (تو بھگوان نے بھگوان امیر کیوں نہیں بنایا) ہمار (ہماری) کون خطا رہی۔“

”اب رام جانیں، اگلے جنم ماں ہم سے کچھ ابراہہ ہو گیا ہوئی وہی کی سچائی ہے (اگلے جنم میں ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہوگی اسی کی سچائی ہے)۔
 ”تو اگر ہم سے بھگوان راجی ہو جائیں تو ہم ہو کا امیر کر دیں (اگر ہم سے بھگوان خوش ہو جائیں تو کیا وہ ہم کو امیر کر دیں گے)

اور نہیں تو کیا، بھگوان کے ہاتھ میں تو سب کچھ ہے۔“
 ”تو بھگوان کیسے کھوس ہوت ہیں“ (کیسے خوش ہوتے ہیں)
 ”پوچھا پاٹ سے۔“

”تو ہم ہو پوچھا پاٹ کر پ“ (تو ہم بھی پوچھا پاٹ کریں گے)
 ”مدا ہم مندر مال نہیں گھس سکت ہیں“ (لیکن ہم مندر میں نہیں گھس سکتے)
 ”کا ہے“ (کیوں)

”ہم لوگ اجپوت ہیں، پنڈت لوگ کہتے ہیں کہ ہم مندر میں گھسب تو مندر ناپاک ہو جائی۔
 پنڈت لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے گھسنے سے مندر ناپاک ہو جائیگا)
 نادان بچہ اجپوت کی فلاسفی کو نہ سمجھ سکا، وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا ”تو کا بھگوان مندر مال رہت ہیں؟“ (تو کیا بھگوان مندر ہی میں رہتے ہیں اور کہیں نہیں)
 ”نہیں بھگوان تو ہر جگہ ہیں“

”تو مول ہوں اپنی جھونپڑیاں مال ایک چھوٹا سا مندر نیسول اور بھگوان کی پوجا کر سول تم دیکھ
 یہو بہت جلد امیر ہو جاؤ“ (میں بھی اپنی جھونپڑی میں ایک چھوٹا سا مندر بناؤں گا اور بھگوان کی پوجا
 کیا کروں گا تم دیکھ لینا بہت جلد امیر ہو جائیں گے)۔

”مدا بغیر پنڈت کے پوجا کر سول نہ ہوئی“ (لیکن کسی پنڈت کی مدد کے بغیر پوجا قبول نہ کیا سکی)
 بنی کا دل ٹوٹ گیا وہ اور کچھ پوچھ ہی نہ سکا اتنے میں کسی نے باہر سے آواز دی ”اے او شکر دا“
 باہر ٹھکر شکر دالنے دیکھا کہ زمیندار کا پیادہ وانا دین کھڑا ہے، شکر دالنے ادب سے پوچھا تمہارا
 کا حکم ہے؟

”اسٹیشن تک جانا ہو گا وہاں سے کچھ سامان آئیگا۔“
 ”ابھن (ابھی)“

”ہاں بے ابھی، مالک کا حکم ہے فوراً شکروا کو بھیج دو۔“
 ”سرکار ابھن (ابھی) تو دن بھر کے بیگار سے واپس آئے ہوں۔“
 ”یہ میں کچھ نہیں جانتا میں نے تجھے مالک کا حکم سنا دیا ہے اگر تو ابھی اسٹیشن نہیں جائیگا تو پھر خبر نہیں، ہمیشہ مزہ اڑاتے ہو اب ذرا مالک کا کام پڑا تو روئے لگے تم لوگ تو جوتوں سے کام کرتے ہو۔“
 یہ لکھن سراج وانا دین اپنی لودہ بندی لاٹھی کا ندھے پر رکھ کر اڑتے ہوئے چل دیے اور شکروا آسمان کی طرف حسرت سے دیکھ رہ گیا۔ دن بھر بیگار میں رہا سمجھتا تھا کہ رات کو تو آرام ملیگا مگر غریبوں کی قسمت میں آرام کہاں وہ تو اسی لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ تکلیف اٹھا کر امیروں کو آرام پہنچائیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم ہندوستان میں انھیں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ شکروا نے کچھ چینا بینی کو دیکر اسے کتھری پر لٹا دیا اور خود اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۲)

راے صاحب رام پرشاد اوتھی کے مکان کے سامنے ایک عالی شان شامیانہ لگا ہوا تھا، نوبے کا وقت ہو گا پنڈتوں کو بھوج دیا جا رہا تھا۔ پنڈت کون تھے بڑے بڑے نام دھاری جن کی جوٹیاں کنوئیں سے پانی کھینچ لاسکتی تھیں، جن کے تلک آسانی قوس قزح کو بھی مات کرتے تھے جو بظاہر غریب برہمن بنے ہوئے تھے لیکن جن کے گھروں میں سونا برستا تھا، جو دعوتیں کھا کھا کر اتنے موٹے ہو گئے تھے کہ دو قدم چلنے میں بھی انھیں تکلیف ہوتی تھی۔ اسی قماش کے برہمن کج قلعہ دار راے صاحب رام پرشاد اوتھی کے یہاں گرم گرم پوریاں خستہ کچوریاں اور انواع و اقسام کی مٹھیاں کھا رہے تھے۔ تھال کے تھال اُن کے سامنے آتے اور وہ بغیر ڈکالیے اڑاتے جلتے تھے۔

ان سے کچھ دور پر چند فاترہ کش بیچ ذات والے بیگاری مزدور جنھیں پنڈتوں نے اچھوت کا خطاب دے رکھا ہے حسرت بھری نظروں سے پنڈتوں کی تو نم کو دیکھ رہے تھے، ان کے لئے نہ پوریاں تھیں نہ کچوریاں۔ پنڈتوں کو کھلانے سے تو دیوتا خوش ہوتے ہیں لیکن بچوں کو کھلانے سے تو کسی کو فائدہ کی امید نہ تھی۔

شکروا چار کو رات بھر اسٹیشن ہی پر پڑا رہنا پڑا وہ تھوڑی دیر ہوئی مہانوں کا سامان لیکر گاؤں میں واپس ہوا تھا اور اب تک اسے گھر جانے کی اجازت ملنی تھی وہ ایک طرف لنگوٹی باندھے چپ چاپ کھڑا تھا

کہ ایک ملک دھاری پنڈت شیو شکر لٹیا میں گنگا جل لئے کھڑاؤں پہنے رام نام کی مالا بچتے ہوئے اس طرف سے نکلے وہاں کی زمین کچھ اونچی نیچی تھی، پنڈت جی لڑکھڑائے اور ان کا بدن شکر و اچار سے چھو گیا، بات معمولی تھی، پنڈت اپنے گھر کی مرمت اچھوتوں ہی سے کرتے تھے، مہاراجن کا ڈولہ چار ہی اٹھاتے تھے لیکن اس وقت ان کے ہاتھ میں گنگا جل تھا وہی گنگا مائی کا جل جس سے ساری دنیا سیراب ہوتی ہے جس میں بھنگی چار برہمن سب اشراف کرتے ہیں، وہی گنگا جل اپنی لٹیا میں بھر کر خود کو دیوتا سے بھی بڑھ کر سمجھنے لگے غلطی تھی اپنی لیکن تصور تیار کیا چار کا۔ شکر و اچار کی یہ مجال کہ پنڈت جی سے اپنا ناپاک بدن چھوئے جب اُس نے پنڈت جی کو اپنے پاس سے گزرتے دیکھا تو وہ ہٹا کیوں نہیں بھری سبھا میں اس نے جان بوجھ کر پنڈت جی کی ہتک کی۔ اب ان کو پھر اشراف کرنا پڑ گا، اسی قسم کی باتیں ہر پنڈت جی شکر و اچار پر برس پڑے ”پانی، چانڈال، بد معاش“ غرض پنڈت جی کو جتنی گالیاں یا تھپس وہ جتم کر دیں۔ قریب ہی تعلقہ دار صاحب پنڈتوں کی آؤ بھگت میں لگے ہوئے تھے، شور و غل سنکر وہ دوڑے آئے اور پنڈت جی سے پوچھا ”مہاراج کیا بات ہے؟“

مہاراج نے بگڑ کر کہا ”جہاں پنڈتوں کو بھوج دیا جاتا ہے وہاں چاروں کا کیا کام؟ دیکھئے نہ اس پانی نے جان بوجھ کر مجھے چھو لیا، اب آپ ہی بتائیے کہ مجھے غصہ کیوں نہ آئے۔ رام! رام! آپ نے ان چاروں کو بہت سڑکھا رکھا ہے۔“

مہاراج کے آخری جملہ نے تعلقہ دار و ستمی جی کو آگ بگولہ کر دیا، انھوں نے شکر و اچار سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی، پیادہ کو اشارہ کر دیا کہ ”مار سالے کو“ وہاں تو حکم کی دیر تھی، پیادے تو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایسے موقعے تلاش ہی کرتے رہتے ہیں۔ شکر و اچار پر لات گھولنے اور جوتوں کی مار پڑنے لگی۔ شکر و اچار بھوک کے مارے یوں ہی مرا جا رہا تھا مار پڑی تو زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ پیادہ نے سمجھا کہ مگر کر رہا ہے اُس نے کسکرا کر ایک لات ماری اُس کی چوٹ تللی پر لگی اور وہ پھٹ گئی دیکھتے ہی دیکھتے غریب شکر و اچار دم توڑ دیا۔

جشن میں ایسی بد شگونی کا کسی کو خیال ہی نہ تھا سب لوگ گھبرائے، تھوڑی دیر کے لئے تعلقہ دار صاحب بھی پریشان ہو گئے، اُن کو اس کا تو کوئی غم یا ڈر نہ تھا کہ ایک غریب کی ہتیا ہو گئی ہے بلکہ اس کا مدد نہ تھا کہ کمبخت کج ہی کیوں مرا میرا تمام کیا کر آیا خاک میں ملا دیا۔ سب برہمن کھاپی چکے تھے وہ سب رام رام کہتے ہوئے چلنے کے لئے تیار ہو گئے، وہ ایسے پاپ کی جگہ پر کیسے رہ سکتے تھے، برادری ان کو چھوڑ دیتی، لیکن تعلقہ دار صاحب کے پاس پنڈتوں کو رام کرنے کا نسخہ موجود تھا، لکشمی دیوی ان پر مہربانی

ایسی صورت میں پنڈتوں کو ملانا تعلقہ دار صاحب کے لئے کچھ مشکل نہ تھا۔ ان کے پاس دولت کی طاقت تھی، وہ پنڈتوں کو جبراً چاہتے پنچا سکتے تھے۔ سب سے پہلے تو انھوں نے چاروں کو بلا کر حکم دیا کہ شکر دیا کی لاش کو لے جا کر فوراً جلا دیں، اس کے ساتھ ہی دھکی دی کہ اگر کسی نے پولیس کو مار پیٹ کی خبر دی تو اس کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ دریا میں رہ کر مگر سے بیر، کس کی مجال تھی کہ تعلقہ دار صاحب کی حکم عدولی کرتے، سب دم بخود رہ گئے۔ پولیس کی طرف سے تعلقہ دار صاحب کو اطمینان تھا پھر بھی انھوں نے حلقہ کے تھانہ دار صاحب کی مٹھی گرم کرنے کا بھی انتظام کر دیا۔

ان تمام جھگڑوں سے فرصت پا کر تعلقہ دار صاحب نے پنڈتوں کے پیٹ پوجا کا سامان کیا، ان کو روک لیا گیا اور رات کو پھر ان کو بھیج دیا گیا اور پنڈتوں کے حسب منشا مہادیوجی پر ایک سو ایک پیسے اور ایک نایلن چڑھا کر ان کو دیا، گویا ان کے خیال میں گناہ کا کفارہ ادا کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ست زاین کی کتھا بھی کرانی گئی۔

آٹھ بجے رات کا وقت ہو گا ست زاین کی کتھا ہو رہی تھی، ایک بڑے پنڈت جی جن کے ہونٹ رام رام کہتے موٹے ہو گئے تھے لیکن جنھوں نے اپنی بیوہ لڑکی کے سسرال کا سارا دھن منہم کر لیا تھا وہی پنڈت جی اس وقت پھولوں سے لدے ہوئے جھوم جھوم کر ست زاین کی کتھا کہہ رہے تھے کہ یکبارگی ”رام نام ست ہے“ کی آواز آئی۔ شکر و اچار کی ارتھی مر گھٹ جا رہی تھی، کسی نے ”رام نام ست ہے“ کی صدا زور سے لگا دی، پنڈت جی کا کلیجہ دھل گیا وہ ساری کتھا بھول گئے اور یہ کہتے ہوئے چوکی سے اتر پڑے ”اب مجھ سے کتھا نہیں کہی جاتی، اچھوتوں نے تو ناک میں دم کر دیا۔“

تعلقہ دار صاحب نے غصہ سے یادوں کی طرف دیکھا، جس کا یہ مطلب تھا کہ چار کی ارتھی اس طرف سے کیوں نکلی، لیکن اب بگڑنا بیکار تھا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ ساری سبھا درہم برہم ہو گئی۔

(۳)

شکر و اچار کوئی بڑا آدمی تو تھا ہی نہیں کہ لوگ اس کی برسی مناتے، ایک معمولی چار کی زندگی ہی کیا باگاؤں والے اسے بہت جلد بھول گئے۔ اس کا لڑکا بیٹی باپ کے مرنے کے بعد کچھ دن تک تو گاؤں میں ادھر ادھر مارا پھرتا رہا پھر معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا۔ کسی خاندانی رئیس کا لڑکا ہوتا تو اس کی گمشدگی پر گاؤں میں ہلکے بھج جاتا، اجنارات میں بڑی بڑی سرخیوں سے اشتہارات شائع ہوتے، انعام کی لالچ میں پولیس بھی انتہائی کوشش کرتی لیکن ایک چار کے لڑکے کی سلاج میں کوئی عزت ہی نہیں ہے، سلاج تو بڑوں کے لئے ہے چھوٹوں کی اور وہ بھی ایک چار کی وہ کیوں پروا کرنے لگی۔

شکر واکو مرے بیس سال ہو چکے تھے، اس عرصہ میں سیکڑوں انقلاب ہوئے، بچے جوان اور جوان بوڑھے ہو گئے یا مر گئے۔ تعلقہ دار رائے صاحب رام پرشاد اوستھی زندہ تھے لیکن چراغ سحری، اب ان کا ایک لڑکا گجا دھر پرشاد اوستھی علاقہ کا کام کرتا تھا اور رائے صاحب اپنا وقت پوجا پاٹ میں گزارتے تھے لیکن اس ضعیفی کے عالم میں بھی جب حاکم پرگنہ ان کے علاقہ میں آجاتے تو رائے صاحب فوراً حاکم کے سلام کے لئے حاضر ہوتے۔

ایک دن رائے صاحب نے سنا کہ ایک نئے حاکم مسٹر ڈیوڈ ان کے علاقہ میں آئے ہیں اور ان کا پڑاؤ گاؤں کے قریب ہی پڑا ہے۔ رائے صاحب فوراً چار پیادوں کو لیکر حاکم پرگنہ کے پڑاؤ پر پہنچے، سب کو پہلے وہ پیشکار سے ملے پیشکار صاحب رائے صاحب کے پرلے نیاز مندوں میں سے تھے، جب کبھی وہ رائے صاحب کے علاقہ کی طرف آنے تو رائے صاحب کے یہاں سے ان کو سو روپیہ کا نذرانہ مل جاتا تھا۔ اس کے علاوہ فصل کی چیزیں بھی ان کے گھر پر پہنچ جاتی تھیں پیشکار صاحب نے رائے صاحب سے کہا ”یہ نئے صاحب رئیسوں سے بہت کم ملتے ہیں، آپ ان سے نہ ملیں تو بہتر ہے۔“

”تو کیا مجھ سے بھی نہ ملیں گے؟“

”نہیں آپ ایسے رئیس سے تو ضرور ملیں گے لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں ان سے ملکر آپ کی طبیعت خوش نہ ہوگی۔“

”اجی میں بڑے بڑے افسروں سے مل چکا ہوں سب مجھ سے بڑے اخلاق سے پیش آتے ہیں ان کو بھی دیکھ لو لگا، میں نے تو سنا ہے کہ یہ نیچ ذات والوں سے بھی ملتے ہیں پھر مجھ سے کیوں نہ ملیں گے؟“

”ہاں یہ تو صحیح ہے کہ یہ صاحب اچھوتوں سے بہت ملتے ہیں، ان کو کرسی پر بٹھاتے ہیں لیکن میوے سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔“

”عیسائی ہے نہ؟“

”جی ہاں“

”لیکن اب تو آگیا ہوں مل ہی کے جاؤں گا۔ آپ ذرا میری اطلاع تو کر دیجئے۔“

”بہت اچھا جیسی مرضی“ اتنا لکھ پیشکار صاحب مسٹر ڈیوڈ کے خیمہ میں داخل ہوئے اور اطلاع کی ”حضور سے اس علاقہ کے سب سے بڑے زمیندار اور سرکار کے خیر خواہ رائے صاحب رام پرشاد اوستھی ملنے کے لئے آئے ہیں۔“

اوستھی جی کا نام سنکر ڈیوڈ صاحب نے کچھ سوچ کر کہا ”اچھا اندر بھیج دو۔“

اوستھی جی نے خیمہ میں داخل ہو کر نہایت ادب سے ڈیوڈ صاحب کو جھک کر سلام کیا اور خود ہی ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھے، اوستھی جی سلام کرنے کے بعد افسروں سے ہاتھ ملانے کے عادی تھے ہر افسران سے بڑی خوشی سے ہاتھ ملاتا تھا لیکن خلاف معمول اوستھی جی کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی جب ڈیوڈ صاحب نے ان سے ہاتھ نہ ملایا اور کہا ”معاف کیجئے میں آپ ایسے عالی خاندان پندوں سے ہاتھ نہیں ملا سکتا کیونکہ میں اجھوت ہوں۔“

پنڈت جی کے وہم و خیال میں بھی نہ آیا تھا کہ افسران اعلیٰ اجھوت ہو سکتے ہیں، وہ تو ان بچوں کو اجھوت سمجھتے تھے جو ان کے گاؤں میں جھوٹے کام کرتے تھے جن کو چھوٹا وہ مہاپاپ سمجھتے تھے۔ ڈیوڈ صاحب کی زبان سے اجھوت کا لفظ سن کر انھوں نے سمجھا کہ ڈیوڈ صاحب نے یوں ہی ہنسی میں کہہ دیا ہو گا۔ پنڈت جی نے کہا ”حضور ایسی بات نہ کہیں، راج دربار کو تو ہم ایشور کا سایہ سمجھتے ہیں، شاستر میں بھی راج بھگت کی بڑی مہاکھی ہے اور یہی راجپن سے ہوتا آیا ہے۔“

”پنڈت جی معاف کیجئے آپ لوگ مطلب کے بندے ہیں جس میں آپ کا فائدہ ہوتا ہے اسکو آپ ویدو شاستر سے جائز ثابت کر لیتے ہیں اور جس سے آپ کو نقصان ہوتا ہے اُسے آپ نہ ہی کتابوں کے خلاف بتاتے ہیں۔ بتاتے رہیے آپ کی خوشی لیکن اب وہ زمانہ گیا جب غلیل خاں فاختہ اڑاتے تھے جن کو آپ بچ سمجھ کر اپنی سلج سے نکل جانے کا موقع مل رہے ہیں وہی بچ تعلیم یافتہ ہو کر آپ پر حکومت کریں گے۔“

پنڈت جی جھٹ سے بول اٹھے ”جی ہاں یہ کھجک ہے نہ؟“
ڈیوڈ صاحب نے مسکرا کر کہا ”خوب آپ اسی پنڈتائی میں رہیئے اور دنیا ترنی کتنی جاگی، جسکو آپ اپنے خیال میں کھجک سمجھتے ہیں وہ دوسروں کے لئے ست بگ ہوتی جا رہی ہے۔ آپ کی اسی قسم کی تنگ نظری اور تعصب نے نہ جانے کتنے اجھوتوں کو دوسرے مذاہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ اگر آپ نے ان اجھوتوں کو اپنانے کی کوشش نہ کی تو آپ کی قوم مٹی میں بجا بیگی۔“
پنڈت جی دل میں سوچ رہے تھے کہ میں تو صاحب سے ملنے آیا تھا نہ کہ اجھوتوں پر بحث کرنے انھوں نے گھبرا کر کہا ”حضور کو اجھوتوں سے بڑی ہمدی ہے۔“

”جی ہاں، کیونکہ میں خود اجھوت ہوں۔“

”وہ کیسے؟“

”یہ آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا، ہاں یہ تو بتائیے کیا آپ کے گاؤں میں کوئی شکر و چار تھا؟“

شکرواچار کا نام سنکر پنڈت جی کو بیس برس پہلے کی باتیں یاد آ گئیں، وہ سمجھے کیا خونِ ناحق رنگ لانے والا ہے، ڈر کے مارے ان کا چہرہ فق ہو گیا، انھوں نے دہلی زبان سے کہا ”جی ہاں میرا ایک اسامی اس نام کا ضرور تھا لیکن اُس کو مرے ہوئے اب قریباً بیس بائیس سال ہو گئے۔“

ڈیوڈ صاحب نے کہا ”میں نے سنا ہے کہ اُس کو آپ نے جان سے مروا ڈالا تھا“

پنڈت جی تن گئے۔ ”جھوٹ بالکل جھوٹ، بھلا کہیں پنڈتوں سے جیوتیتیا ہو سکتی ہے؟“

”جی ہاں آپ ایسے بیدردنگ نظر پنڈتوں سے جیوتیتیا ہو سکتی ہے، اور اس کا گواہ میں خود آپ کے سامنے موجود ہوں۔“

پنڈت جی نے گھیر کر کہا ”حضور۔ گواہ!“

ڈیوڈ صاحب بولے ”پنڈت جی ادھر دیکھئے جس کو اس وقت آپ حضور مکر فر کر رہے ہیں، جس کو سلام کرنے کے لئے آپ یہاں حاضر ہوئے ہیں وہ اُس بد نصیب شکرواچار کا لڑکا بیٹی ہے جو کبھی اجپوت تھا جس نے آپ کی ٹھوکریں کھائی تھیں وہی عیسائی ہو کر تعلیم پا کر آج حاکم ہے اور آپ کی نگاہوں میں ایشور کا سایہ ہے اور وہ اب آپ سے ہاتھ ملانا بھی پسند نہیں کرتا۔“

پنڈت جی پر گویا بجلی گر پڑی، شرم و ندامت سے وہ پانی پانی ہو گئے، ان کی آنکھوں کے نیچے اندھیرا سا چھا گیا، وہ زمین پر گرنے ہی کو تھے کہ ڈیوڈ صاحب نے سنبھال لیا اور اپنے چہرے پر اسی کو بلا کر پنڈت جی کو ان کے گھر پر بھیج دیا۔ پنڈت جی کے لئے ضیفی میں یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا۔ وہ اسی رات کو قید ہستی سے آزاد ہو گئے، لوگوں نے سمجھا کہ دل کی حرکت بند ہونے سے ان کی موت ہو گئی۔ دس گیارہ بجے دن کا وقت تھا، ڈیوڈ صاحب کے سامنے کوئی مقدمہ پیش تھا کہ ان کے پڑاؤ کے پاس سے رائے صاحب پنڈت رام پرشاد اوستھی کی ارتھی نکلی، ڈیوڈ صاحب کے کانوں میں ”رام نام ست ہے“ کی صدا آئی وہ فوراً اجلاس سے باہر نکل آئے اور اپنے سر سے ٹوپ اتار کر اس وقت تک موڈ بگڑے رہے جب تک ”رام نام ست ہے“ کی آواز فضا میں گونجتی رہی۔



تنقید کتب

(۱) تصحیح قاموس المشاہیر

(نوشتہ سید احمد اللہ قادری نائب ایڈیٹر رسالہ تاریخ)
 حال میں مجھے قاموس المشاہیر مرتبہ مولانا نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی کے مطالعہ کرنے کا بھر موقع ملا تو چند فروگزاشتیں اور معلوم ہوئیں چنانچہ ذیل میں ان کی تصحیح کی جاتی ہے۔ یہ تنقید صرف اس کی پہلی جلد کے متعلق ہے۔ اس پر ایک بسیط تبصرہ رسالہ عالمگیر لاہور کے سالنامے (جون ۱۹۳۳ء) میں بھی لکھا جا چکا ہے۔

قاموس المشاہیر جلد اول صفحہ ۱۰۰ اکالم میں درج ہے:-

ابراہیم قطب شاہ سلطان قلی قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کا چھٹا بیٹا تھا۔ ۹۳۷ھ میں پیدا ہوا

سلطان قلی کے مرنے پر اس کا بھائی جمشید علی تخت پر بیٹھا..... ۲۱ ربيع الثانی ۹۸۹ھ میں ۵۱

سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کا بھائی محمد قطب الدین شاہ بادشاہ ہوا۔

اس بادشاہ کا نام ابراہیم قلی قطب شاہ ہے۔ سنہ ولادت ۹۳۶ھ ہے۔ سلطان قلی کے بعد اس کا بڑا بھائی جمشید علی نہیں بلکہ جمشید قلی جانشین ہوا۔ ابراہیم قلی قطب شاہ کا سنہ وفات ۹۸۸ھ ہے۔ اس کے بیٹے کا نام محمد قطب الدین شاہ نہیں بلکہ محمد قلی قطب شاہ ہے۔

۲- صفحہ ۲۲، اکالم ۲- ابن ذکریا رازی، محمد بن ذکریا نام ابو بکر کنیت وطن نصیر ہے.....

اس کا رسوخ شامان اسلام کے یہاں بڑھ گیا تھا، یہاں تک کہ سلطان السلطین منصور بن اسماعیل

سامانی نے اپنے واسطے ایک کتاب المنصوری تصنیف کرائی۔

ذکریا رازی کے وقت میں کوئی بادشاہ منصور بن اسماعیل نہیں گزرا ہے اور وہ تاریخ میں شہرت رکھتا ہے

اگر تم اس کو منصور بن فوج سمجھیں تو اس کا عہد ۳۵۵ھ سے ۳۶۶ھ تک رہا ہے اور رازی نے ۳۵۵ھ یا ۳۵۶ھ میں وفات پائی۔ یا قوت جموی نے معجم البلدان میں منصور بن اسحق بن احمد

بن اسد کا ذکر کیا ہے جو رازی کے حال پر بڑا مہربان تھا، اور رازی نے اسی کے نام پر المنصوری تصنیف کی تھی۔ یہ منصور سامانیوں کے دوسرے بادشاہ احمد بن اسماعیل بن احمد بن اسد کا چچا زاد بھائی تھا اور احمد بن اسماعیل نے اسے ۲۹۰ھ میں خراسان کا حاکم مقرر کیا اور رے اس کا مستقر حکومت تھا اس خدمت پر یہ ۲۹۶ھ تک فایز رہا۔ اس کے بعد ۳۰۰ھ میں نصر بن احمد بن اسماعیل پر خروج کیا۔

۳۔ صفحہ ۲۹ کالم ۱۔ ابو الحسن شاہ احمد نگر کا بادشاہ اور شاہ طاہر کا فرزند تھا اور علی عادل شاہ کا ۹۰۰ھ میں وزیر تھا۔

اس نام کا احمد نگر میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ مرتضیٰ نظام شاہ اول کے زمانہ میں ایک شخص شاہ طاہر نامی احمد نگر میں آیا۔ اس کا یہ ادعا تھا کہ وہ شہزادہ خدا بندہ بن برہان نظام شاہ اول کا بیٹا ہے مگر بعد میں تحقیق کی گئی تو اس کا بیان غلط نکلا۔ اس پر صلابت خان وزیر اعظم (احمد نگر) نے اسے قید کر دیا اور یہ ہیں مرگیا اس کا ایک بیٹا احمد نامی تھا امرائے اسے غلطی سے سکنہ اہر میں احمد نگر کے تخت پر بٹھا دیا۔ مگر چاندنی بی کی کوشش سے معزول کر دیا گیا۔ ابراہیم عادل شاہ نے شورش رنج کرنے کیلئے اسے اپنے پاس ایک جاگیر دیکر امرائے شریک کر لیا یہ واقعہ ۱۰۰۰ھ کا ہے۔ (سوانح چاندنی بی صفحہ ۳۹) ۴۔ صفحہ ۳۳ کالم ۲۔ ابو الفداء اسماعیل جموی کی تقویم البلدان کا ذکر کیا ہے لیکن اس کی مشہور اور معرکہ آرا تصنیف المختصر فی اخبار البشر (جو عوام میں تاریخ ابو الفداء کے نام سے شہرت رکھتی ہے) چھوڑ دی ہے۔ اس میں حضرت آدم سے ۱۰۰۰ھ تک واقعات ہیں

۵۔ صفحہ ۴۷ کالم ۱۔ ابوسعید بضاوی، ابوسعید عبداللہ بضاوی مصنف نظام التواریخ، اس میں حضرت آدم سے لیکر تاتاریوں کے زمانہ تک جب کہ ہلاکو خان نے ۱۲۵۰ھ میں بغداد پر حملہ کیا حال درج ہے یہ کتاب ۱۲۷۵ھ میں تصنیف کی گئی۔

اسی مصنف کے حالات مرتب نے بضاوی کے عنوان سے (صفحہ ۴۸ کالم ۱ پر) اس طرح تحریر کئے ہیں :-

قاضی بضاوی نام ناصر الدین ابو الخیر عبداللہ ابن عمر لقب وطن بضا واقع شہر شیراز کے مت دماز تک قاضی رہے اور بمقام تیریز ۶۸۵ھ یا بقول دیگر ۶۹۱ھ میں وفات پائی یہ مشہور تفسیر بضاوی کے مصنف ہیں اس کو ادار التزیل اور اسرار التاویل بھی کہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ نظامت التواریخ کے ہی مصنف ہیں لیکن بعض اسے ابوسعید کی

تصنیف بتاتے ہیں۔“

ابو سعید بریضاوی اور قاضی بریضاوی دونوں ایک ہی مصنف ہیں، جسکو نظامی صاحب نے غلطی سے دو علیحدہ مصنف تصور فرمایا ہے۔ ان ہی صاحب نے تفسیر بھی لکھی ہے اور نظام التواریخ بھی تفسیر بلاد مغرب میں خاص شہرت رکھتی ہے۔ ایک جرمن محقق فلیشر نے اسے نہایت اہتمام کے ساتھ لبرک میں ۱۸۲۵ء میں چھپوایا ہے، ایک اور مشرقی فل نے اس کی انڈکس بنائی ہے جو ۱۸۶۱ء میں طبع ہوئی ہے، یہ مشرق میں بھی کئی دفعہ چھپی ہے جن میں بعض اشاعتوں کے سنہ درج کئے جاتے ہیں (دہلی میں ۱۲۸۰ھ میں دو جلدیں) طران میں ۱۲۸۰ھ میں ایک جلدیں بمبئی اور لکھنؤ میں ۱۲۷۹ھ و ۱۲۸۲ھ میں دو جلدیں) نظام التواریخ کو اخیر میں مرتب نے نظامت التواریخ لکھا ہے جو سو ہے، یہ بہت کیا ب تھی مگر حال میں مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب نے شائع فرمادی ہے۔ اس کے سوا بریضاوی کی اور بہت سی تصنیفات ہیں جن کا ذکر قاموس المشاہیر میں نہیں ہے۔ (مرآۃ الجنان جلد چہارم صفحہ ۲۱۹ طبقات الکبریٰ جلد پنجم صفحہ ۵۹، مفتاح السعاده جلد اول صفحہ ۲۳۶، تاج العروس جلد پنجم صفحہ ۱۱، روضات الجنات صفحہ ۲۵۲، کشف القناع صفحہ ۱۱۲، ۶۔ صفحہ ۸۰ کالم ۲۔ اسماعیل عادل شاہ یوسف عادل شاہ کا جانشین ۹۱۵ھ میں ہوا..... اور مقام

کوکی میں اپنے باپ کی قبر کے پاس دفن ہوا۔“

یوسف عادل شاہ کا ۹۱۶ھ میں انتقال ہوا، اس لحاظ سے اسماعیل عادل شاہ ۹۱۶ھ میں تخت نشین ہوا، کوکی کوئی مقام نہیں ہے البتہ گوگی ہے جو حیدرآباد کے ایک ضلع گلاگر ٹریف کا ایک قلعہ ہے۔ ۷۔ صفحہ ۹۱ کالم ۱۔ اکرام علی، اردو میں خوان الصفا ان کی تصنیف ہے جس کو انھوں نے ۱۸۱۷ء میں فارسی سے ترجمہ کیا۔

محمد اکرام علی کی کتاب کا نام انخوان الصفا ہے جسے انھوں نے عربی سے ترجمہ کیا ہے۔

(کشف الطنون جلد اول صفحہ ۶۸)

۸۔ صفحہ ۸۲ کالم ۱۔ اسماعیل نظام شاہ بن برہان نظام شاہ ثانی احمد نگر کا بادشاہ حسین نظام شاہ کے بعد

تخت پر بیٹھا، برہان نظام شاہ کی تخت نشینی پر قلعہ لاہ گڑھ میں قید ہو گیا۔“

حسین نظام شاہ کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا مرتضیٰ نظام شاہ تخت نشین ہوا، مرتضیٰ کے

بعد اس کا بیٹا میراں حسین نظام شاہ تخت پر بیٹھا یا گیا۔ میراں حسین کے بعد اسماعیل نظام شاہ کی بادشاہی کی باری آئی۔ لاہ گڑھ کے نام سے دکن میں کوئی قلعہ نہیں ہے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ قلعہ لہاکر میں قید کیا گیا تھا۔

۹۔ صفحہ ۹۱ کالم ۲۔ الپتگین امرا سے بخارا میں سے تھا۔ اس نے غزنویں کو بچھا کر ایک علاحدہ سلطنت قائم کی اور غزنویں کو جو ایک چھوٹا سا مقام تھا دار السلطنت بنایا ۳۳۶ھ میں مر گیا، اس کا بیٹا ابوالفتح جانشین ہوا لیکن وہ نہایت کمزور طبیعت اور سرف تھا، قحط سے ہی دنوں بعد تمام اراکین سلطنت اس سے ناراض ہو گئے اور انھوں نے ۳۳۶ھ میں سکنتگین کو جو الپتگین کا ایک سردار تھا تخت پر بٹھا دیا۔

الپتگین نے ۳۳۵ھ میں غزنویں میں انتقال کیا اس کے بعد ابوالسحاق نہیں بلکہ اسحاق تخت نشین ہوا جس نے تقریباً چار سال تک فرما کر روایت کی، اسحاق کے بعد امیر بلکاتگین ۳۵۵ھ میں بادشاہ بنایا گیا۔ آٹھ برس کے بعد جب اس نے وفات پائی تو امیر پیری جانشین بنا۔ ۳۶۱ھ میں چند بدعنوانوں سے تنگ آکر امرائے ترک نے اُسے معزول کر دیا اور سکنتگین کو اپنا فرمانروا بنالیا۔ اس واقعہ کا سنہ جیسا کہ مورخ فرشتہ نے ۳۶۱ھ تحریر کیا ہے یہی عام طور پر صحیح تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن طبقات ناصری میں سکنتگین کی تاریخ تخت نشینی ۳۶۲ھ بیان مذکور ہے۔ الپتگین کی وفات اور ان کے جانشینوں کی مرگشت و تصریح تاریخ یعنی نصیحی و طبقات ناصری اور اکثر قدیم تاریخوں سے بھی ہوتی ہے (طبقات ناصری طبع کلکتہ صفحہ ۷، ونیز ریورٹی صفحہ ۷۲، ۷۳۔)

۱۰۔ صفحہ ۱۰۵ کالم ۲۔ امیر وید اول کے بیان میں لکھا ہے کہ محمود شاہ بہمنی نے ۳۶۲ھ میں انتقال کیا، حقیقت میں اس نے ۳۶۲ھ میں وفات پائی۔

۱۱۔ صفحہ ۱۲۷ کالم ۱۔ برہان عماد شاہ کے بیان میں لکھا ہے کہ طفیل خاں وزیر اس کی ریخت کی حیثیت سے کار سلطنت انجام دیتا تھا مگر اس وزیر کا صحیح نام تغال خاں ہے۔

۱۲۔ صفحہ ۱۳۷ کالم ۱۔ بہادر نظام شاہ کے حالات میں مغلوں کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

میاں منجھو اس وقت احمد نگر پر قابض تھا اس نے بہادر نظام شاہ کو جو اس وقت شیر خوار بچہ تھا بادشاہ تسلیم کر لیا شیر خوار شہزادے کے مخالفوں نے جو مدعیان سلطنت میں تھے شہر کا محاصرہ کر لیا، میاں منجھو نے مراد سے جو گجرات کا گورنر اور شہنشاہ اکبر کا بیٹا تھا مدد طلب کی اور یہ وعدہ کیا کہ اگر اس کی مدد سے کامیابی ہوئی تو وہ سلطنت مغلیہ کا باجگزار ہو جائیگا۔ سلطان مراد نے اس شرط کو قبول کر لیا اور احمد نگر پر بڑی جمعیت کے ساتھ چڑھائی کی قبل اس کے کہ شاہی فوج کی مدد پہنچے وہ اپنے حریفوں کو زیر کر چکا تھا اس لئے وہ مراد سے مدد مانگنے پر بہت بچھتا یا اور اب اس نے صرف اس غرض سے کہ اُسے شہزادہ مراد کا باجگزار بننا پڑے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی، شہر کو چاندنی بی کے جو سلطان بہادر شاہ کی

پھوپھی تھی عام نگرانی میں دے کر نصیر خاں کے سپرد کیا..... شہزادہ نے چاندنی بی سے خراج قبول کر کے محاصرہ اٹھادیا اور کچھ روز یہ نقصان اکیا گیا۔

میاں منجھوا براہیم نظام شاہ کا وزیر اعظم تھا سلطان نے اُسے اپنے عین حیات ہی میں وزارت کی خدمت سے سبکدوش کر دیا تھا بادشاہ کا جب انتقال ہوا تو یہ شاہی خزانہ پر قابض ہو گیا اور اپنے زور سے ایک غیر متعلق شہزادے کو جس کا نام احمد تھا عین عید الضحیٰ کے دن (سنہ ۱۰۸۷ھ میں) تخت نشین کرادیا جس کے باعث چاندنی بی اور اس میں شدید مرعہ کے رہے، جب اس کی قوت کمزور ہو گئی تو شہزادہ مراد کو احمد نگر پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی اور خود شہر کے حوالہ کرنے کا وعدہ کیا۔ اسی اثنا میں یہ احمد نگر پر قابو پا گیا مگر شہزادہ مراد بھی احمد نگر آ رہا تھا، اس کو شہزادے کے آنے کا علم ہوا تو چاندنی بی اور انصار خاں کو قلعہ حوالہ کر کے خود عادل شاہ اور قطب شاہ کے پاس مدد کے لئے گیا۔ انصار خاں چونکہ اس کا خاص آدمی تھا چاندنی بی نے اس کو قتل کرادیا (مرتب نے انصار خاں کو نصیر خاں لکھا ہے جو تصحیف ہے) چاندنی بی نے مراد سے صلح کرنے کے بعد اس کو برادر کا علاقہ پیشکش میں دیا، اس کے علاوہ اور کسی قسم کا ناوان جنگ ادا نہیں کیا (سوانح چاندنی بی)

۱۳- صفحہ ۱۶۳- کالم ۱- ٹیپو سلطان..... نے سنگھاپٹن کے قلعہ کو بہادری سے پچانے کی کوشش کی۔ صحیح نام سری ننگاپٹن ہے۔

۱۴- صفحہ ۱۹۳ کالم ۱- حاجی خلفہ.... کشف الطنون سوانح مشاہیر کی ایک کتاب ہے۔

کشف الطنون کے مصنف کا نام حاجی خلیفہ ہے۔ کشف الطنون ۶ فی وفارسی کتابوں کی فہرست ہے، کتاب کے نام کے تحت مصنف کا نام اور کتاب کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۵- صفحہ ۲۰۳ کالم ۲- مامون رشید کے وزیر کا نام حسن بن سہیل لکھا ہے۔ لیکن صحیح نام حسن بن سہل ہے (المامون جلد دوم صفحہ ۱۱۲)

۱۶- صفحہ ۲۱۱ کالم ۱- مولانا حسین واعظ کاشفی کے بیان میں ان کی ایک تصنیف اطائف الطوائف کا ذکر کیا ہے لیکن انھوں نے اس نام سے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ہے۔ البتہ ان کے فرزند ملا علی کاشفی نے لطائف الطوائف ۹۳۲ھ میں لکھی تھی، غالباً اسی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۷- صفحہ ۲۱۱ کالم ۲- حکیم الملک شمس الدین..... ۹۸۹ھ میں اجازت حج لیکر حجاز کو گیا اور وہیں وفات پائی مگر وہ ۹۸۹ھ میں نہیں بلکہ ۹۸۸ھ میں حج سے مشرف ہوا اور وہیں انتقال کیا۔

(منتخب التواریخ صفحہ ۳۳۳)

۱۸۔ صفحہ ۲۱۲ کالم ۱۔ حکیم عین الملک کے بیان میں ہم صرف اس قدر اضافہ کرتے ہیں کہ انھوں نے دکن کا بھی سفر کیا تھا خواجہ نظام الدین احمد اور ملا عبدالقادر بدایونی سے ان کے مخلصانہ تعلقات تھے۔ (منتخب التواریخ صفحہ ۲۳۴)

۱۹۔ صفحہ ۲۱۲ کالم ۲۔ حمد اللہ مستوفی بن ابوبکر الخواجه القزوینی اس کا نام حمید الدین مستوفی بھی ہے۔ تاریخ گزیدہ اس کی تصنیف ہے۔

اس کا صحیح نام حمد اللہ بن ابی بکر بن نصر مستوفی ہے۔

۲۰۔ صفحہ ۲۱۲ کالم ۲۔ حمید الدین مستوفی ملاحظہ ہو حمد اللہ مستوفی۔ حمید الدین حمد اللہ مستوفی کا نام نہیں ہے تصحیف ہے (تاریخ گزیدہ طبع لیڈن ۱۹۱۰ء عرج اثنتی عشر

۲۱۔ صفحہ ۲۱ کالم ۲۔ خاقانی ایران کا مشہور شاعر منوچہر بادشاہ ایران کے عہد میں گزرا ہے اس کو

سلطان الشعراء کا خطاب ملا تھا، اس کا نام افضل الدین ابراہیم بن علی شروانی تھا۔ شیروان کا رہنے والا، فلکی کا شاگرد تھا، اسی نے اس کو خاقانی کا خطاب عطا کیا تھا۔ تحفۃ العراقین کا مصنف ہے، ایک دیوان فارسی اور ایک کتاب موسومہ ہفت اقلیم بھی اسی کی تصنیف سے مشہور ہے بمقام

تبریز ۵۸۲ھ میں وفات پائی۔

خاقانی کا تخلص ابتدا میں حقائق تھا۔ خاقان کبیر منوچہر کے دربار میں جب یہ پہنچا تو سلطان نے اسے خاقانی کے لقب سے مقرب کر دیا اور بادشاہ کی مناسبت سے اس نے اپنا تخلص خاقانی اختیار کیا۔ خاقانی ابوالعلا گنجوی کا شاگرد تھا اور فلکی کو بھی اُسی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ حمد اللہ مستوفی نے خاقانی کو فلکی کا شاگرد بتلایا ہے جو نادرست ہے۔ خاقانی رفعت جمیل اور خنکی میں فلکی سے بہت سبقت رکھتا ہے اور یہ دونوں خاقان اکبر کے درباری رہے ہیں۔ مولانا آزاد بکراچی نے حبیب السیر کے مصنف کے حوالے سے لکھا ہے کہ خاقانی ۹۵ھ تک بقید حیات موجود تھا۔ خاقانی نے ہفت اقلیم نامی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ہے۔ ہفت اقلیم بہت بعد کی کتاب ہے جس کو امین احمد رازی نے سنہ ۱۳۰۰ھ میں بعد شمشاد اکبر لکھا ہے۔ (مذکرہ مجمع الفضا صفحہ ۲۰۰ خزائن عامہ صفحہ ۲۰۴، نتائج الانکار صفحہ ۱۳۹)

۲۲۔ صفحہ ۲۱۸ کالم ۱۔ خالدون۔ صحیح لفظ خالدون ہے۔

۲۳۔ صفحہ ۲۲۰ کالم ۲۔ خانخاناں بیرم خاں وزیر شمشاد اکبر اور اس کے بیٹے عبدالرحمن خاں وزیر

شمشاد مذکورہ تاریخ میں اسی خطاب سے مشہور ہیں۔

بیرم خاں کے بیٹے کا نام عبدالرحمن نہیں بلکہ عبدالرحیم خانخاناں ہے۔

۲۲۷۔ صفحہ ۲۲۷۔ کالم ۲۔ خواجہ حسن صدر الدین نظامی کتاب تاج المآثر کا مصنف تھا جو اس نے سلطان

قطب الدین ایک بادشاہ دہلی کے نام پر ۶۰۵ھ میں معنون کی تھی۔

تاج المآثر کے مصنف کا نام نظام الدین حسن نظامی ہے جو نظامی عروضی سمرقندی مصنف چہار مقالہ کا فرزند تھا (تاریخ گزیدہ طبع لیڈن صفحہ ۸۶) نام کے تحقیق کرنے میں روضۃ الصغارا و کشف الظنون کے مصنفین کو بھی دھوکا ہوا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں تاج المآثر کا جو مخطوطہ ہے وہ بہت قدیم نسخہ ہے جو صدر المائتہ والحق مولانا محمد بن محمد الحوتی کا تھا نقل کیا گیا ہے۔ اس کے آخر میں خواجہ حسن صدر الدین کی تقریظ ہے جس میں مصنف کی غیر معمولی تعریف کی گئی ہے بقول سر سہری الیٹ دیباچہ نگار کے نام کی بنا پر مولف کا نام بھی صدر الدین خیال کیا گیا۔ تاج المآثر قطب الدین ایک کے نام پر منسوب نہیں ہے بلکہ اس کی خوشنودی کی خاطر لکھی گئی ہے۔ اس کا سلسلہ تالیف قطب الدین کی وفات (۶۱۱ھ) کے بعد بھی جاری تھا۔ تاج المآثر کے عام نسخوں میں سلسلہ تک حالات ہیں۔ لیکن الیٹ نے نواب ضیاء الدین خاں دہلوی کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ دیکھا تھا جس میں سلطان شمس الدین کے آخری عہد یعنی ۶۱۶ھ تک واقعات تحریر ہیں۔

۲۵۔ صفحہ ۲۲۸ کالم ۲۔ خواجہ محمد تقیم ملاحظہ ہو نظام الدین احمد۔

خواجہ محمد تقیم خواجہ نظام الدین احمد کے والد کا نام ہے۔

۲۶۔ صفحہ ۲۳۳ کالم ۲۔ دارا شکوہ بن شاہجہاں کے بیان میں تحریر کیا ہے کہ اس نے ایک منسکرت کتاب موسومہ ابنگھٹ کا ترجمہ کرایا جس کا نام سرالاسرار رکھا۔ اس ترجمہ کا نام سر اکبر ہے۔

۲۷۔ صفحہ ۲۳۷ کالم ۱۔ دردمند محمد تقی دہلوی کا تخلص ہے جو مرزا جاجاناں کے مرید تھے۔ انھوں نے ایک

دیوان اور ساقی نامہ تصنیف کیا ہے۔ مرشد آباد میں ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا۔

محمد تقی دردمند کوئی شاعر نہیں گزر رہا ہے، البتہ محمد فقیہ دردمند ایک مشہور شاعر ہوئے ہیں جو جاجاناں کے شاگرد مرید تھے جنھوں نے ساقی نامہ تصنیف کیا تھا۔ مولف کا انہی کی جانب اشارہ ہے محمد فقیہ دردمند کے ساقی نامہ کا میر تقی میر، میر حسن اور لالہ بھپی نراین شیفق نے اپنے تذکروں میں ذکر کیا ہے۔

(نکات الشعر صفحہ ۲۰) تذکرہ اردو شعرا از میر حسن صفحہ ۲۲ چغتستان شعراء صفحہ ۷۰)

۲۸۔ صفحہ ۲۳۲ کالم ۲۔ دولت شاہ بخت شاہ کا بیٹا تھا اور تذکرہ دولت شاہی کا مصنف ہے۔ سلطان حسین

والی ہرات کے زمانہ میں گذرا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۹۰ھ میں لکھی گئی تھی

دولت شاہ کے والد کا نام علاء الدین بختی شاہ تھا جو شاہرخ بن تیمور کے مشہور درباریوں سے تھا اس کا چچا نیز وز شاہ بیگ شاہرخ مرزا کے مشاہیر سے تھا اور بھائی امیر رضی الدین بڑا جید عالم اور بہادر آدمی تھا محمد خدائی داد کی سرکار سے متوسل تھا دولت شاہ نے تذکرہ کو ۱۲۷۱ھ میں تمام کیا۔ مرآۃ الصفا کے مصنف نے دولت شاہ کا سنہ وفات ۱۲۹۶ھ تحریر کیا ہے۔ تذکرہ دولت شاہ ایک مستند تذکرہ ہے جسے تذکرۃ الشعرا بھی کہتے ہیں۔ یہ صحیح معنوں میں تحقیق کے ساتھ لکھا گیا ہے اور اس کی ترتیب میں تاریخ و تراجم کی ۳ کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

۲۹۔ صفحہ ۲۲۷ کالم ۲۔ رابعہ دورانی..... اوزنگ زیب کی بی بی تھی..... اس کا مقبرہ اس کے بیٹے محمد اعظم نے بعینہ تاج محل کے نمونہ پر بنانا چاہا مگر اوزنگ زیب کی روک ٹوک سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی صرف دروازے کی بنی کے ایک پہلو میں یہ الفاظ کندہ ہیں ”ایں روضہ منورہ در معاری عطار اللہ جل بعیت راعے تیار شد ۱۲۷۱ھ“

رابعہ دورانی کا روضہ مکمل حالت میں اس وقت تک موجود ہے اور اس کی روشیں اور حصا بھی باقی ہے اور کوئی حصہ نامکمل نہیں ہے۔ اس میں دو کتبہ کندہ ہیں جن میں سے صرف ایک نقل کیا گیا ہے دوسرا یہ ہے ”ایں دروازہ باہتمام رفعت پناہ آقا ابوالقاسم بیگ داروغہ تیار شد“ پہلے کتبہ میں بجائے ۱۲۷۱ھ کے ۱۲۷۲ھ ہونا چاہیئے۔

۳۰۔ صفحہ ۲۳۸ کالم ۲۔ دربار عباد شاہ نے اپنی بہن ربیعہ کی شادی ابراہیم عادل شاہ کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے کی۔

دربار عباد شاہ کی بہن کا نام رابعہ بی بی ہے۔

۳۱۔ صفحہ ۲۴۸ کالم ۲۔ راجو قتال مخدوم ہانیال جہاں گشت شیخ جلال کے بھائی تھے، ان کا شمار بھی اکابر اولیاء میں ہے۔ تحفۃ النضاح ان کی تصنیف ہے۔ ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا ان کا مزار ملتان میں اوچے کے قریب واقع ہے۔

حضرت راجو قتال حسینی مشہور بزرگ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، آپ اہل و عیال کے ہمراہ ۱۲۷۱ھ میں دولت آباد تشریف لائے ۱۲۷۵ھ میں وہیں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار غلہ آباد میں مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے۔ حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز جو دکن کے مشہور بزرگ ہیں آپ ہی کے فرزند ہیں۔ بعض مورخین نے تحفۃ النضاح کو آپ سے منسوب کر دیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہے جسے انھوں نے ۱۲۷۹ھ میں تصنیف کیا تھا اس کا

دکنی ترجمہ ملا قبطی نے سلطان عبدالشہر قطب شاہ کے عہد میں کیا۔ شیخ یوسف دہلوی حضرت خواجہ نصیر الدین چمرغ دہلی کے مرید تھے (تاریخ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۲۰۵، ارخان سلطانی صفحہ ۴۰، روضۃ الانحطاب صفحہ ۸۴۔ اردوے قدیم صفحہ ۶۷)

۳۲۔ صفحہ ۲۶۷ کا لم ۲۔ رنگین، سعادت یا رخاں نام رنگین تخلص، ان کا خاندان روم سے آکر ہندوستان میں آیا تھا۔ رنگین ایک تجارت پیشہ تھا، اس نے ایک تاجر کی حیثیت سے تمام ہندوستان کی سیاحت کی..... شاہ حاتم کا شاگرد تھا، اردو میں ریختی اس کی ایجاد ہے، چار دیوان اور پانچ مثنویات یادگار ہیں جن میں سے فرسنامہ رنگین نامہ اور مجالس رنگین مشہور ہیں۔

رنگین کا خاندان توران سے آکر چند روز کے لئے لاہور میں مقیم ہوا اس کے بعد دلی آیا، تجارت ان کا آبائی پیشہ نہ تھا کبھی کبھی کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ کئی مرتبہ لکھنؤ آئے اور گئے ہیں۔ لکھنؤ کے سوائے انھوں نے بہت کم شہروں کی سیر کی ہے۔ رنگین ریختی کے موجد نہیں ہیں بلکہ یہ ان سے بہت پہلے زمانہ کی ایجاد ہے، جس کا صحیح زمانہ اب تک متعین نہیں ہوا ہے۔ دکن میں ایک صاحب علی عادل شاہ بجاپور اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں جن کا تخلص ہاشمی ہے، انھوں نے ریختی میں بہت کچھ کہا ہے، ان کے بعد دکن میں اور بہت سے شعرا ہوئے ہیں جن کا ہمنو ذرہ نہیں لگا ہے۔ چونکہ رنگین نے ریختی کو بہت ترقی دی ہے اسی وجہ سے ان کو اس کا موجد خیال کیا جاتا ہے اور اسی خیال کو قانوں المشاہیر میں جگہ دی گئی ہے۔ انڈیا آفٹن کے کتب خانہ میں رنگین کی جس قدر مثنویات اور دیوان موجود ہیں ان کی ایک محل تفصیل درج ذیل ہے:-

- ۱۔ رنگین کا پہلا دیوان، ریختہ۔ نورتن کا پہلا حصہ، بنظر رنگین
- ۲۔ رنگین کا دوسرا دیوان، ریختہ " " دوسرا حصہ " " "
- ۳۔ رنگین کا تیسرا دیوان آمینختہ " " تیسرا حصہ ہر لیا " " "
- ۴۔ رنگین کا چوتھا دیوان انیختہ " " چوتھا حصہ ریختی " " "
- ۵۔ مجموعہ رنگین نورتن کا پانچواں حصہ قصائد وغزلیات کا مجموعہ سات زبانوں میں بنظر رنگین
- ۶۔ مجالس رنگین نورتن کا چھٹا حصہ بنظر رنگین
- ۷۔ امتحان رنگین " " ساتواں حصہ " " "
- ۸۔ اخبار رنگین، نورتن کا آٹھواں حصہ مصنف نے بعض چشم دید واقعات نظم کئے ہیں بنظر رنگین
- ۹۔ ششہل بہت رنگین۔

- ۱۰۔ ایجاد رنگین شش جہت کا پہلا حصہ (مجموعہ حکایات)
 - ۱۱۔ عجائب و غرائب رنگین، شش محبت کا دوسرا حصہ
 - ۱۲۔ داستان رنگین شش جہت کا تیسرا حصہ، اس کا دوسرا نام مثلت رنگین ہے اس میں تین رسالے ہیں، شہر آشوب، کہاوت ہائے رنگین، حکایات رنگین۔
 - ۱۳۔ چارچین شش جہت کا چوتھا حصہ
 - ۱۴۔ پنجرہ رنگین " " پانچواں حصہ
 - ۱۵۔ نظم رنگین پنجرہ رنگین کا چوتھا حصہ (سوحکایات)
 - ۱۶۔ داستان رنگین " " پانچواں حصہ (سرگزشت آغازیہ سوداگر گجرات)
 - ۱۷۔ خمسہ رنگین رنگین کے پانچ محسوس کا مجموعہ
 - ۱۸۔ جنگنامہ رنگین ۱۹۔ حکایت رنگین
 - ۲۰۔ نصاب رنگین ۲۱۔ حکایات رنگین
 - ۲۲۔ سبع سیارہ رنگین۔ رنگین کے سات تصنیفات کا مجموعہ۔
- رنگین کی تصنیفات بہت کثیر تعداد میں ہیں اور بہت کم شعرائے آنا سرمایہ اپنی یادگاریں چھوڑا ہوگا۔ (گل رعنا صفحہ ۲۶۴۔ اردوے قدیم صفحہ ۹۱۔ رسالہ اردو جلد نمبر ۲، استفادہ از مضمون انڈیا آفس کی مخطوطات نوشتہ مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری)
- ۳۳۔ صفحہ ۲۸۶ کالم ۱۔ سرخوش نے اپنے ہم عصر شعرا کا ایک تذکرہ لکھا ہے، جس کا تاریخی نام کلامۃ الشعراء ہے۔
- سرخوش کے تذکرے کا نام کلامۃ الشعراء ہے جو تاریخی نام ہے جس سے سلسلہ برآمد ہوتے ہیں۔
- ۳۴۔ صفحہ ۲۹۲ کالم ۱۔ سعدی دکنی دکن کا رہنے والا تھا، کچھ ابیات کا مصنف ہے۔
- اس بیان میں صرف اس قدر اضافہ کیا جاتا ہے کہ سعدی دکنی کا مرزا برہانپور میں واقع اور مرجع خاص وعام ہے۔ غالباً یہ برہانپور کے رہنے والے تھے
- (چندستان الشعراء صفحہ ۳۹۵)

تنقید کتب

مولانا مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنؤی - کراؤن سائز، حجم تقریباً ۸۰ صفحات

عزیز اللغات

جلد نہایت ستم اول تھے، ستم دوم پچھلے کاپیہ مطبع انوار احمدی، لاہور۔

یہ لغت خالص اردو لغات و محاورات و ضرب الامثال پر مشتمل ہے، کہیں کہیں عربی و فارسی کے الفاظ بھی ہیں۔ اس لغت کے لکھنے کا اصلی مقصد یہ ہے کہ طلباء مدارس صحیح اور موثر زبان اور محاورات سے واقف ہوں اور اردو لکھنے پڑھنے میں مستند محاورات کا استعمال کر سکیں..... اس لغت میں ردیف اردو کے لغات اور محاورات یکجا کر دیے گئے ہیں اور ان کے معنوں میں جو فرق ہے وہ بھی بیان کر دیا گیا ہے..... جب تک طلباء اردو زبان کے الفاظ و محاورات سے واقف نہ ہوں گے وہ اردو عبارت فصیح و دلاویز نہ لکھ سکیں گے۔ ان ضروریات کا لحاظ کر کے یہ لغت لکھا گیا ہے۔ اس کے ضمیمہ میں اخباری محاورات کا انتخاب بھی ہے، دوسرے ضمیمہ میں وہ انگریزی الفاظ ہیں جو زبان اردو میں جذب ہوتے جاتے ہیں۔ اس لغت کے لکھنے کی اصل منشا یہ ہے کہ طلباء مدارس اس کے مطالعہ سے اردو لکھنے کا صحیح مذاق پیدا کریں اور نوشت و خواندہ میں اسی فصاحت و سلاست کا لحاظ رکھیں جس پر اردو زبان کا اطلاق ہو سکے اور یہ بات اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب وہ مکملاتی زبان سیکھیں اور صحیح محاورات کو مستعمل کر لیں۔ یہ لغت مندرجہ بالا مقاصد کو بدرجہ اتم پورا کرتا ہے اور ہم مولانا عزیز صاحب کو یہ مفید لغت مرتب کرنے پر مبارکباد دیتے ہیں۔

از حکیم سید شمس اللہ قادری (ایڈیٹر رسالہ "تاریخ" حیدر آباد دکن)

اردو کے قدیم

رائل سائز، حجم تقریباً ۲۰۰ صفحات، مطبوعہ مطبعہ نو کشتہ لکھنؤ

حکیم سید شمس اللہ قادری کا نام دنیائے ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، امیر کے علمی و تاریخی تحفظات مضامین اردو، زمانہ اور دوسرے رسائل میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے متعدد کتابیں بھی

تالیف کی ہیں جن میں سے ایک "اردو کے قدیم" اس وقت ہمارے سامنے ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں اردو زبان کی ابتدا سے لیکر بارہویں صدی ہجری تک اردو کی درجہ بدرجہ ترقی کا ذکر کیا ہے اور مٹنا ہر عہد کے سلاطین، مصنفین و شعرا کا ضروری تذکرہ بھی حوالہ قلم کیا ہے آخر میں نظم و نثر کے نمونے درج کر دیے ہیں جن سے اردو کی ابتدائی طرز تحریر اور تہذیبی ترقی کا اندازہ کرنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

حکیم صاحب نے اس کتاب کی تالیف میں ایک سو سے زیادہ عربی، فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ زبانوں کی کتابوں سے مدد لی ہے۔ نیز یہ کتاب شمانیہ یونیورسٹی کے ایچ ایم اے کے نصاب میں داخل ہے اور یہ دونوں باتیں اس کی اہمیت کی کافی ضمانت ہیں۔

ہم حکیم صاحب کو اس کامیاب کتاب کی تالیف پر مبارکباد دیتے ہیں اور بھی خواہاں اردو سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس کے مطالعہ سے مستفید ہوں گے۔

از رائے بہادر مہاسو پادھیائے گوری شنکر میراچند اوجھا
رائل سائنس تقریباً ۲۵ صفحات، مجلد قیمت چار روپے للہ

ٹپ: ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد

یہ کتاب ان تین معرکہ آرا لکچروں کا مجموعہ ہے جو ہندوستانی اکیڈمی کی سرپرستی میں ستمبر ۱۹۲۸ء کو ہندی زبان میں دیئے گئے تھے۔ رائے بہادر گوری شنکر میراچند اوجھا کا شمار ملک کے خاص محققین میں ہے چنانچہ ان لکچروں میں انھوں نے تاریخی تحقیقات کی خوب داد دی ہے۔ فاضل مصنف نے نہایت محنت و جانفشانی سے سنہ ۱۹۲۰ء تک کے زمانہ کی ہندوستانی تہذیب کا نقشہ کھینچا ہے۔ پہلا لکچر مذہب و معاشرت سے متعلق ہے، دوسرا ادبیات اور تیسرا سیاسی و تمدنی حالت پر ہے۔ ہر لکچر میں اس کے متعلق موضوع پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ بودھ، جین، برہمن وغیرہ دھرم کی ابتدا اور زوال، عقائد، رسوم و رواج کی پرستش کے طریقے، غذا، لباس، نظام سلطنت، تعلیم، صنعت و حرفت، غرض کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ اور اس طرح یہ عجیب و غریب مذکورہ بالا چھ سو سال کی طویل مدت کی تہذیب تمدن کی مختصر تاریخ ہے۔ اس وقت ہم اس عالمانہ تصنیف کا صرف ایک مختصر ذکر کر رہے ہیں مستقل رپورٹ کسی آئندہ نمبر میں ہدیہ ناظرین ہو گا۔ اردو ترجمہ منشی پریم چند صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہے اور ہم کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ترجمہ کی زبان بہت آسان و عام فہم ہے۔ مہاتما بودھ، وشنو، شیو، برہما وغیرہ دیوتاؤں کے قدیم مجسموں اور بعض مندروں کی جو بیس تصویروں بھی کتاب میں شامل ہیں۔

ہندی شاعری

اداکٹر اعظم کریمی - رائل سائز ۲۰۲ صفحات مجلد قیمت ۱۶
ملنے کا پتہ: ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد

ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی جدید مطبوعات میں یہ کتاب بھی بہت دلچسپ ہے۔ ہندی شاعری کے متعلق اردو زبان میں مختصر مضامین تو اکثر لکھے گئے ہیں مگر مستقل کتاب ایک آدھ سے زیادہ شائع نہیں ہوئی، اور یہ بھی کسی طرح سے مستند یا جامع نہیں کی جاسکتی ہیں۔ کتاب زیرِ یو یو میں ایک دیباچہ اور دو ابواب ہیں، دیباچہ میں ہندی بھاشا کی پیدائش اور شاعری کی ابتدا، مشہور ہندو مسلمان شعراء اور ہندی شاعری کی خصوصیات پر مختصر تبصروں کیا گیا ہے پہلے باب میں تسی کرت رامائن پر اظہار خیال کرنے کے بعد (۱) پریم کی پھلوا ری (۲) مناظر قدرت کی مصوری (۳) فلسفہ اخلاق و حسن معاشرت عنوانات کے ماتحت رامائن کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، اور دوسرے باب میں ہندی زبان کے مشہور ہندو مسلمان شعراء کے مختصر حالات اور ان کے مختلف دوہوں کا انتخاب درج کیا گیا ہے۔ مختلف عنوانات کے تحت میں جو اقتباسات اور دوہے پیش کئے گئے ہیں ان کو اردو اور ہندی دونوں رسم الخط میں لکھا گیا ہے مشکل الفاظ کے معنی اور پھر پورا مطلب بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ ہندی نہ جاننے والے اصحاب اس کے مطالعہ سے پورا لطف اٹھا سکیں۔

اگرچہ اس کتاب میں رامائن کے اقتباسات کے علاوہ جو کچھ ہے وہ صرف ہندی نظم کی ایک قسم دوہوں پر مشتمل ہے، کسی مختصر نظم، جھنڈ، کبت وغیرہ کا کوئی نمونہ نہیں پیش کیا گیا ہے لیکن جو کچھ بھی ہے غنیمت ہے، حضرت نیاز کے جذبات بھاشا یا حیدر آباد کے مطبوعہ منتخبات ہندی کلام کے مقابل میں یہ کتاب زیادہ دلچسپ ہے اور ڈاکٹر اعظم کریمی اور ہندوستانی اکیڈمی دونوں شکر یہ کے مستحق ہیں جن کی کوشش سے یہ کتاب مرتب و طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی۔

از خالصا صاحب مولوی محمد عبدالقیوم، ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ زراعت - رائل سائز، تقریباً

ترقی زراعت

۲۲۵ صفحات - قیمت ۱۰۰ ملنے کا پتہ: ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد۔

ہندوستان کی زمین بہت زرخیز مشہور ہے اور آجکل کی گئی گزری ہوئی حالت میں بھی بقول کسے زمین سونا اُگلتی ہے مگر کاشت کے طریقے بہت پرانے ہیں اور اس لئے زیادہ پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔ اس کتاب میں زمین کی قسمیں، کھاد، فصلیں، بیج وغیرہ کے متعلق نہایت کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں جس قسم کی زمین میں کون جنس بونی چاہیے، کس قسم کی کھاد اور کس مقدار میں ڈالنی چاہیے۔ کس صورت

میں زمین کی جوتائی، بوائی، بھیتوں کی آبپاشی، زرائع وغیرہ کرنی چاہیئے۔ یہ سب باتیں اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ بتائی گئی ہیں۔ فصلوں کے بونے کا وقت، بیج بونے کا طریقہ، فصل کو کیڑا لگ جانے کی صورت، اس کے دفعیہ کی تدبیر کے علاوہ مویشی پالنا، ان کی قسمیں، بیماریاں، علاج، غرض لائق مصنف نے فن زراعت کے متعلق سبھی ضروری باتیں اس میں یکجا کر دی ہیں۔

اس کے لائق مصنف صوبہ متحدہ کے محکمہ زراعت کے ایک اعلیٰ عہدہ دار ہیں اس لئے جتنی باتیں اس کتاب میں درج کی گئی ہیں وہ سب مجرب و آزمودہ ہونگی وجہ سے علمی حیثیت سے مفید و کارآمد ہیں۔ اس کے دیباچہ میں اس امر پر کافی زور دیا گیا ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کو زراعت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور جدید ترقی یافتہ اصول پر زراعت کر کے ملک کی پیداوار بڑھانی چاہیئے۔ اس صورت میں تعلیم یافتہ حضرات کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بہترین رہنما کا کام دیگا۔

مختلف قسم کے نقشے اور مویشیوں وغیرہ کی باؤل تصویریں بھی کتاب میں شامل ہیں اور ان سے اس کی دلچسپی میں قابل قدر اضافہ ہو گیا ہے۔ اکیڈمی کی تمام اُردو مطبوعات اُردو ٹائپ میں طبع کی جاتی ہیں، کاغذ بھی دبیر اور عمدہ استعمال ہوتا ہے، مطبوعات نہایت خوبصورت اور مجلد ہوتے ہیں

از مسٹر مخبول بی۔ اے۔ گورکھپوری۔ کراؤن سائز ۲۶۵ صفحات قیمت ۷۵

خواب و خیال

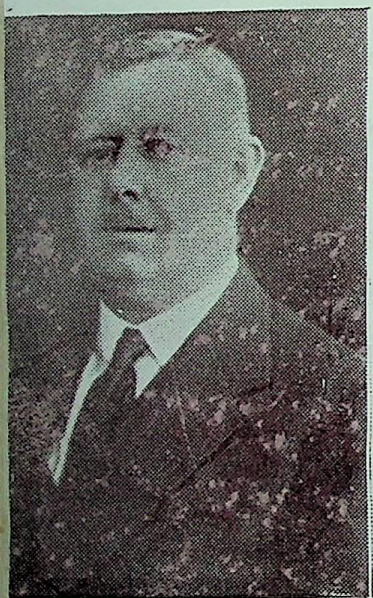
لئے کا پتہ: ایوان اشاعت، گورکھپور

مسٹر مخبول افسانہ نگاری میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ کتاب انکی چند مختصر افسانوں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ شروع میں ایک مختصر جذباتی مضمون اور حسب دستور ایک طویل دیباچہ ہے جسکے بعد آٹھ قطعے ہیں جو غالباً سب کے سب ملک کے مختلف رسائل میں طبع ہو چکے ہیں اور اب کتابی صورت میں یکجا کر دیئے گئے ہیں۔

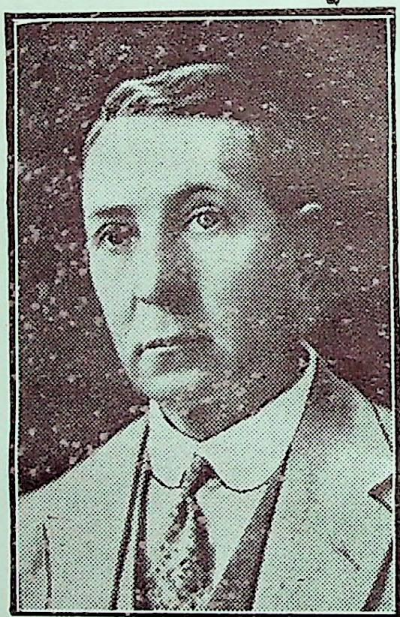
عموماً ہر افسانہ دلچسپ ہے اور نتیجہ خیز ہے، مصنف کا طرز تحریر دلکش ہوتا ہے۔ اس مجموعہ کے ساتھ جناب مخبول کی عکسی تصویر بھی مدنیہ ناظرین ہے، لکھائی چھپائی صاف و پسندیدہ ہے۔

جناب ظفر قریشی دہلوی بی۔ اے (کٹرہ مہر پور دہلی) کا ایک مختصر جاسوسانہ بلیک میل ناول ہے۔ طرز بیان انگریزی سے ملتا جلتا ہے اور دلچسپی سے خالی نہیں۔

قیمت غالباً ۴۲ روپے، حجم ۲۰ صفحات۔



ه: ایکلسنسی -و- حیمس دیوت سفتن
گورنو بهار و ازیسه



آنریبل مسٹر ہوگ سوم مهر
گورنمنٹ ہند



ملک التجار مسٹر وال چند ھہرا چند پریزیڈنٹ اجلاس
دہلی آل انڈیا چیمبر آف کامرس فیڈریشن

کلام شاد

(از سیدالشعرارخان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی - مرحوم)

رباعیات

مہلت مکیں اک آن تو لینے دے مجھے کیا چیز ہے پہچان تو لینے دے مجھے
کچھ ختم نہیں ہے دور ساقی لہر اس نے کو ذرا بھان تو لینے دے مجھے
طاقت تن نا تو ال کی سب دور ہوئی خم ہو گئی پشت آنکھ بے نور ہوئی
کیا شوخ مزاج تھی جوانی میری پیری سے ملا کے آب کا فور ہوئی
پیری کے بس دن گئی جوانی اپنی ہم چھوڑ چلے بہت نشانی اپنی
ادروں کی تو سن چکے کہانی تم سے اور دل سے سنو گے اب کہانی اپنی
کیوں کر نہ رہے غنیم نہانی میرا دنیا میں بتا کون ہے ثانی تیرا
ہم لیکے عصا دور ملک ڈھونڈ آئے کوسوں نہیں نام لے جانی تیرا

غزل

تیرے شمشیر کیا شکل ہے رکھنا اپنی گردن کا مگر آساں نہیں پہچاننا قاتل کی چٹون کا
خراہم نازیں ڈورا ہی کتا ہے گردن کا نہیں اٹھتا مرے نازک بدن کو بوجھ دین کا
پتا بے فائدہ کیوں پوچھتا ہے خاک کا میری جھٹکنا یاد کر لے بے مروت اپنے دامن کا
کوئی صہبائشی میں طاق کوئی ہے پرستی میں خراباتِ محال میں جمع ہے استاد ہر فن کا
بلائیں میکہ سے کی دور خم آباد سے کش خوش ہمیشہ جام پر سایہ رہے ساقی کے دامن کا
نکالے بیٹھ کر کانٹے نہ اپنے پائے زخمی کے کبھی بھولے بھی دل توڑا نہ ہم نے اپنے دشمن کا
تسے در سے ہمیں دیر و حرم میں کھینچتے کیوں ہیں نہ لوٹا شیخ کو ہم نے نہ گھر چھینا برہمن کا
ہمار باغ جاتی ہے کہو بسل بسنبل بیٹھے قریب آیا زمانہ نالہ و فریاد و شیون کا
نکل آئے ہم آخر ڈوب کر دیائے ہستی سے کوئی کونا تو کیا اک تار بھی بھگانا دامن کا
مرا آرام ہو چکا نا گیا اوروں کے ہاتھوں میں پھر لے پیری زمانہ آ گیا لے کر دکن کا
بہت جب سوچتا ہوں شاد کچھ یاد آتا ہے مزا اس نے ندگی کا خواب تھا وہ بھی لڑکپن کا

سروشِ بیداری

از جناب محمود اسرار بکلی

مشرق کا بدل گیا ستارہ ہر ذرہ بتا ہے ماہ پارہ
ہے نام کو ظلمت آشکارہ یہ بھی نہ رہیگی جو رہی ہے

دنیا بیدار ہو رہی ہے

گلشن کا صبا نے رنگ بدلا بیل نے فغاں کا ڈھنگ بدلا
آئین محاذِ جنگ بدلا اے قوم! مگر تو سو رہی ہے

دنیا بیدار ہو رہی ہے

رفتار جہاں پر اک نظر کر ہر قوم ہوئی ہے صلح پر ورہ
ہے کشتِ مراد بار آور تو خشمِ عناد بو رہی ہے

دنیا بیدار ہو رہی ہے

ہے بحر حیات ولولہ خیز یارانِ وطن نکل گئے تیرنہ
کہہ کہہ کے تو حرفِ یاس انگیز اپنی کشتی ڈبو رہی ہے

دنیا بیدار ہو رہی ہے

ہر قوم ہے زندگی کی طالب آزادی و ہمسری کی طالب
تو بادہِ بخود کی طالب آنکھیں اشکوں سے دھو رہی ہے

دنیا بیدار ہو رہی ہے

جرات تھے جو کچھ دکھائی والے منزل پہ گئے وہ جانے والے
تجہ میں نہ تھے دکھ اٹھائی والے اپنی قسمت کو رو رہی ہے

دنیا بیدار ہو رہی ہے

ہر تارِ نفس ہے سازِ ہستی ہر نغمہ ہے اس کا رازِ ہستی
اے قوم کرا متیازِ ہستی کیوں مفت یہ وقت کھو رہی ہے

دنیا بیدار ہو رہی ہے

منوہر

(از منشی گوہر سن لال ادیب لکھنؤ بی۔ اے)

مانی نظرت لے کھینچی چرخ پر تصویر صبح لوح مشرق پر نظر آنے لگی تنویر صبح
عرش سے تافرش بھیلی غرت و لوقیر صبح ذرے ذرے سے عیاں ہونے لگی تائیر صبح
صبح کیا ہے آیت و الشمس کی تفسیر ہے

خواب تھی ظلمت تو یہ اس خواب کی تعمیر ہے
ہو گئے رخصت فلک سے جتنے تھے شب زندہ دار ماہ تاباں نے بھی کر لی بند چشم انتظار
تیرگی کے ہٹ گئے پیچھے قدم بے اختیار لٹ گئی آخر عروسِ شب گلشن کی بہار
سکہ زر نیز اعظم کا جاری ہو گیا
تیرگی شب کی قیمت کا ستارہ سو گیا

الشرعہ جرح پر سلطانِ خادر کا جلال آنکھ بھر کر دیکھ لے کوئی کہاں اتنی مجال
پردہ آئینہ سے بھی دیکھ لینا ہے محال شوقِ نظارہ میں جلتے ہیں نظر کے پردہ بال

یہ چمک ایسی تجلی اُفتابِ عالمِ نور کا
کھاتے ہیں اہل نظر دھوکا چہرےِ اسرارِ طور کا

العرض جاری ہوا گردوں سے فرمانِ سحر سب نے دیکھا مغلِ مستی کو آنکھیں کھول کر
گو بہت تکلیف سے آنکھوں میں کاٹی رات بھر قیدِ مژگاں سے رہائی پا گئی آخر نظر
دم کے دم میں اک طلسمِ نفسی ہی ہو گیا
نصفِ عالم جاگ اٹھا نصفِ عالم سو گیا

نور کا عالم نظر آتا ہے تاحِ نظر ذرے ذرے میں سرایت کر گیا نور سحر
ماتے ہی تک نہیں محدود کچھ اس کا اثر بلکہ عالم و جد کا طاری ہوا ہے لوح پر
جاگ اٹھے جذبات جو سوئے ہوئے تھے رات میں

زلزلہ سا آگیا دنیا سے احساسات میں
یوں تو ہر عالم میں ہنگام سحر ہے خوشگوار
تھی مگر صبحِ وطن کی اور ہی دلکش بہار
پہلے سنتے تھے مگر آتا نہ تھا کچھ اعتبار
آہِ غربت میں بجاتے ہیں یوں لیلِ دہار
یہ سہانا وقت ہے اور میں وطن سے دور ہوں
اُڑ کے جاسکتا نہیں اک بندہ مجبور ہوں

افسوس اے وطن

(از پبلیٹ انمدیت شہرا (ماچھوہ ضلع میرٹھ)

گل ہیں نہ باسمن	دورِ خزاں نے لوٹ لیا ہے ترا چمن
افسوس اے وطن	اب کس طرح کہوں تجھے بھولوں کی انجمن
مسموم ہے فضا	بغض و نفاق و کینہ سے اک حشر ہے پیا
افسوس اے وطن	تہذیبِ رو رہی ہے کہ بگڑا ترا جہلسن
اس دور میں کہیں	اخلاص و اتحاد کا نام و نشان نہیں
افسوس اے وطن	ہے کشمکش میں چاکِ محبت کا پیسہ بن
اس کائنات کی	گرداب میں بلا کے ہے کشتیِ حیات کی
افسوس اے وطن	بُخ و غم و ملال کا دریا ہے موجزن
وہ جوش اب کہاں	افسردہ ہو کے رہ گیا قلبِ شہرِ فشاں
افسوس اے وطن	جامِ خیال ہی میں نہیں بادِ کمن
ملکِ غریب ہے	تصویر ہے تو یاس کی حرماں نصیب ہے
افسوس اے وطن	دنیا کی ہے نگاہ میں اک لاشِ بے کفن

رباعیات

(از مولانا سید احمد حسین امجد حیدر آبادی)

ہنچے غفلت میں دام و دود کی حد تک معلوم ہوئی نہ نیک بد کی حد تک
کھلتی ہیں ضرور بند آنکھیں اک دن سوتے رہو مہمیں، حد کی حد تک
حد نظر روح ہے تن کا پردہ ہے مانع دید، ماومن کا پردہ
ہو جائیں گے مرتفع حجابات تمام آنکھوں پر پڑیگا جب کفن کا پردہ
ہر رات مرا شک قرآنا ہے وہ چارہ گردِ جگر آتا ہے
ہے خمیہ لیل میں قیام لیل تاریکی ہی میں نور نظر آتا ہے
نمشیرِ محبت پہ گلارہ بنے دے ہاں! جان کے ساتھ یہ بلا رہنے دے
امجد شبِ ہجر میں نہ کر بند آنکھیں وہ آئے گا، دروازہ کھلا رہنے دے

————— از منشی بشن سنگہ خوشتر حیدر آبادی —————

ساغر کی طرح رنگ کہیں لائے نصیب شیشہ کی طرح کاش اُبل جائے نصیب
اک کالی گھٹا جھوم کے قبلے سے اُٹھے گیسو کی طرح آج جو بل کھائے نصیب
ٹوٹے ہوئے ساغر جھیں ہم سمجھے تھے بھوٹی ہوئی قسمت کے وہ ٹکڑے نکلے
دکھلا گئی یہ شکستِ توبہ افتاد چکر کے گرے زمین پہ پتے پتے
ہر اوج کو پستی کے برابر سمجھو خورشید کو ذرہ سے نہ بڑھ کر سمجھو
تقدیر جو کھوٹی ہو تو پھر اے خوشتر پارس بھی لگے ہاتھ تو پھر سمجھو
سر سبز رہے دہر کا گلشن کبتک پُربھولوں سے گلچیں کا یہ دامن کبتک
نزدیک ہے ابِ وقتِ خزاں لے خوشتر غفلت تری او عقل کے دشمن کبتک
کرتا ہے پریشاں جو غم روزِ شمار دیتی ہے تسلی تری رحمت ہر بار
کچھ غم نہیں اب اپنے گناہوں کا مجھے میں بندہ عاصی ہوں ترا تو غفار

بیکراشا

(از منشی تلوک چند صاحب محروم، بی۔ اے۔)

ڈھل چکا تھا دن، اور تھا خورشید
کنج خلوت تلاش کرنے کو
عشتر کارزار "زلٹن" میں
گرہ کشتوں کے لگ گئے پشتے
مینہ برستا تھا گولیوں کا کہیں
کہیں بجتا تھا لوہے کا لوہا
سورما دو طرف سے بڑھ بڑھ کر
کوئی بڑھتا تھا تان کر نیزہ
خند قول میں ڈٹے ہوئے تھے کئی
دشمن صلح و آشتی طرفین
دونوں جانب سے گرمی پکار!

سورماؤں میں اک جوان حسین
تھا عزیز دل زمانہ، کہ تھا
ہاتھ اُس نے دکھائے بڑھ بڑھ کر
بے جگر ہو کے وہ لڑا ایسا
کار دشمن تمام کرنے کو
کہ لگی آگے ران میں گولی
اُسی گھوڑے پہ آگیا واپس
سرفپ سٹنی تھا علم بردار
صاحب علم اور خجستہ شعار
قلب دشمن کو کر دیا بے کار
کٹ گئے اُس کے نیچے دو رہوار
اور گھوڑے پہ ہو رہا تھا سوار
استخوان توڑ کر ہوئی جو پار
خول میں لٹھرا ہوا بحالت زار

حالتِ نزع ہو گئی طاری
تشنگی شعلہ زن ہوئی یکبار
پانی مانگا اشارہ سے اُس نے
کہ بہت کم تھی طاقت گفتار
گر چہ نایاب تھا وہاں پانی
لے ہی آئے کہیں سے خدنگار
ہاتھ میں تھام کر پیالے کو
پانی پینے کو تھا وہ خوش کردار
کہ مقدر نے گل کھلایا اور
رہ گئے ہونٹ خشک صورتِ خار

اک سپاہی تھا چور زخموں سے
لے چلے تھے اُسے اٹھا کے کھار
وہ بچار ابھی سخت پیاسا تھا
اور تھی اُس کو زندگی دشوار
بسکہ بیتاب تھا، پیالے پر
مڑ کے ڈالی نگاہِ حسرتِ بار
سرفلپ نے یہ دیکھ کر فوراً
پانی پینے سے کر دیا انکار
اور کہا "جا کے اس کو دے آؤ
مجھ سے بڑھ کر ہے یہ اسے درکار"
نہ نگاہوں سے یاس کا اظہار

یہ مروت ہے یہ جواں مردی

اس سعادت کا نام ہے ایتار

پارہ جگر

(از جناب جگر بریلوی بی۔ اے)

برباد ہو رہا ہوں محبت کی راہ میں
عالمِ تام بیچ ہے میری نگاہ میں
اب یاد رہ گئے ہیں فقط دوزخ و بہشت
دیکھے بہت نشیب فراز اس کی راہ میں
ہم رنگی ازل دل وحدت طلب کہاں
جب تک ہے اتیار سپید و سیاہ میں
جو تاب آزمائش ہستی نہ لاسکا
نشیب لیکے بیٹھ رہا خانقاہ میں
یا ہم تھے یا خدا تھا کوئی دوسرا نہ تھا
علم و خرد نے ڈال دیا اشتباہ میں
ہم پر فریب رونقِ باطل چلے گا کیسا
عالم کو جانتے ہیں غبار اس کی راہ میں
اس کو فروغِ حسن کہیں یا جمالِ دل
بجلی چمک ہی ہو تیری جلوہ گاہ میں
دنیا سمجھ رہی ہے جھینسِ اکسم سپر
روشن چراغ ہیں وہ محبت کی آہ میں
دل رہبر نشاط یقین منزلِ نشاط
نارجیم ہے تو جگر اشتباہ میں

کلام مہر

از پر و فیسر نارین پر شاہ دور ما مہر (گو الیاء)

توڑ کر دل ہم کو ناکام منت کر دیا کیا کیا یہ اے ستمگر تو نے یہ کیا کر دیا
کیا تماشہ کسی کے جلوہ دیدار نے میری چشم شوق کو بھی اک تماشہ کر دیا
جو نہ دیکھے تھے حسین ہکو دکھائے حسین اُن اے شوق دید، کس کس سے شناسا کر دیا
تو بلائے جاں بھی ہے غارتگر ایاں بھی ہے اک شباب جس نے اب بچو کیا کیا کر دیا

مہر یتیم نے کیا کیا نالے کر کے عشق میں
خود بھی رسوا ہو گئے اُن کو بھی رسوا کر دیا

دہم ہوتا ہے نکلنے کا گماں ہوتا ہے جو نکلتا ہے وہ ارمان کہاں ہوتا ہے
بدگماں تیری محبت نے کیا ہے ایسا دوست پر بھی مجھے دشمن کا گماں ہوتا ہے
دیکھ کر حسن کسی کامری حیرانی سے جو بیاں ہو نہیں سکتا وہ بیاں ہوتا ہے
تجھ میں کیا دیکھ لیا اسکو کہے کیا کوئی کہیں یہ راز زباں سے بھی بیان ہوتا ہے

مہر کو آپ سمجھتے ہیں جو بندہ اپنا
شکر اس بندہ نوازی کا کہاں ہوتا ہے

میری فغان سے تو بھر کی شب ادھر کی دنیا ادھر ہوئی ہے
مگر یہ اُن سے بھی کوئی پوچھے انھیں بھی اس کی خبر ہوئی ہے
اب اور الزام کس کو دیں ہم، نہ اشک بہتے نہ راز ٹھہکتا

ہماری الفت کی پردہ در تو، ہماری ہی چشم تر ہوئی ہے
نظر بھی آئی جو دن کی صورت، تو یوں شب انتظار آئی
سفید آنکھیں ہوئیں جب اپنی تو ہم نے جانا سحر ہوئی ہے
ہمارے آگے جواب جھکی ہے، تو کیوں حیا اس کو ہم سمجھ لیں

لڑی ہے یہ غیر کی نظر سے، تری نظر کو نظر نہ ہوئی ہے
کیسے دیدار کی تما ہوئی ہو کیا دل میں کج پیدا
ہیاں تو ہم اپنی زندگی ہی اس رنویں لہر ہوئی ہے

اگر چاہو پھسل کر لگ جائے یا
لڑھائی الٹ جائے تو زنبک لگا کر
سطح کے کٹ جانے چھانے

بھل جانے وغیرہ کیلئے حیرت انگیز دوا ہے
جلد کی جلد کو چٹنے بھلنے کٹنے ختم سے نقصان پہنچ جائے
خفیف خراش دیکھ کر بڑے بڑے بھلے کہ کسی لمحہ سے اس خطرہ
میں میں جیوں ہی کہ جلد آئندہ رکھے گوشت کو ہوا لگتی ہو فوراً دکھائی
دینے والے زہر پہلے ہر ایک کا زخمی مقام پر پیچوم ہو جاتا ہے جس سے
زخم شروع ہو جاتی ہے اسلئے کبھی اپنی جلد کی طرف سے بے
دلی نہ کیجئے بھلنے جلنے یا کسی دوسرے غریب پر فوراً حیرت انگیز
زنبک لگا کر ٹی بانڈھ دیجئے جو زخمی مقام کیلئے تریاق صفت
ہو گا کام دیتا ہے زنبک درد کا خاتمہ کرتا ہے پٹنے یا
ارو کے سیلان کا انسداد کرتا ہے اور قیمتی طور پر تمام شکایات
بہت جلد درست کر دیتا ہے زنبک سائنٹیفک طریقہ سے کیا
جائے کیا ہوا ہم سے جس میں قیمتی جڑی بوٹیوں کے جوہر شامل ہیں
جو طبی حیثیت سے بہت مفید ہوتے ہیں زنبک میں ہر قسم
کی جوانی چربی سے پاک ہونے کی ضمانت ہو اور چھان بھلی
دیکھا و سیروں کی خرابی نہ رہنے زخم، مہل، بولہ، سیرکٹ، جا
نا، بھلنا، لٹیر، نکا، نا، بھل جانا، زخمی ہو وغیرہ کا سلمہ حیرت انگیز
جوہر سے بیکریزی دور دواؤں میں سے ایک جو یہ فی طبیہ کے
کتاب سے ملتا ہے بڑی طبیہ کی قیمت سو اور دیر سے
بڑے زمرے کے بی محمد سعید اینڈ کمپنی مسٹر روڈ کانیور

زنبک

Zam-Buk

میمبر اور سچے موتیوں کا

سفید مسر

مصطفیٰ

جناب امی گرامی ڈاکٹر آر۔ کرار صاحب ہاں
سی۔ آر۔ فیلاؤف کمیٹی لندن

آنکھوں کی بیماریوں و ترقی بنیائی کیواسطے مفید ہے اور بہت
سے بہتر زود اثر دوا ہے مک و من افریقہ وغیرہ کے مغز
ڈاکٹر طول و ہندوستان کے نامور حکیموں نے آنکھوں
کی بیماری میں اور دوا چھوڑ کر استعمال کیا ہے۔

ہمارے مسر کا امتحان اور امین کامیابی

(۱) نگاہ ناپاک رہا ہمارے لگائے دو ہفتہ میں روشنی
بڑھ جائیگی اور جب ناقص چشم دور ہوئے۔

(۲) عینک کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) دھند۔ ڈھلا۔ آنسو ہنا۔ سرخی۔ بھلی۔ سوزش۔ آنکھوں
کے سامنے اندھیرا لکھوں کی اندر دلی گوانی دور ہوتی ہے
(۴) کمزور نگاہ سے ناگاہی میں بہت جلد برویجے۔

(۵) پر بال۔ سیل۔ جالا۔ بھلی۔ ابتدائی موتیا بند۔ ناغہ
آنکھ کے سامنے دھوا سا آنا بند ہو جاتا ہے۔ مکھنے
بڑھنے سے آنکھ کا مکان۔ درد بہت جلد صاف
کرتا ہے۔ اور جلد امراض چشم کے لئے کثیر ثاب
ہوا ہے۔ قیمت فی تولہ تین روپیہ محصول اک ۶

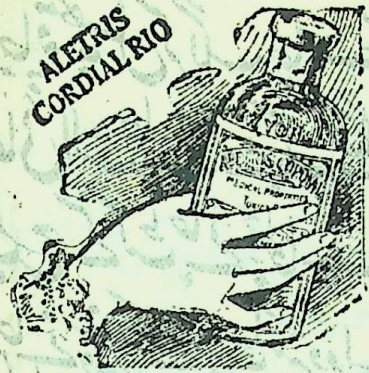
منے کا پتہ

مینجرنگم کمپنی، نیا چوک، کانپور

ہندو شعرا

خواجہ عسکرت کھنوی کی جدید بلیفٹ چار سو پاس گزشتہ موجودہ
ہندو شعرا کے حالات موثر و دلکش قابل دید چیدہ اشعار قیمت ۱۰
ہندو آداب تہذیب و موجودہ شعرا کے حالات
شاعری کا مکمل ست چار جلدوں میں
لغات اردو مکمل سٹ
حال اردو ہندی اور اردو کی تصدیق اور الفاظ کا فرق
اصلاح زبان اردو مترادفات کی تشریح
ترجمان پارس اردو فارسی نام کی آسان ترکیب
زبان دانی - اردو کے مستند قواعد
اصول اردو صرف و نحو کے مختصر قواعد
المتحرک پنج عشرت بکدلو احاطہ خانہ سال لکھنؤ

ALETRIS
CORDIAL RIO



THE WOMAN'S TONIC

الٹراس کا ڈی آئی لیٹریس کورڈیال

ڈاکٹر اس کے جسمانی صحت کیلئے بہترین دوا قرار دیتے ہیں
ہر گھر میں رکھنا نہایت ضروری ہے

مال ہن اوپنٹی کے واسطے بہترین دوائی
RIO Chemical Co.
19 BARROW STREET
NEW YORK (U.S.A)

الغلاب زندہ باد

انتخاب لا جواب

زندگی میں آسودگی اور آرام اچھا نام اور اچھا کام نہ ہو تو زندگی ہی ناکام ہے لیکن جب آپ کی صحت ہی اچھی نہیں اور جسم میں طاقت
ہی نہیں تو انکا حاصل کرنا غیر ممکن ہے اگر آپ اپنی حالت میں انقلاب چاہتے ہیں تو اس کے لئے تقویات سرناج عالم نہیں کرنا گویا
کا انتخاب لا جواب ہو گا یہ گویا آپ کی جملہ شکایتوں قبض، بڑھتی، خون اونسی کی خلی کی جریان، احتیلام
سرعت انزال، دل و معام کی کمزوری، قوت ہاضمہ اور قوت حافظہ کی کمی اور جملہ شکایتوں کو دور کر کے پورا آرام ہو گا
آسودگی عطا کر کے اچھے اور اہم کام کے انجام دینے کی ہمت عطا کر کے نامور بنادے گی قیمت فی ڈبہ ۳۲ گولیاں
ایک روپیہ ۵ ڈبیاں ملے، علاوہ محصول لاک اسی طرح ہمارا اطلاع دہی کرن ہے تمام برفی نقائص دور کر کے اعلیٰ درجہ کی
مردمی عطا کرنے میں پوری فتح حاصل کر چکا ہے قیمت فی شیشی پانچ روپیہ صحت و تندرستی کی پھر راہ راست کی
بہر اور سب سے عمدہ مضامین سے مزین کتاب کام شاستریا نکل مفت طلب فرمائیے۔

وید شاستری - جام نگر - کاٹھیاواڑ



ڈاکٹر ایس کے برمن

ڈاکٹر ایس کے برمن
پبلشرز



سنہ ۱۹۸۳ء

پچاس سال سے ہندوستانی پیٹنٹ دواؤں کے بے مثل موجود
ہیضہ سے اپنی جان بچانے کے لئے

ہیضہ گرنی کے دست - پیٹ کا درد - اور بھٹی وغیرہ کو در کر نیکی بے خطا دوا - جہاں کیس ہیضہ
چھلا ہو وہاں ایک یا دو بوند استعمال کرنے سے ہیضہ میں مبتلا ہو نیکی کا ڈر نہیں رہتا - ہر ایک
گھر اور سفر میں اسے پاس رکھنا ضروری ہے -

قیمت فی شیشی چھ آنے ۶ / محصول تین شیشیوں تک سات آنے ۷ /



ہیضہ - سوزاک - جلندھر خواد اور کسی وجہ سے پیشاب بند یا کم ہو جائے تو "پورا"
استعمال کیجئے - اس کے صرف دو ہی تین بار کے استعمال سے پیشاب کھل کر صحت
آنے لگتا ہے -

قیمت فی شیشی چھ آنے ۶ / محصول سات آنے ۷ /



آٹھ مکھڑھا - سوزش - کڑک - بانی بہنا اور گرد و غبار - دھواں - دھوپ کی تیزی وغیرہ کی
وجہ سے آٹھ کی سسجی - اس کے تین چار دنوں کے استعمال سے جاتی رہتی ہے -
قیمت فی شیشی نو آنے ۹ /

محصول دو شیشیوں تک سات آنے ۷ /



ہماری دوائیں ہر جگہ فروخت ہوتی ہیں ڈاک محصول بہت بڑھ گیا ہے اس لئے اپنے
مقامی ہمارے ایجنٹ سے خرید فرمائیں - نمونہ مرن ایجنٹوں ہی سے مل سکتا ہے -

نوٹ

صیفہ نمبر ۶ / پوسٹ بکس نمبر ۵۵ کلکتہ

ایجنٹ کا پوز نیا گنج میں محمد حفیظ محمد نصیر صاحب

سورڈال "تبرے پن کو اچھا کر دیتا ہے

سورڈال نامی جدید فرانسیسی دوا نہایت صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے بنایا ہوا مرہم ہے جسکے استعمال سے بہت سے لوگوں کا ہرین اور دماغ میں شور سناؤ دینا اور ناک کا نزلہ سے بند ہو جانا عجیب غریب طریقہ سے قطعی اچھا ہو گیا ہے۔ ان حالتوں میں بھی جہاں بہترین بلٹی مشورے اور اعلیٰ ترین قیمتی دوائیں بھی بیکار ثابت ہوئی ہیں یہ مرہم کامیاب ہوا ہے۔ اگر آپ کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو تو سورڈال آپ کے نقل سماعت کا نقصان منع کر کے آپ کے سننے کی طاقت کو بھرپور بحال کر دیگا۔ آج ہی اس عجیب غریب گھیر لو دوا کا ٹیس منگائیجئے قیمت صرف تین روپیہ ہے۔

مسٹری - آسمتہ ساؤتھ شیلڈز سے لکھتی ہیں:-
"سورڈال" مرہم نے میری قوت سماعت مکمل طور سے بحال کر دی، اور نزلہ اور سر کے اندر کے شدید شور کو بالکل دفع کر دیا ہے۔ میں نے بہت لوگوں سے اس دوا سے عظیم کا ذکر خیر کیا ہے۔"

سورڈال کمپنی، ۵۲، ہوم کرافٹ روڈ

سیدنہم، لندن - انگلستان
کے پتہ سے طلب کیجئے

SOURDAL Co;

52, Homecroft Road, Sydenham
LONDON (England)

لفصیلی اشتہارات کی کتابیں مفت طلب فرمائیے۔



باپ کو پوری رستی حاصل ہو گئی،

ایک سناٹوجن استعمال کر نوالے شخص کا شکر گدا ربیہا کھا ہے کہ:-
"یہ بالکل سچ ہے کہ سناٹوجن کے تین ہفتے کے استعمال سے میرے باپ کو پوری صحت اور طاقت حاصل ہوئی سناٹوجن کے استعمال سے پہلے میرا باپ قریب مرگ معلوم ہوتا تھا لیکن اب وہ پورے طور پر تندرست اور طاقتور ہے۔
ہیں میں سناٹوجن کا شکر گدا رہوں۔"

سناٹوجن نے دوسروں کو جو فائدہ پہنچایا ہے وہ آپ کو بھی پہنچ سکتا ہے۔ تھوڑی سی مدت میں آپ کی کمزوری غالب آ جائیگا اور آپ اپنے آپ کو طاقتور اور تندرست محسوس کرنے لگیں گے کیونکہ اس میں بالکل دہشی اجڑا ہوا یعنی فاسفورس اور البومین جو خون رگوں اور جسم میں طاقت پیدا کرتے ہیں آپ میں تکلیف دینے والے کمزور ہیں جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ سناٹوجن آپ کو اپنی زندگی سے پورے طور پر لطف اندوز ہونے کی طاقت بخشے گا۔

SANATOGEN

اصلی مقوی غذا

نام انگریزی دوا فروشنوں اور بازار میں ملتا ہے

سناٹوجن ہاتھ سے نہیں چھوئی جاتی۔

کتابخانه

بانک ملی تحریک

کتابخانه

یہ تصانیف بانک سے عمارت پر شائع ہوئی ہیں ان کو عالمی پسند کی کاغذ حاصل ہے

تصاویر رنگین	قدیم زمانہ کا طریق جنگ	داراشکوہ کا سر اور گریب	شاہزادہ کینگ کالج	جسٹس محمود	لالہ لاجپت سنگھ
فی تصویر	یونپ کا ایک سر	کے سامنے پیش ہوا	منقذہ اللہ	بابو سریندر ناتھ بھنجر	ڈاکٹر جی بہادر سہو
نیمہ محبت	ایک نیم مشرقی سر	میرن صاحبہ جعفر	منشی احمد علی شوق	کالچن بھنجر	سر ساجد رحمت اللہ
موسم سرما	مصطفیٰ المال پاشا	ٹیپو سلطان	مرزا سلطان احمد	مرزا کرشن بھٹیلا	لالہ سنبھال
جادو بہاری	کی ترکی کوئل	دربار بادشاہ و پیشو	مرزا محمد رفیع سوہا	بابو گنگا پرشاد دورا	راجہ صاحبہ محمود آباد
انتظار	غسل کی تیاری	دربار شاہ عباس	مرزا انشا اللہ علی	سوامی دیو گاندھ	لالہ ڈسہنا
ہدایت	سیتہ دان اور ڈی	موسیٰ تصاویر	مولانا عبدالحق البرکات	نواب حسن الملک	سر غاغان
گل پنج روز	راجہ کمانڈ کے بیٹے	ماہ جیت ۲۰	مولانا آزاد دہلوی	سٹر ہنس بہاری	مولانا محمد علی
رفیق طفلی	قاتل	جیل ۲۰	سٹر رام بابو سکینہ	ڈاکٹر تیش چندر	سٹر سپرینڈنٹ
شکستہ اور شین	باسید اور دیو کی تیار	بھادو ۲۰	منشی زبیر نظر	بھنجر	سر سربوخی نائیڈو
متعل ہدایت	زور بکیش متعلق نگہ	بھان ۲۰	جناب چکیت	بندت لکھن ناتھ	سٹر پی پی مافو
تار شکستہ	موت کا لیل	مشہور انشا پر از ان	حضرت صفی	بابو پرتاب چندر	راؤ
صبح روزی	اکبر اعظم	مولانا شبلی	مولانا حسن نظامی	جسٹس لال چند	سوامی شرمانند
فن تصویر کے نمونے	اکبر اور جیتے کا شکا	شمس العلماء کا لہر	سید ران ہند	آزیزیل سرگودھ	سریندر ناتھ بھنجر
کشت میں صحت	دربار شاہجہاں	شمس العلماء ڈاکٹر سید	واماموران ملک	انجن خادمان ہند	ڈاکٹر ٹیگور
وقت نزع	محمد غلامیہ میں شاہی	میر عشق علی	راجہ ام ہنس	سٹر رام داس	بابو بھگوانداس
تقریب کا انار	سوامی کا جلوس	حضرت امیں موم	سٹر دادا بھائی فندہ	مہاتما گاندھی	سید امیر علی
بھکاری	محاصرہ چوڑ	حضرت سرور	سر سالار جنگ	بندت مدھو ہنس صاحب	نواب سید حسن
پسند سازش	سید الیش شاہزادہ سلیم	مولوی عزیز مرزا جٹا	ڈاکٹر نذیر احمد خاں	مالوی	بلکراجی
سید فاداری	دربار جہانگیر میں سفر	بابو بالکند گپتا	اکین دیانند کالج	کرنل بھواناتھ	نواب سید محمد
شیوجی اور راسا	فارس	ادبیر عہارت ستر	سٹر ملک	بندت متی لال نرو	

زمانہ پاک انجینی کان پور سے منگائیے

مکتبہ جامعہ ملیہ (ڈراما) **ہمسرا** [قرول باغ - دہلی]

اشتیاق حسین قریشی صاحب ایم۔ اے کا وہ دلچسپ ڈراما جس میں کم عمر بھوی اور بزرگوار شوہر کے معاملات قدرے غرافت آمیز پر ایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اچھی سوسائٹی میں اسٹیج کرنے کیلئے یہ ڈراما بہت مناسب ہے۔ طباعت۔ کتابت۔ گناہ بہت اچھا یہ اردو کی ان کتابوں میں کہ جو تمام لوازم اشاعت سے آراستہ ہیں۔

(ڈراما) **گناہ کی دیوار**

مصنفہ اشتیاق حسین قریشی صاحب ایم۔ اے۔ گناہ بری چیز ہے لیکن شقاوت قلب اور تکبر بدتر ہیں۔ گناہ کی دیوار شاید ٹوٹ سکتی ہے لیکن شقاوت قلب اور تکبر کے بول کا توڑ نہایت دشوار ہے۔ یہ ایک با عصمت خاتون کا قصہ ہے جسے کچھ عرصہ تک مجبوراً عصمت فروشی کی زندگی گزارنی پڑی لیکن بالآخر خدائے اس کی گریہ و زاری سن لی اور اس زندگی سے نجات دلائی۔ قیمت ۸

(ڈراما) **کھیتی**

مصنفہ محمد حبیب صاحب بی۔ اے (آکسن) مسلمانوں کی ذہنی اور قومی رہنمائی کے لئے ایک دلچسپ ڈراما۔ مذہب اور اخلاق کس رستے پر چلانا چاہتے ہیں۔ زمانے کی کھلیں، قوم و ملت کی ضروریات سب پر ایک نظر ڈالی گئی ہے اور ایک معیار بھی تجویز کیا گیا ہے جو رہنمائی کے دعویداروں کو پرکھنے میں کام آسکتا ہے۔ قیمت صرف چھ آنے

(ڈراما) **پردہ غفلت**

ڈاکٹر طہید عابد حسین صاحب ایم۔ اے بی ایچ۔ ڈیسی کا وہ ڈراما جو انھوں نے قیامِ جرمنی میں لکھ کر واپس چھپوایا تھا۔ مسلمان غلامانوں کی معاشرت کی سچی تصویر تعلیم السوال آزادی السوال اور پردہ پر مفید بحث۔ چھپانے غرافت آمیز اور نتیجہ خیز قصہ ہے۔ طباعت عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ ۷۵

